اسلامی علوم وفنون پر لکھے گئے علمی مقالات

رشحات

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

کتاب محل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی انقلاب

جہاد اور دہشت گردی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ بطور سیرت نگار

جبری شادی

کاروکاری ایک رسم اور شریعت اسلامیہ

فوائد الفواد کا خصوصی مطالعہ

فن سیرت نگاری کا اجمالی جائزہ

بعد الممات کا تصور

روشن خیالی اور اعتدال پسندی

مابعد جدیدیت اور مہابیانیہ (Metanarrative) پر تشکیک

Marfat.com

اسلامی علوم وفنون پر لکھے گئے علمی مقالات

رشحات

ڈاکٹر محمد اکرم رانا

DATA ENTERED

کتاب محل

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ادارہ کتاب محل سے باقاعدہ تحریری اجازت
کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر
ہوتی ہے تو قانونی کاروائی کا حق محفوظ ہے۔

297.04
ر628
۱۵۹۲۲۷
را

نام کتاب — رشحات

مؤلف — ڈاکٹر محمد اکرم رانا

سن طباعت — ۲۰۱۷ء

قیمت — 700/-

کتاب محل

دربار مارکیٹ لاہور
0321-8836932

نئی و پرانی عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی کتب کا مرکز
ادارے کے پاس 100 سالہ پرانے نسخہ جات دستیاب ہیں

اپنی کتابیں پرنٹ کروانے کیلئے رابطہ فرمائیں
مسودہ دیں تیار کتاب لیں

Marfat.com

فہرست مضامین

۱	ابوبکر الجصاص اور احکام القرآن	۵
۲	علم اصول الفقہ ...... چوتھی صدی ہجری میں	۲۳
۳	علم النسخ یا الناسخ والمنسوخ کا تاریخی ارتقاء	۳۹
۴	اجتماعی اجتہاد میں مقاصد شریعت اور قواعد کلیہ کا کردار	۵۷
۵	فن سیرت نگاری کا اجمالی جائزہ	۷۷
۶	ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ بطور سیرت نگار	۹۳
۷	مولانا ابوالحسن علی ندوی کے فکری رجحانات	۱۱۳
۸	روشن خیالی اور اعتدال پسندی	۱۳۳
۹	حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۱
۱۰	فوائد الفواد کا خصوصی مطالعہ	۱۷۱
۱۱	جبری شادی	۱۹۵
۱۲	مابعد جدیدیت اور مہابیانیہ (Metanarrative) پر تشکیک	۲۲۱
۱۳	اسلام میں حیات بعد الممات کا تصور	۲۴۱
۱۴	جہاد اور دہشت گردی	۲۵۵
۱۵	ایمانیات میں تعلق بالرسول	۲۶۵
۱۶	امریکہ میں اشاعت اسلام ۔ اسباب واثرات	۲۷۱
۱۷	کاروکاری ایک رسم اور شریعت اسلامیہ	۲۸۱
۱۸	رسول اللہ ﷺ کا سیاسی انقلاب	۳۰۹

Marfat.com

PANJAB
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

ابوبکر الجصاص اور احکام القرآن

ہم نے مجلّہ فکر ونظر کے شمارہ (ستمبر-اکتوبر ۱۹۸۷ء) میں جناب مولانا محمد میاں صدیق صاحب کے مقالہ ''ھدایہ اور صاحب ھدایہ'' کے تعارف کے سلسلے میں لکھا تھا کہ ''ہمارے اسلاف نے جس محنت، لگن اور تحقیق وتفحص سے علم کی خدمت کی اور خاص طور پر علوم شرعیہ میں جس جزرسی کی انتہا پر قدم رکھا وہ مسلمانوں کی تاریخ کا قابل فخر باب ہے۔ ان کی کتب کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے معرکتہ الاراء ہیں، ہماری بدقسمتی کہ آج ہم ان سے پوری طرح متعارف نہیں ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم ''فکر ونظر'' کے ہر شمارے کے چند صفحات کسی ایک علمی وتحقیقی کتاب کے تعارف کیلئے وقف کردیں.... ہم یہ سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اپنے علمی معاونین سے معاونت کے خواستگار ہیں۔'' اس گزارش کی طباعت ثانی سے مقصود یاددہانی ہے۔ ہم اہل علم وفضل کے تعاون سے ہی یہ کام سرانجام دے سکیں گے۔

الجصاص کے حالات زندگی:

الجصاص چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ (وہ چوتھی ہجری جس میں سیاسی بے قاعدگیاں عروج پر تھیں اور جس میں اختلافات مابین سنی اور شیعہ بہت حد تک وسیع تھے۔) آپ کا مکمل نام احمد بن علی ابوبکر الرازی الحنفی الشہیر بالجصاص ہے۔ آپ ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو الرازی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ فارس کے شہر ''رے'' میں پیدا ہوئے۔ (۱) بعض علماء نے آپ کی جائے پیدائش بغداد بتائی ہے۔ (۲) لیکن ہمیں اس نظریہ سے اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ بے شمار ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ الجصاص بغداد میں ۳۲۴ھ۔ میں تشریف لائے۔ اس بیان کی تائید میں مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ عمر رضا کہتے ہیں۔ ''الجصاص جو کہ

Marfat.com

حنفی اصولی تھے نوجوانی کے عالم میں بغداد تشریف لائے''۔ (۳) اسی طرح خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ جصاص بغداد میں اس وقت تشریف لائے جب کہ وہ نوجوان تھے۔ یہاں آکر وہ ابوالحسن الکرخی کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے۔ (۴)

لفظ الجصاص کی تشریح کرتے ہوئے علامہ السمعانی رقمطراز ہیں کہ ''جص کے معنی ہیں چونا کرنا اور جصاص وہ ہوتا ہے۔ جو چونا کرے یا قلعی کا کام کرے۔ (۵) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بعض آئمہ نے جصاص اور رازی کو دو مختلف شخصیتیں سمجھا ہے۔ اس پر ابن قطلو بغا نے خبردار کیا ہے کہ جو لوگ جصاص اور رازی کو دو مختلف شخصیات تصور کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ دراصل یہ ایک ہی شخصیت تھے۔ (۶)

ابوبکر الجصاص ۳۰۵ھ میں ''رے'' کے مقام پر پیدا ہوئے۔ جب آپ بغداد میں پہنچے اس وقت آپ کی عمر ۱۹ سال تھی۔ یہاں پر آپ نے اپنے استاد ابوالحسن الکرخی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ (۷) اس کے بعد آپ اھواز چلے گئے۔ جہاں پر کچھ دن گزارنے کے بعد آپ پھر بغداد آگئے اور دوبارہ ابوالحسن الکرخی کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے۔ (۸) ابوبکر الجصاص قرآن حکیم اور حدیث پر مکمل عبور رکھتے تھے اور اپنے وقت کے مشہور فقہیہ تھے۔ آپ کی کتاب احکام القرآن اس بات کا بین اور واضح ثبوت ہے کہ آپ قرآنی علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ جہاں تک علم حدیث کا تعلّق ہے وہ آپ نے الحاکم النیشاپوری سے حاصل کیا۔ (۹) اس سلسلہ میں آپ نے نیشاپور کا سفر بھی کیا۔

O Spies کے قول کے مطابق آپ الکرخی کی وفات کے بعد بغداد میں حنفیوں کے گروہ کے سرغنہ بن گئے۔ (۱۰) الجصاص سخت متعصب انسان نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے محدثین اور فقہاء کے مابین ثالثی کے فرائض سرانجام دیئے۔ (۱۱) آپ فقہ کے بلند پایہ عالم تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے جو کتب تحریر کیں وہ زیادہ تر فقہ سے تعلّق رکھتی ہیں۔ (ذیل میں ان کتابوں کا مختصر تعارف درج ہے)۔ خطیب بغدادی کے قول کے مطابق الجصاص کو دو مرتبہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا گیا۔ مگر آپ نے انکار کردیا السمیر ی کی روایت کے مطابق ابوبکر الابہری کا قول ہے کہ ''بغداد کے خلیفہ مطیع اللہ کا سفیر ابوالحسن

Marfat.com

میرے پاس آیا اور مجھے قاضی بننے کی درخواست کی۔ میں نے انکار کر دیا اور الجصاص کا نام تجویز کیا۔'' اس دوران میں الجصاص سے بذات خود ملا اور اس عہدہ کے قبول نہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ کچھ دن بعد ابوالحسن میرے پاس دوبارہ آئے اور الجصاص کے پاس چلنے کی درخواست کی۔ میں انہیں الجصاص کے پاس لے گیا۔ مگر الجصاص مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھے نصیحت کی تھی کہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کروں اور اب آپ بطور سفارش خود یہاں موجود ہیں؟ ابوالحسن کو یہ بات ناگوار گزری اور ابوبکر الابہری کو کہنے لگے کہ'' آپ ایسے آدمی کے بارے کیوں کہتے ہیں۔ جس کو آپ خود قاضی بننے سے منع کرتے ہیں۔'' ابوبکر الابہری کہنے لگے'' اس سلسلہ میں، میں نے امام مالک بن انس کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ جنہوں نے مدینہ کے لوگوں کو کہا تھا کہ نافع کو نماز کے لئے امام بنالیں اور ساتھ ہی نافع کو منع کر دیا کہ آپ لوگوں کے امام نہ بنیں اور جب امام مالک سے اس طرز عمل کے بارے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا'' نافع کا نیکی میں درجہ بہت بلند ہے اور انہوں نے اگر ایسا کیا تو لوگ حسد کی وجہ سے ان کے دشمن ہو جائیں گے۔'' اسی طرح میں نے الجصاص کو پسند کیا۔ کیونکہ نیکی میں کوئی دوسرا ان کے ہم پلہ نہیں اور انہیں اس لئے منع کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔'' (مگر قاضی القضاۃ بننے کے بعد لوگ آپ سے حسد کریں گے اور اس طرح طعن و تشنیع کے ذریعہ ان کو بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔) (۱۲)

اس قصہ سے مندرجہ ذیل مطالب اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ یہ کہ الجصاص ذاتی طور پر سرکاری منصب قبول کرنے کے حق میں نہ تھے۔ دوسرا وہ وقت کے جید امام تھے اور ان کا رعب و دبدبہ اتنا زیادہ تھا کہ خلیفہ وقت کے سفیر بھی بلا واسطہ ملاقات سے کتراتے تھے اور انہیں کسی نہ کسی کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

ابوبکر الجصاص کی بیشتر تصانیف فقہ کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے الجصاص کی کتابوں کی تعداد نو (۹) گنوائی ہے۔ جن کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

(۱) اصول الجصاص (اصول الفقہ)

اصول الفقہ پر یہ کتاب دو ناموں سے مشہور ہے (۱) اصول الجصاص (۲) الفصول فی الاصول۔ یہ کتاب احکام القرآن کا مقدمہ ہے احکام القرآن میں جب بھی کسی اصول کے متعلق گفتگو کرنے کا موقع آتا ہے۔ جصاص فوراً اپنی کتاب اصول الفقہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کو وہاں دیکھا جائے جو اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اصول الفقہ، احکام القرآن سے قبل ترتیب دی گئی۔ اس کتاب کے تین نسخے (مخطوطے) ہیں۔ ایک مخطوطہ جامعۃ الازہر میں ہے۔ دوسرے دو مخطوطے دار الکتب مصر میں ہیں۔ ایک مخطوطہ دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ جن کے نمبر ۲۶ اور ۱۹۱ فقہ حنفی ہیں۔ دوسرے نسخے کا نمبر ۲۲۹ اصول ہے۔ اس نسخے کی ایک کاپی پشاور یونیورسٹی میں موجود ہے۔ مؤخر الذکر دونوں مخطوطوں کی مائیکروفلم ناچیز کے پاس بھی موجود ہے۔

الجصاص کی کتاب ''اصول الفقہ'' کا حصہ اول کویت سے جمیل النشمی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے دوسرے حصے کے ابواب الاجتہاد والقیاس پر ڈاکٹر قاضی سعید اللہ نے کام کیا ہے۔ الجصاص پر پاکستان میں ہونے والا اپنی نوعیت کا یہ پہلا اور بہترین کام ہے۔ اس دوسرے حصے کے ''ابواب النسخ'' پر برطانیہ کی یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز میں تحقیق ہوئی ہے۔ ان ابواب پر ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا گیا ہے، جس میں امام شافعی اور امام الجصاص کے نظریات کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ یہ تحقیق ناچیز کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ الجصاص کی کتاب ''اصول الفقہ'' کا تعارف فروری، مارچ ۱۹۸۷ء میں امریکہ کے مجلّہ ''J.A.O.S'' میں شائع ہوا ہے۔ اور اس سے قبل ''الجصاص کے نظریہ علت اور قیاس'' پر ایک مضمون مارچ ۱۹۸۲ء میں اسی مجلّہ میں شائع ہو چکا ہے۔

الجصاص کی احکام القرآن کے علاوہ سب سے پہلا کام جصاص پر ستمبر ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ نبیل شہابی نے ''The in fluence of Stoic logic on jassas'' کے عنوان سے ایک آرٹیکل The cultural Context of Medieral learning میں شائع کیا۔

Marfat.com

یہ مضمون بہت ہی مفید ہے۔

۲۔شرح الجامع الکبیر:

امام محمد بن الحسن الشیبانی نے سیر کے موضوع پر ایک کتاب تحریر کی جس کا نام الجامع الکبیر رکھا۔حاجی خلیفہ کے مطابق وہ مصنفین جنہوں نے اس کتاب کی شروح لکھیں ان میں الجصاص کا نام سرفہرست ہے۔[۱۳] ابن الندیم کے قول کے مطابق الشیبانی کی الجامع الکبیر پر الجصاص کی شرح ایک عمدہ کتاب ہے[۱۴] بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکی اور مخطوطہ کی شکل میں دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔اس کی دو جلدیں ہیں۔دونوں جلدیں فقہ حنفی کے تحت ۴۵ ۷ اور ۴۶ ۷ نمبروں کے ساتھ محفوظ ہیں۔[۱۵]

۳۔الجامع الصغیر:

حاجی خلیفہ نے اس کتاب کوالکشف الظنون میں ''الجامع الصغیر'' کے تحت درج کیا ہے۔ لیکن تلاش بسیار کے باوجود اس کا پتہ نہ مل سکا۔تاہم اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب الجصاص کی تصنیف ہے۔[۱۶]

۴۔شرح المختصر الکرخی:

الکرخی کا شمار آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔اپنے استاد سے محبت کی وجہ سے آپ نے ان کی کتاب کی شرح لکھی۔ہماری تحقیق کے مطابق اس کتاب کا نسخہ آج کل موجود ہے۔

۵۔شرح المختصر الطحاوی

تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ الجصاص نے ''المختصر الطحاوی'' کی شرح لکھی۔الحمد للہ یہ کتاب آج بھی مصر کے دارالکتب میں موجود ہے۔سید فواد جنہوں نے دارالکتب میں موجود مخطوطات کی فہرست مرتب کی ہے۔اس کتاب کے تحت رقمطراز ہیں کہ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔پہلی جلد پر کوئی تاریخ درج نہیں۔مگر قرین قیاس ہے کہ یہ پانچویں صدی ہجری کی

Marfat.com

تحریر ہے۔ البتہ دوسری جلد کے بارے وہ صریحاً لکھتے ہیں کہ یہ ۷۴۸ھ کی تالیف ہے اور اس کو علامہ الاتقانی نے مکمل کیا۔ (۱۷)

۶۔شرح الاسماء الحسنیٰ:

یہ کتاب ہماری تحقیق کے مطابق کہیں بھی موجود نہیں۔

۷۔شرح ادب القاضی للخصاف:

احکام القرآن اور اصول الفقہ کے بعد الجصاص کی یہ سب سے بہترین تصنیف ہے۔ اس کتاب کو ۶۲۹ھ میں نقل کیا گیا اور اس کا مخطوطہ استنبول کی لائبریری میں جاراللہ ۱۶۸۹ نمبر کے تحت ۲۰۱ صفحات پر مشتمل موجود ہے۔ تاہم یہ خوشی کی بات ہے کہ یہ کتاب چھپ کر ہمارے پاس آچکی ہے۔ یہ کتاب یقیناً الجصاص کی علمیت کی آئینہ دار ہے۔

۸۔فتاویٰ جصاص:

یہ کتاب جصاص کے فتاوی پر مشتمل ہے مگر ہمارے علم کے مطابق یہ کتاب مفقود ہو چکی ہے۔ تاہم اگر کہیں سے یہ کتاب ہاتھ لگ جائے تو بے شمار مسائل کے حل میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

۹۔احکام القرآن:

الجصاص کی تمام کتابوں سے قبل یہ کتاب مصر سے ۱۳۴۷ء/۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی۔ عبدالرحمٰن نامی شخص اس کتاب کو سب سے قبل متعارف کرانے آئے۔ پاکستان میں سہیل اکیڈمی لاہور والوں نے بھی اس کتاب کو شائع کیا۔ تاہم ہماری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس کتاب کو دوبارہ سے شائع کیا جائے اور اس میں موجود غلطیوں کو دور کیا جائے۔

Marfat.com

اساتذہ:

الجصاص فقہ حنفی کے ''امام'' ابوحنیفہ سے بے حد متاثر تھے۔آپ نے امام ابوحنیفہ کے مسئلہ پر دفاع کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض اصحاب کے نزدیک آپ مقلد تھے اور مجتہد نہ تھے۔ الجصاص کے اساتذہ میں ہمارے سامنے دو نام آئے ہیں۔ایک ابوسہل زجاج اور دوسرے ابوالحسن الکرخی۔اول الذکر سے آپ نے بہت کم مسائل درج کئے ہیں۔جب کہ ابوالحسن الکرخی کے نظریات کی الجصاص پر گہری چھاپ ہے۔الجصاص نے جگہ جگہ اپنے استاد کے قول درج کئے ہیں۔اگر کوئی شخص ابوالحسن کی آراء کو اکٹھا کر لے تو یقیناً یہ ایک تحقیقی کام بن سکتا ہے۔

ابن الندیم کے مطابق الکرخی ایسے عظیم فقیہہ تھے کہ آپ سے اس وقت کے تمام علماء مشورہ لیا کرتے تھے اور وقت کے بے شمار علماء نے آپ سے فیض حاصل کیا۔آپ نڈر قسم کے انسان تھے اور ۸۱ سال کی عمر میں مفلوج ہو کر اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ (۱۸)

آپ کے حدیث کے اساتذہ میں ابوالعباس الاصم (م ۳۴۶ھ)، ابوعمر غلام ثعلب (م ۳۵۲ھ) الاصفہانی (م ۳۴۶ھ) عبدالباقی بن قانع (م ۳۵۲) قابل ذکر ہیں۔الجصاص نے عبدالباقی بن قانع پر سب سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔احکام القرآن کے مقدمہ میں خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ ''دروی الحدیث عن عبدالباقی بن قانع واکثر عنہ فی احکام القرآن'' (مقدمہ الجزء الاول)۔ڈاکٹر سعید اللہ قاضی اپنی کتاب ''الفصول فی الاصول'' (ابواب الاجتہاد والقیاس) کے صفحہ نمبر ۳۸ پر رقمطراز ہیں کہ مشہور محدث دارالقطنی نے بھی عبدالباقی سے احادیث روایت کی ہیں اور ساتھ ہی یہ کہا ہے کہ عبدالباقی بن قانع سے اکثر غلطیاں سرزد ہوتی تھیں۔

احکام القرآن کی خصوصیات:

احکام القرآن فقہ وتفسیر اسلامی کی کتب میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔فقہ حنفی میں یہ کتاب ایک ''اصل'' کی حیثیت رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جصاص کی یہ کتاب آج تک علماء میں مقبول ومتداول ہے۔جو بات محمد میاں صدیقی صاحب نے ''کتاب الہدایہ'' کے بارے

Marfat.com

میں لکھی ہے۔ وہ ابوبکر الجصاص کی احکام القرآن پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ انہی الفاظ کو ہم یہاں دوبارہ لکھنے کی جسارت کرتے ہیں۔ ''علوم وفنون کی تاریخ میں یہ بات کم دیکھنے میں آئی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی کتاب کی اہمیت وافادیت میں اضافہ ہوتا رہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اچھی سے اچھی کتاب کی بھی ایک مدت ہوتی ہے۔ ایک خاص وقت اور مدت گزرنے کے بعد کتاب کی اہمیت وافادیت کم ہو جاتی ہے۔ لیکن ہدایہ کی صورت حال بالکل مختلف ہے۔ یہ کتاب چھٹی صدی ہجری میں لکھی گئی اور اب آٹھ صدیوں کی طویل مدت گزرنے کے بعد نہ اس کی اہمیت میں کوئی کمی آئی نہ لوگ اس کی ضرورت سے بے نیاز ہوئے۔ بلکہ گزشتہ نصف صدی میں اس کی ضرورت میں اضافہ ہوا ہے۔'' احکام القرآن چوتھی صدی ہجری میں تحریر کی گئی اور اب ایک ہزار سال کی مدت گزر گئی ہے۔ مگر اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا ثبوت ہم اوپر درج کر چکے ہیں کہ جصاص پر جتنا کام اس آخری نصف صدی میں ہوا، اتنا کبھی نہیں ہوا۔

احکام القرآن کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی طرز اور اسلوب کی حامل ہے۔ چنانچہ قاری کے لئے ایک تسلسل برقرار رہتا ہے۔ جوں ہی وہ اس کتاب کے مطالعہ کو شروع کرتا ہے۔ اسے الجصاص کے طرز تخاطب سے دلچسپی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ احکام القرآن کا مطالعہ کرنا اتنا آسان بھی نہیں ہے جس کی وجہ الجصاص کی خاص استعمال کردہ اصطلاحات ہیں۔ جو شخص ان سے واقف ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے الجصاص کے دلائل کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً الجصاص اس کتاب میں ''بدیا'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ الجصاص ابھی یہ بات کہہ کر آگے بڑھتے ہیں۔ یعنی وہ دلیل جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند ضروری اصطلاحات کا تعارف کرا دیا جائے۔ تاکہ قاری کو احکام القرآن کا مطالعہ کرتے وقت کوئی دقت نہ آئے۔ جہاں پر لفظ ''قال'' کے الفاظ ملتے ہیں۔

اس سے اکثر الجصاص اپنے استاد ابوالحسن الکرخی کے نظریات کو بیان کرتے ہیں اور جو نہی وہ اپنی طرف سے کوئی بات کرتے ہیں۔ وہ '' قال ابوبکر '' کے الفاظ سے شروع کرتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ طریقہ کار تقریباً ان کی تمام کتابوں میں رہا ہے۔ جہاں" قال اصحابنا" کے الفاظ ہوتے ہیں اس سے مراد امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد بن الحسن الشیبانی، امام الکرخی، امام الطحاوی اور دیگر مشائخ ہوتے ہیں۔ امام الجصاص کے ہاں دلالۃ النص، اقتضاء النص اور دیگر اصول فقہ کی اصطلاحات کا استعمال بھی عام ہے۔ اسی طرح ''فحوی الخطاب'' جس کا مطلب یہ ہے کہ ذیل کی نص یا حکم چند دوسرے احکامات پر بھی مشتمل ہے۔ جب ''عندنا'' کا لفظ آئے تو اس سے مراد احناف لئے جاتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ کی وضاحت ضروری ہو تو" قد بینا" یا "الذی قدمنا" کے الفاظ نظر آتے ہیں۔

محمد میاں صدیقی نے اپنے مضمون ''شیخ برہان الدین مرغینانی اور ان کی کتاب الہدایۃ میں الکمال پاشا (م ۹۴۹ھ) کے ایک مختصر رسالہ'' ''طبقات الفقہاء'' سے مجتہدین کے سات طبقے گنوائے ہیں۔ ان میں تیسرا درجہ مجتہد فی المسائل کا ہے۔ اس درجہ میں ابوبکر الجصاص کا نام نامی موجود نہیں ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ان کا نام امام الکرخی اور امام ابوجعفر الطحاوی کے بعد تیسرے درجہ پر ہے۔ کیونکہ الجصاص نے چوتھی صدی ہجری میں حنفی فقہ کی وہ خدمت کی ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔ آپ کی کتابوں کو سامنے رکھ کر آنے والے فقہاء نے استنباط کئے ہیں۔ اور یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ آپ نے علم کو آگے بڑھایا ہے۔ یہی نہیں موجود دور کے مفسرین مثلاً ابوالاعلی مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا محمد شفیع کی معارف القرآن اور علامہ غلام رسول سعیدی کی تبیان القرآن پر نظر ڈالی جائے تو الجصاص کے خیالات کی عملی تفسیر نظر آتی ہیں۔ لیکن الجصاص کی تصانیف اور پھر بعد میں آنے والے اصحاب کی اگر آراء کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بعض حضرات جصاص کو ''مجتہد فی المذہب'' کے درجہ پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ (۱۹)

جصاص کی کتب میں جو اہمیت احکام القرآن کو حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ کتاب الجصاص کی بقیہ کتب میں سب سے پہلے متعارف ہوئی اور بار بار شائع ہوئی۔ یہ فقہ کی تمام کتابوں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ احکام القرآن میں کسی مسئلہ کو پیش کرتے وقت عموماً ابوبکر الجصاص کا طریقہ یہ رہا ہے کہ آپ قرآنی آیت کو پیش کر کے اس پر صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اپنے اصحاب کے اقوال

Marfat.com

درج کرتے ہیں۔ اسی طرح امام شافعی، امام مالک، امام اوزاعی اور امام ثوری کا نقطہ نظر سامنے لاتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ امام احمد بن حنبل کا ذکر نہیں کرتے۔ شاید آپ کو فقہاء کے درجہ میں نہیں لاتے۔ تاہم اصحاب الحدیث میں اُن کا ذکر ضرور ملتا ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مختلف مسائل پر ان اصحاب کی آراء ملتی ہیں۔ جن کی مستقل کتابیں معدوم ہیں۔ مثلاً ابن شبرمہ، امام الثوری اور امام اوزاعی وغیرہ۔ جب الجصاص تمام اصحاب کا ذکر کر چکتے ہیں تو اپنا بیان ''قال ابوبکر'' سے شروع کرتے ہیں۔ جب اکثر فقہاء ایک رائے کی طرف جھکے ہوئے ہوں تو جصاص فوراً کہتے ہیں ''قد حصل اتفاق السلف'' اس طریقہ سے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سلف اس آیت یا لفظ کے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا ان کا قول درست تسلیم کرنا چاہیے۔ الجصاص اپنے قول کی تائید میں اشعار بھی پیش کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ابن جریر الطبری کی طرح کلام عرب سے استشہاد پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں الجصاص منفرد نہیں ہیں۔ یہ طریقہ کار اکثر مفسرین کا رہا ہے۔ الجصاص چونکہ ''اصولی'' تھے لہٰذا آپ کے ہاں حقیقت، مجاز، عام خاص، مطلق مقید، ناسخ منسوخ اور دیگر اصولوں پر بحثیں بکثرت ملتی ہیں۔

الجصاص کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو مکالمہ کے انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قیل اور قال سے ان کا مکالمہ دیر تک جاری رہتا ہے۔ الجصاص اپنے قول کے ثبوت میں احادیث اور آثار پیش کرتے ہیں۔ آپ مخالفین کے اقوال کو احادیث کی روشنی میں جانچتے ہیں اور مخالفین کی احادیث کو جرح و تعدیل کے پیمانے پر پرکھتے ہیں۔ آپ امام شافعی کے اقوال کی زبردست مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے ایک ایک قول کو لے کر واضح کرتے ہیں اور رد پیش کر کے اپنے قول کو ثابت کرتے ہیں۔ اس بات کا اقرار امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) میں بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''الجصاص امام شافعی کے سخت مخالف تھے۔'' الجصاص امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کے اقوال بھی درست تسلیم نہیں کرتے۔ جو کہ امام ابوحنیفہ کے حق میں نہ ہوں۔

Marfat.com

ابو بکر الجصاص کی احکام القرآن، قرآن بالقرآن، قرآن بالحدیث کی عملی تفسیر ہے۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکالنے میں کوئی دشواری نہیں کہ الجصاص جیسے آئمہ حضرات نے ہی ''اصول التفسیر'' کے قواعد وضوابط مقرر کیئے۔ جب جصاص کے تمام دلائل ختم ہو جاتے ہیں تو آخری سہارا ''نظر'' (قیاس) کا ہوتا ہے۔

احکام القرآن میں ظاہری معنوں سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ مثلاً الجصاص سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی نصرانی ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لے مگر دلی طور پر وہ مسیح کو ہی اللہ (العیاذ باللہ) گردانتا ہو تو کیا اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہوگا۔ آپ نے جواباً فرمایا: کیونکہ اس نے ظاہراً اللہ کا نام لیا ہے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دل میں کیا ہے۔ اس کے بعد الجصاص ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے جہاد کا حکم ملا ہے۔ جب تک لوگ کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' نہ کہہ دیں۔ بس جب وہ کہہ دیں تو انہوں نے اپنے خون اور اموال کو مجھ سے محفوظ کر لیا۔ الجصاص مزید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو منافقین کے بارے میں آگاہ کیا ہوا تھا۔ ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے لیکن آپ ان کی ظاہری بات پر یقین لے آتے ہیں۔ [۲۰]

ابو بکر الجصاص کا نظریہ امامت:

احکام القرآن میں مختلف نظریات پر بحث کی گئی ہے مثلاً امامت کے نظریہ پر الجصاص ان الفاظ سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ ''لغت میں امام سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی پیروی کی جائے۔ خواہ حق پر ہو یا باطل پر۔ لیکن اس آیت میں امام سے مراد وہ شخص ہے جس کی پیروی لازم ہو۔ اس اعتبار سے امامت کے اعلیٰ مرتبے پر انبیاء ہیں۔ پھر راست رو خلفاء پھر صالح علماء اور قاضی''۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں ''پس کوئی ظالم نہ تو نبی ہوسکتا ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ نبی کا خلیفہ یا قاضی یا ایسا عہدہ دار ہو جس کی بات کا ماننا امور دین میں لازم ہو۔ اس آیت کی دلالت سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا اور اگر وہ اپنے آپ کو اس منصب پر مسلط کر دے تو لوگوں پر اس کا اتباع اور اس کی اطاعت لازم نہیں۔ اس کا

Marfat.com

ثبوت مندرجہ ذیل آیت کی تشریح سے بھی ہوتا ہے۔ [۲۱] سورہ النور کی آیت نمبر ۵۵ ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو خلافت کی دولت سے نوازا جائے گا۔'' کی تشریح کے سلسلہ میں الجصاص رقمطراز ہیں: یہ آیت چاروں خلفاء کی امامت کے صحیح ہونے پر دلالت پیش کرتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ان کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا۔ لیکن امیر معاویہ اس خلافت میں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ (جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں) اس وقت تک وہ ایمان نہ لائے تھے۔ [۲۲] اسی طرح سورہ الحجرات کی آیت نمبر ۹، ''اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو'' کی تفسیر میں الجصاص لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے باغی گروہ سے تلوار کے ساتھ مقابلہ کیا اور آپ کے ساتھ کبار صحابہ اور اہل بدر شامل تھے۔ جن کی قدر و منزلت معلوم ہے اور جو ظاہر کرتی ہے کہ حضرت علی حق پر تھے اور دوسرے گروہ والے باغی تھے۔ [۲۳]

نظریہ الحسن والقبح:

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ الجصاص معتزلہ عقائد سے متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ناقدین آپ کو معتزلی حنفی کہتے ہیں۔ ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ جس سے الجصاص پر معتزلہ کا اثر و رسوخ واضح ہوگا۔ کسی چیز کے اچھے یا برے (الحسن والقبح) ہونے کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب کہ شارع (اللہ تعالیٰ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو اچھا یا برا قرار دیا ہو یا پھر عقل کسی بات کی اچھائی یا برائی کے بارے میں فیصلہ کرے۔ بہت سے شوافع اور اشعری مکتبہ فکر کے علماء کا خیال ہے کہ کوئی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہوتی۔ جب تک شارع اس کے بارے میں فیصلہ صادر نہ کرے بہت سے معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی چیز کی اچھائی یا برائی معلوم کرنا عقل کا کام ہے اور جب کسی چیز کے بارے میں عقل فیصلہ کر دے کہ وہ اچھی یا بری ہے تو اس سلسلے میں اس فرد کو جو اس پر عمل کرتا ہے ثواب یا عذاب ملنا چاہیے۔ [۲۴]

الجصاص اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جب کہ وہ اچھی نہ ہو اور کسی چیز سے منع نہیں کیا۔ جب تک وہ بری نہ ہو۔ اس

Marfat.com

بات سے وہ یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ توحید خالص بذات خود اچھی چیز ہے لہٰذا اس پر اعتقاد رکھنا ابدالآباد تک لازمی ہے اور اس حکم کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح انصاف کرنا (عدل) ایک اچھی چیز ہے۔ اب اس کے خلاف حکم نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ حکم نہیں دیا جا سکتا کہ اب تک انصاف پر عمل ہوتا رہا ہے اور اب اس پر عمل نہیں ہونا چاہیے۔ (۲۵)

اس بحث کو الجصاص نے اپنی کتاب ''الاصول'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا حکم نافذ کرتے ہیں تو ان کے علم میں پہلے ہی سے ہوتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد اس حکم کو بدل دیں گے۔ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے فیصلوں کا علم نہیں ہوتا اور وہ بعد میں اپنے فیصلے منسوخ کر دیتے ہیں۔ ایسا خیال کرنا نظریہ ''بدا'' کو قبول کرنے کے مترادف ہے جو الجصاص کے نزدیک یہود اور روافض کا نظریہ ہے۔

السحر:

الجصاص معتزلہ کی طرح جادو پر بھی یقین نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب احکام القرآن میں بے شمار مثالیں پیش کی ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جادو کا مسئلہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ '' جادوگر کسی آدمی کو گدھے یا گدھے کو آدمی کی شکل میں تبدیل نہیں کر سکتے۔ ابوبکر الجصاص اس حدیث کو صحیح قرار نہیں دیتے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیئے جانے کا ذکر ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (۲۶)

نظریہ نسخ:

یوں تو احکام القرآن پورے قرآن کے احکامات کا تفصیل سے ذکر کرتی ہے لیکن الجصاص بنیادی طور پر اصولی تھے اس لئے ان کے پیش کردہ اصولوں میں سے نظریہ نسخ کا مختصر تعارف ضروری ہے۔ مصطفیٰ زید جو کہ موجودہ دور کے مصری سکالر ہیں، اپنی کتاب '' الناسخ والمنسوخ'' میں لکھتے ہیں کہ '' الجصاص نے جو نسخ کی تعریف کی ہے وہ پانچ صدیوں تک تسلیم کی جاتی رہی ہے۔'' (۲۷)

ابوبکر الجصاص نے یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نسخ واقع ہوا ہے۔ آپ نے ابو

Marfat.com

مسلم الاصفہانی کا نام لئے بغیر ''احکام القرآن'' میں ان پر سخت تنقید کی ہے۔انہوں نے خبردار کیا ہے کہ نسخ کو تسلیم نہ کرنے والے مسلمانوں کے طرز عمل سے دور چلے گئے ہیں۔یہی عقیدہ النحاس کا ہے جنہوں نے اس کا ذکر اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ کے مقدمہ میں کیا ہے۔آپ نے امام شافعی کے نظریہ نسخ کی بھی مخالفت کی ہے۔امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ صرف قرآنی احکام، قرآنی احکام کو منسوخ کر سکتے ہیں۔اور صرف سنت کے احکام سنت کے احکام کو منسوخ کر سکتے ہیں۔نہ قرآن، سنت کو منسوخ کر سکتا ہے۔اور نہ ہی سنت قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔

امام الجصاص نے اسی نظریہ کی مخالفت میں اپنا پورا زور لگا دیا ہے۔انہوں نے بے شمار مثالیں پیش کی ہیں جن میں یہ واضح کیا ہے کہ قرآن اور حدیث ایک دوسرے کو منسوخ کر سکتے ہیں۔

سنت کے قرآن سے منسوخ ہونے کی وہ یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ یروشلم (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔لیکن ۱۶ مہینوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ (خانہ کعبہ) کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔یہ الجصاص کے نزدیک نسخ السنہ بالقرآن کی بہترین مثال ہے۔

قرآن کے سنت سے منسوخ ہونے کی بھی ان کے پاس بہت مثالیں ہیں۔مگر ان میں سورہ النساء کی آیت ۱۵ اور ۱۶ کا عبادہ بن الصامت کی حدیث سے منسوخ ہونا ہے۔(۲۸)

اس موضوع پر الجصاص کو گہری دلچسپی تھی۔آپ نے نہ صرف احکام القرآن میں اس اصول کو واضح کر کے لکھا ہے۔بلکہ ''اصول الفقہ'' میں اس پر تفصیلی ابواب تحریر کئے ہیں۔

الجصاص سے قبل ''اصول الفقہ'' پر کوئی تفصیلی کتاب نہیں ملتی۔اس لئے ہم جصاص کو ''اصول الفقہ'' کا بانی قرار دیتے ہیں۔

ماخذ قوانین اسلامی:

بطور اصولی ان کے ہاں بھی اسلامی قانون کے چار بنیادی ماخذ ہیں۔قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ابوبکر الجصاص نے ان ماخذوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ان کے نزدیک صحابہ اور تابعین نے اپنے ادوار میں قیاس کے استعمال کی اجازت دی۔خود حضور صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کے دور کے بے شمار واقعات کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ جس سے نظریہ قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ الجصاص کے خیال میں ان دنوں کوئی بھی ایسا آدمی سامنے نہیں آیا جس نے قیاس کی مخالفت کی ہو۔ لیکن بعد میں ایسے اشخاص سامنے آئے جو فقہ اور اس کے اصولوں سے واقف نہ تھے اور نہ ہی وہ سلف کے طریقوں سے باخبر تھے۔ لہٰذا انہوں نے جہالت میں قیاس کی مخالفت کرنا شروع کردی۔ مخالفین میں سے سب سے پہلے وہ ابراہیم کا نام لیتے ہیں جو قیاس کی وجہ سے صحابہ پر بھی طعن و تشنیع کا کام لیتا تھا۔ ابوبکر الجصاص آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اگرچہ صحابہ کو تو مطعون نہیں کیا لیکن اصول قیاس کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی۔

الجصاص خالص طریقہ سلف پر چلنے والے انسان تھے۔ آپ نے بے شمار قرآنی آیات، احادیث اور آثار سے اس بات کو ثابت کیا کہ قیاس بطور اسلامی قانون کے ماخذ کے تسلیم کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ الجصاص اکثر جگہوں پر قیاس اور اجتہاد کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھتے ہیں اور اسی چیز کو بعض جگہ ''غالب ظن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ الجصاص کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت بھی اجتہاد کے ذریعہ عمل میں آئی تھی۔ (۲۹)

ان نظریات سے واضح ہوتا ہے کہ الجصاص نہ صرف قرآنی احکام پر عبور رکھتے تھے بلکہ اپنے دور کے مجتہد تھے۔ وہ اصول الفقہ کے بانی مبانی تھے۔ ان کی احکام القرآن مختلف علوم کا سرچشمہ ہے۔ یہ کتاب عقائد دین کی بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب میں ایک خالص اسلامی رنگ چھلکتا ہے۔ یہ کتاب مکالمہ کے انداز میں قاری کے سامنے کسی بھی مسئلہ کو حقیقی صورت میں پیش کرتی ہے۔ مختلف حنفی مسائل کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کرتی ہے۔ السرخسی کی المبسوط، ابوحسین احمد بن محمد البغدادی کی مختصر القدوری اور المرغینانی کی الہدایۃ کا یہ کتاب ماخذ ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

۱۔ دھخدا، لغت نامہ، تہران، ۱۳۱۵ھ ص ۳۷۸۔

۲۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن، (۳ جلدیں) قاہرہ، ۱۳۴۷ھ مقدمہ۔

۳۔ کحالہ، عمر رضا، معجم المولفین (۱۵ جلدیں) دمشق۔ ۱۹۵۷، ج ۲، ص ۰۷

۴۔ بغدادی، احمد بن علی الخطیب، تاریخ بغداد: (۱۴ جلدیں) تاریخ درج نہیں، ج ۴ ص ۳۱۴۔

۵۔ السمعانی، کتاب الانساب، (۶ جلدیں) حیدرآباد، ۱۳۲۲ھ ج ۱، ص ۸۴۔

۶۔ ابن قطلو بغا، تاج التراجم فی الطبقات الحنفیہ، بغداد۔ ص ۶۔

۷۔ الکرخی کا شمار بھی مصنفین ''اصول الفقہ'' میں ہوتا ہے۔

۸۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (نیا ایڈیشن) لندن، ۱۹۲۷، ۱۷۰، ص ۹۸۶۔

۹۔ الجصاص۔ احکام القرآن، مقدمہ

۱۰۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ ج ۱، ص ۹۸۶۔

۱۱۔ اصول الجصاص، ۲۳۰۔

۱۲۔ بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۳۱۶۔

۱۳۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون ''تحت عنوان، الجامع الکبیر''۔

۱۴۔ ابن الندیم، الفہرست (لندن، ۱۹۷۰) ج ۱، ص ۱۱۔

۱۵۔ Sezgin, Geschichte Des Arabischen Schifttums, (5 Vols) Lc iden, 1387/1967, Vol. 1, P.624

Marfat.com

۱۶۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۱ ص ۵۵۔

۱۷۔ سید فواد فہرس مخطوطات، طبع مصر، ۱۳۴۷ھ ج ۱ ص ۲۶۳۔

۱۸۔ ابن الندیم، الفہرست، ص ۵۱۴۔

۱۹۔ الجصاص، احکام القرآن، ج ۱، مقدمہ۔ حاشیہ۔

۲۰۔ الجصاص، احکام القرآن، ج ۱، ص ۱۲۶۔

۲۱۔ الجصاص، احکام القرآن۔ ج ۱، ص ۹۷، المطبعہ، مصر، ۱۳۲۷ھ۔ مزید دیکھیں ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، ص ۳۹، حاشیہ، طبع لاہور ۱۹۸۲ء۔

۲۲۔ الجصاص، احکام القرآن، ج ۳، ص ۳۷۹۔

۲۳۔ الجصاص، احکام القرآن، ج ۳، ص ۳۷۹۔

۲۴۔ الدوالیبی، محمد معروف، المدخل فی علم اصول الفقہ، بیروت، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء ص ۱۱۔

۲۵۔ الجصاص۔ اصول الفقہ۔ ۱۲۱۔

۲۶۔ الجصاص، احکام القرآن، ج ۱، ص ۴۱۔

۲۷۔ مصطفیٰ زید، کتاب الناسخ والمنسوخ، (۲ جلدیں) مصر، ج ۱، ص ۵۹۔

۲۸۔ احکام القرآن میں مذکورہ آیات کے تحت یہ بحث درج ہے۔ اکثر حنفی علماء نسخ القرآن بالسنہ کے قائل ہیں۔ امام غزالی نے بھی اس نظریہ کی تائید دلائل پیش کئے ہیں۔ (المستصفی ص ۱۰۶)

۲۹۔ سعید اللہ قاسمی، ابواب الاجتہاد والقیاس، ص ۶۶۔

Marfat.com

۱۵۹۲۲۷

Marfat.com

''علم اصول الفقہ ...... چوتھی صدی ہجری میں''

اصول الفقہ علوم شرعیہ میں سے ایک نہایت ہی قیمتی علم کا درجہ رکھتا ہے۔ شریعت اسلامی کے بنیادی ماخذ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) کو سمجھنے اور ان سے مسائل کے استنباط کے لیے کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل کے معنی قاعدہ جڑ اور دلیل وغیرہ کے ہیں۔ علمائے اصول کے نزدیک اصل سے مراد وہ چیز ہے جس پر کسی اور چیز کی بنیاد رکھی جائے۔ اسی طرح اصول الفقہ کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ان اشیاء کا علم ہے۔ جن پر فقہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اصول الفقہ کی نہایت ہی جامع تعریف مندرجہ ذیل ہے۔

" هو مجموعة القواعدو البحوث التي يتوصل بها الى استنباط الاحكام الشرعيه العمليه من ادلتها التفصيليه "(۱)

(اصول الفقہ قواعد و مباحث کا مجموعہ ہے جس کے ذریعے تفصیلی دلائل سے شریعت کے عملی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔)

علم اصول الفقہ کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوئی کیونکہ موجودہ دور کے سکالرز خواہ ان کا تعلق مغرب سے ہو یا مشرق سے اس بات پر متفق نہیں ہو سکے کہ اصول الفقہ کا بانی کون ہے۔ اسی لئے موجودہ دور میں دو سوالوں کا جواب انتہائی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ایک تو اس بات کا پتہ چلانا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک اس موضوع پر سکوت کیوں طاری رہا۔ دوسرا یہ کہ اصول الفقہ کا اصل بانی کون ہے۔ اول الذکر سوال کا جواب کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں تاہم موخر الذکر سوال کا جواب فوراً حل طلب ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے یہ مختصر سا مقالہ لکھنے کی ضرورت

Marfat.com

پیش آئی۔

جہاں تک فقہ کے اصولوں کا اولین تعلق ہے ان کی ابتداء تو ایک قول کے مطابق عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) کے دور سے کچھ قبل ہو جاتی ہے۔امام محمد بن ادریس شافعی کے بعد جو شخصیت سامنے آئی وہ سبکی کے نزدیک ابویحیی الساج (۳۰۷ھ) کی ہے انہوں نے فقہ اور اس کے مختلف فیہ مسائل پر تبصرہ کیا اور اپنی کتاب کا نام اصول الفقہ رکھا۔(۶)" ولہ مصنّف فی الفقہ و الخلافیات سماہ اصول الفقہ "(اس کی ایک کتاب فقہ اور اس کے اختلافی مسائل پر ہے اس کا نام اس نے اصول الفقہ رکھا)

گولڈزہیر (GOLDZHER) مشہور جرمن مستشرق رقمطراز ہیں کہ امام الثوری نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ابن لھیعۃ اصول پر مکمل عبور رکھتے ہیں اور ہم فروع کے ماہر ہیں:"عند ابن الھیعۃ الا صول وعندنا الفروع "(۷)

اس قول سے اس بیان کو تھوڑی سی تقویت مل جاتی ہے جس میں ابن لھیعہ کو اصولِ الفقہ کا پہلا مدون قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ان بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی شخصیت کو تاحال اصول الفقہ کی اصطلاح استعمال کرنے پر علم اصول الفقہ کا اصل بانی قرار نہیں دیا جا سکتا۔کیونکہ اب تک محض فقہ کے فروعات کو اصول نام دے دیا گیا تھا جیسا کہ بغدادی کے مذکورہ بالا قول سے مترشح ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں ابن الندیم نے جب ابو یوسف کے نام اصول کی کتاب منطبق کی تو ان کے الفاظ تھے:"لابی یوسف من الکتب فی الا صول والامالی کتاب الصلاۃ، کتاب الزکوٰۃ "(ابو یوسف نے اصول الفقہ اور اموال پر کتاب لکھی۔اسی طرح کتاب الصلوٰۃ اور الزکواۃ تحریر کی"(۸)

مندرجہ بالا حقائق سے جو ضمنی نتائج سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔(۱) اصول الفقہ کی اصل اصطلاح چوتھی صدی ہجری سے قبل استعمال نہ کی گئی۔(۲) چوتھی صدی اور اس کے بعد کے کام اصول اور فقہ کو جدا جدا اور اکٹھے استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔(۳) امام شافعی نے جو کتابچہ مرتب کیا اس کا نام اصول الفقہ نہیں بلکہ الرسالہ ہے۔(۴) الرسالہ کا نام امام شافعی نے خود

Marfat.com

تجویز نہیں کیا کیونکہ وہ اس رسالہ میں کتابنا (ہماری کتاب) اور کتابی (میری کتاب) جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

تاریخ اصول الفقہ کا طالب علم اس تشنگی کو ضرور محسوس کرتا ہے کہ امام شافعی کے رسالہ کے بعد کافی عرصہ تک اصول الفقہ پر صحیح بنیادوں پر کام نہ ہو سکا؟ امام محمد بن ادریس شافعی سے فرمائش کی گئی کہ ایسا کام مرتب کریں جس میں قرآنی احکامات کا ذکر ہو۔ جس میں اجماع کو بطور ماخذ قانون کے ذکر کیا جائے اور جس میں قرآن وسنت کے ناسخ اور منسوخ احکامات کا تذکرہ ہو۔ (۲)

الحارث بن شریح کا قول ہے کہ جب میں یہ رسالہ لے کر عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: ”کاش یہ مختصر ہوتا تا کہ اس کا سمجھنا آسان ہو جاتا۔“ (۳)

مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء میں سے اکثر کا یہ خیال ہے کہ امام شافعی اصول الفقہ کے بانی مبانی ہیں۔ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ امام شافعی کے رسالہ کا تعلق اصول الفقہ کے بنیادی قواعد وضوابط سے ہے۔ اس رسالہ میں عام، خاص، ناسخ ومنسوخ، خبر واحد، قیاس، استحسان، اجماع اور اس قسم کے دیگر اصولوں پر احسن انداز سے بات کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ کام اپنی نوعیت کا بہترین کام ہے۔ تاہم اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ اس رسالہ کو پڑھنے سے قاری قانون کی اہمیت وافادیت سے واقف تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن تفصیل سے کسی بھی موضوع پر مواد حاصل نہیں کر سکتا۔

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ امام شافعی سے قبل ابن لھیعہ (۱۷۴ھ) امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) اور محمد بن الحسن الشیبانی (۱۸۹ھ) بھی اصول الفقہ پر کام کر چکے ہیں۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کے قول کے مطابق حنفی اصول الفقہ کی ابتداء امام ابو یوسف نے رکھی جو کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ”ھو اول من وضع الکتب فی اصول الفقہ علی مذھب ابی حنیفہ“ (۴) خطیب بغدادی کے اس قول پر یورپی مستشرق پروفیسر جوزف شخت (J SCHACHT) نے نکتہ اعتراض اٹھایا ہے۔ ان کے نزدیک خطیب بغدادی کا یہ قول کہ ابو یوسف نے حنفی اصول الفقہ پر طبع آزمائی کی پرانے ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکا۔ لہذا

Marfat.com

ابو یوسف سے اس قسم کا کام منسوب کرنا درست نہیں وہ رقمطراز ہے۔

The Statement of khatib Baghdadi that Abu Yousuf was the first to compose books on the theory of law on the basis of the Doltrine of Abu Hnifa, is not confirmed by the old sources."(۵)

چوتھی صدی ہجری اصول الفقہ کا دور ہے۔ اس صدی میں ابو الحسن الکرخی اور ابو بکر الجصاص جیسی شخصیات نے جنم لیا۔ ابوالحسن الکرخی (۳۴۰ھ) کا شمار الجصاص کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اصول الفقہ پر ایک مختصر تحریر چھوڑی ہے جو علم کی دنیا میں نمایاں مقام حاصل کرنے سے قاصر رہی ہے تاہم ان کے نظریات جصاص کی اصول الفقہ اور احکام القرآن میں جگہ پا چکے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ابوالحسن کے نظریات کو اکٹھا کر کے ایک کتابی شکل دے دی جائے تو یقیناً علم کی یہ قابل قدر خدمت ہوگی۔(۱۰)

اھل الکلام (معتزلہ) جن اصولوں کا تذکرہ اصول الفقہ کی کتب میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کو امام جصاص نے اپنی کتاب ''الفصول فی الاصول'' یا ''اصول الجصاص'' میں نمایاں جگہ دی ہے۔

گولڈز ہیر امام شافعی کو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے اصول الفقہ کا استاد گردانتے ہیں جبکہ ان کے پیروکار جوزف شخت اس بات سے انکاری ہیں۔ اس کی وجہ بھی شاید یہی ہے کہ امام شافعی کے رسالہ میں متذکرہ اصولوں کو جگہ نہ مل سکی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا از حد ضروری ہے کہ جوزف شخت، امام شافعی کے کافی مداح تھے اس لئے انہوں نے کسی اور کو الفقہ کا بانی قرار نہیں دیا۔

چوتھی صدی ہجری میں پہلی مرتبہ اصول الفقہ پر تفصیلی کام ہوا۔ اس صدی میں جہاں شیعہ سنی جھگڑے عام تھے وہاں شافعی اور حنفی اصول الفقہ مناظروں کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ ایک قول کے مطابق مسجد کو بطور COLLEGE OF LAW استعمال کیا جانے لگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علم الکلام کو اصول الفقہ میں شامل ہونے کا موقع مل گیا ہے۔

علم الکلام کے موضوع پر الجصاص نے کافی تفصیل سے باتیں کی ہیں اس وجہ سے چند

Marfat.com

یورپی مفکرین امام جصاص کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کر بیٹھے ہیں کہ جصاص حنفی معتزلی تھے۔(۱۱)

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ الجصاص علم الکلام پر دسترس رکھتے تھے تاہم کچھ بنیادیں جیسا کہ ظاہر ہے شروع ہی سے پڑگئی تھیں لیکن اس کی مکمل عمارت چوتھی صدی ہجری میں امام احمد بن علی ابوبکر الجصاص الرازی (۳۷۰ھ) کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اس بیان کو MARRIE BERNAND کے الفاظ سے مزید تقویت مل جاتی ہے وہ لکھتا ہے۔

" If the Risalah of Imam Shafi'i must be considered the first attempt at systematization of Islamic Law, We can state that al-jasses treatize is the first known to us that provides a new stage in the rational istic explanation of Usul Al-fiqh."(9)

اگر امام شافعی کے رسالہ کو اسلامی قوانین کے اصولوں کو مدون کرنے کے سلسلہ میں پہلی کوشش کہا جائے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اصول الفقہ کی عقلی تشریحات میں جصاص کی اصول الفقہ ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔"

امام شافعی کے بعد جن علماء نے اصول الفقہ کو موضوع بحث بنایا ان میں امام الصیرنی (۳۳۰ھ) ابوالنیشاپوری (۳۴۹ھ) القفال (۳۶۵ھ) ابوبکر الجوزقی (۳۸۸ھ) کا نام شامل ہے۔ یہ اصول الفقہ لکھنے والے رہنما چوتھی صدی ہجری کی پیداوار تھے اور فروعات پر زیادہ زور دیتے تھے اس لئے ان کی کتب اصول الفقہ میں نمایاں مقام حاصل نہ کرسکیں۔

تاریخ اصول الفقہ میں اہل الکلام جنہوں نے اپنے فکری اعتبار سے اس موضوع پر طبع آزمائی کی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اصول الفقہ مکمل طور پر علم کے دائرہ میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک اس علم میں عقائد (اصول الدین) کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ اوران کے ہاں ذیل کے عنوانات پر بھرپور بحث ہوتی ہے۔ الحسن والقبح، عقل اور شرع کا آپس میں تعلق، حکم الافعال قبل ورود الشرع، الخطر والاباحہ، تکلیف مالا یطاق وغیرہ۔ ان

Marfat.com

عنوانات پر بحث کئے بغیر اصول الفقہ کی سائنس کو مکمل نہ سمجھا جاتا تھا۔امام شافعی کو اصول الفقہ کا بانی قرار نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان اقوال وافعال کا ذکر ان کی کتب بالخصوص الرسالۃ میں نہیں ہے۔ ابوبکر الجصاص کی اصول فقہ پر کتاب دو ناموں سے مشہور ہے (۱) اصول الجصاص (۲) الفصول فی الاصول۔ یہ کتاب احکام القرآن (جصاص کی مشہور تصنیف) کا مقدمہ ہے۔احکام القرآن میں جب بھی کسی اصول کے متعلّق گفتگو کرنے کا موقع آتا ہے۔ جصاص فوراً اپنی کتاب اصول الفقہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کو وہاں دیکھا جائے جو اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ اصول الفقہ ،احکام القرآن سے قبل ترتیب دی گئی۔اسی کتاب کے تین مخطوطے (MANUSCRIPTS) ہیں ان میں سے ایک جامعہ الازہر (قاہرہ) کی لائبریری کی زینت بنا ہوا ہے۔دوسرے دو مخطوط قاہرہ کے دارالکتب میں ہیں۔ایک مخطوطہ دو اجزاء پر مشتمل ہے جن کے نمبر ۲۶ اور ۱۹۱ فقہ حنفی ہیں۔دوسرے نسخے (مخطوطے) کا نمبر ۲۲۹ اصول ہے۔

مذکورہ نسخوں کی مائیکروفلم احقر کے پاس موجود ہیں اور ریفرنس کے لیے دستیاب ہیں اصول الجصاص کا پہلا جز شائع ہو کر سامنے آ گیا ہے اس کو عجیل النشمی نے کویت سے شائع کیا ہے۔اس کتاب کے دوسرے حصّے کے آخری ابواب الاجتہاد اور قیاس پر اسلامک سنٹر پشاور کے پروفیسر قاضی سعید اللہ نے کام کیا ہے جو الجصاص پر پاکستان میں ہونے والا اپنی نوعیت کا بہترین کام ہے۔حال ہی میں معلوم ہوا ہے کہ اسلامیہ کالج پشاور میں جصاص کے دوسرے نسخے کے باب ''اجماع'' پر کام کیا گیا ہے۔اسی نسخے کے دوسرے حصّے کے ابواب النسخ پر سکاٹ لینڈ کی یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز ST-ANDREWS میں تحقیق ہوئی ہے ان ابواب پر ایک مفصل مقدمہ انگریزی زبان میں لکھا گیا ہے۔جس میں امام شافعی اور امام الجصاص کے نظریات کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔یہ تحقیق ناچیز کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

الجصاص کی کتاب ''اصول الفقہ کا تعارف فروری مارچ ۱۹۸۷ء میں ہوا اور اسی مجلّہ میں الجصاص کے نظریہ علت وقیاس پر گفتگو ہوئی۔ یہ مضامین دقیق ہیں اور تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔الجصاص کی احکام القرآن کے علاوہ سب سے پہلا کام ستمبر ۱۹۷۳ء میں منصۂ شہور پر آیا۔

Marfat.com

نبیل شہابی نے " THE INFLUENCE OF STOIC LOGIC ON AL JASSAS " کے عنوان سے ایک آرٹیکل لکھا:

بعض خیالات ایسے بھی تھے جن کی وجہ سے جصاص پر حنفی معتزلی ہونے کی چھاپ لگائی گئی۔ الجصاص نے نظریہ الحسن والقبح (GOOD AND EVIL) اور السحر (MAGIC) کی جو توضیح پیش کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر وہ معتزلی نہ تھے تو کم از کم ان کے عقائد سے متاثر ضرور تھے۔ نظریہ الحسن والقبح میں کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب کہ شارع نے اسے اچھا یا برا قرار دیا ہو یا پھر عقل کسی بات کی اچھائی یا برائی کے بارے فیصلہ کرے۔ بہت سے شوافع اور اشعری مکتبہ فکر کے علماء کا بیان ہے کہ کوئی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہوتی جب تک شارع اس کے بارے فیصلہ نہ کردے۔ اکثر معتزلہ کا یہ خیال ہے کہ کسی چیز کی اچھائی یا برائی معلوم کرنا عقل کا کام ہے اور جب کسی چیز کے بارے عقل فیصلہ کردے کہ وہ اچھی یا بری ہے تو اس سلسلہ میں اس فرد کو جو اس پر عمل کرتا ہے ثواب یا عذاب ملنا چاہیے۔ (۱۲) الجصاص اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی چیز کے کرنے کا حکم نہیں دیا جب کہ وہ اچھی نہ ہو اور کسی چیز سے منع نہیں کیا جب تک وہ بری نہ ہو۔ اس بات سے وہ یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ توحید (TO BELIEVEIN ONENESS OF ALLAH) بذات خود اچھی چیز ہے لہٰذا اس بات پر اعتقاد رکھنا ابد الآباد تک لازمی ہے اور اس حکم کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح عدل کرنا اچھی چیز ہے اب اس کے خلاف یہ حکم نہیں دیا جاسکتا کہ اب تک انصاف پر عمل ہوتا رہا ہے اور اب اس پر عمل نہیں ہونا چاہیے۔ اصل میں وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ توحید خالص اور عدل جیسی صفات کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ معتزلہ سے متاثر ہونے والی دوسری بات السحر پر یقین نہ رکھنا ہے۔

ابو بکر الجصاص کے نزدیک جادوگر کسی آدمی کو گدھا یا کسی گدھے کو آدمی کی شکل میں تبدیل نہیں کرسکتا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے والی حدیث موضوع ہے۔ (۱۳)

ابو بکر الجصاص نے اصول الفقہ پر ایک جامع گفتگو کی ہے۔ وہ موضوعات یا اصول جو

Marfat.com

انہیں علم اصول الفقہ کا بانی قرار دینے کی سفارش کرتے ہیں ان کا تذکرہ کرنے سے قبل اس کتاب کا مختصر تعارف کرادینا ضروری ہے۔

کوئی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کافر مسلم کا وارث ہوسکتا ہے۔ امام جصاص مزید کہتے ہیں کہ اجماع (اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ) کے ذریعے بھی بعض قرآنی آیات کو خاص کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مثال وہ النور:۲ کی دیتے ہیں۔ اس آیت میں ارشاد ہے۔ '' الزانیہ والزانی فاجلد وا کل واحد منہماماۂ جلدۃ '' (غیر شادی شدہ زانی مرد اور عورت کو سو کوڑے مارے جائیں۔) لیکن اجماع کے ذریعے یہ فیصلہ ہوا کہ غلاموں کی سزا آزاد کی نسبت نصف یعنی پچاس کوڑے ہے۔ لونڈیوں کے بارے قرآن حکیم واضح کہتا ہے " فعلیھن نصف ماعلی المحصنات " (پاک دامن عورتوں کے مقابلہ میں لونڈیوں کو نصف سزا دی جائے۔ ۴۔۲۵) خبر واحد کے مسئلے پر جصاص عیسی بن ابان (بغدادی کے مطابق ابو حنیفہ کے پیروکار تھے مگر عقلیت کی طرف رجحان تھا۔) ان کے نزدیک قرآن حکیم کی نصوص دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو ظاہراً واضح ہوں اور تفصیل وتشریح کی محتاج نہ ہوں۔ دوسری صورت میں نصوص تشریح یا تفصیل کی محتاج ہوتی ہیں۔ (کان فی الا الفاظ احتمال المعانی) اس صورت میں خبر واحد سے قرآن حکیم کی تخصیص کرنا جائز (معقول) ہے۔ (۱۵)

M-BERNAND کا یہ خیال ہے کہ یہ نظریہ جصاص نے اپنے استاد الکرخی سے مستعار لیا تھا اور الکرخی نے اسے شیبانی سے اخذ کیا تھا۔

This is the opinion of al-Karkhi, who probaby adopted it from al-Shaibani," (16)

جصاص کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو چیز (حکم) ضروری اور یقینی علم کے ذریعے سے حاصل ہو وہ کسی دوسرے حکم جو ضروری اور یقینی نہ ہو سے ختم (منسوخ) نہیں کی جاسکتی۔ اسی اصول کو بنیاد بنا کر جصاص کی پوری اصل (THEORY) تخصیص اور نسخ کے درمیان گھومتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جصاص کے ہاں تخصیص اور نسخ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ان کے نزدیک تخصیص بھی بیان ہے اور نسخ بھی۔ تاہم نسخ کا مطلب بیان مدۃ الحکم (حکم کی مدت کا بیان) اور

Marfat.com

تخصیص کا مطلب بیان الحکم (حکم کا بیان) ہے۔(۱۷)

جصاص کہتے ہیں کہ اگر قرآن حکیم کی آیت قیاس (ANALOGICAL DEDUCION) سے خاص ہو سکتی ہے تو وہ خبر واحد سے بھی خاص ہوگی۔ جصاص علم الکلام پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اصول الجصاص پر اصول الدین کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ جب تک کوئی اصولی ''اصول الدین'' پر قلم نہ اٹھاتا وہ علم اصول الفقہ کی تکمیل نہ کر پاتا۔ الجصاص بلاشبہ حنفی اصولی تھے اور ان سے قبل اصول الفقہ پر نہ تو کوئی کتاب شائع ہوئی اور نہ ہی دنیا کی کسی لائبریری میں بطور مخطوطہ موجود ہے۔ تاہم جصاص سے قبل دو حنفی اصولیوں کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ ایک تو ان کے استاد تھے جو ابوالحسن الکرخی کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسرے عیسی بن ابان (۲۲۱ھ)۔ اول الذکر کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ جہاں تک موخر الذکر کا تعلق ہے ان کے اصول و مبادی بھی جصاص کی اصول میں جگہ پا چکے ہیں۔ عیسی بن ابان کے کچھ اصول جصاص کے لیے قابل قبول ہیں مگر باقی کو انہوں نے رد کیا ہے۔(۱۴)

جصاص بطور اصولی بے شمار مسائل پر گفتگو کرتے ہیں ان تمام اصولوں کو تفصیل سے بیان کرنا ہمارے موضوع میں شامل نہیں تاہم چیدہ چیدہ مسائل کو زیر بحث لا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ جصاص کو اصولوں الفقہ کا بانی قرار دینا نہ صرف درست ہے بلکہ وقت کا عین تقاضا ہے۔

جصاص کے نزدیک ایک قرآنی حکم دوسرے قرآنی حکم کو خاص کر سکتا ہے۔ سورہ النساء کی آیت نمبر ۳، میں ارشاد ہے'' فانکحو اما طاب لکم من النساء ''(عورتوں میں سے جو تم کو پسند آئیں ان سے نکاح کرلو) یہ حکم عام ہے اس کے تحت تمام عورتوں سے نکاح کرنے کا لائسنس دیا گیا ہے۔ لیکن النساء:۲۳ میں ارشاد ربانی ہے۔ تمہاری مائیں، بہنیں، بیٹیاں تم پر حرام ہیں۔'' اس آیت سے واضح ہوا، جصاص کہتے ہیں کہ آیت نمبر ۳ میں جن عورتوں سے شادی کا ذکر ہے ان میں النساء:۲۳ والی عورتوں سے شادی کا ذکر نہیں ہے جصاص کہتے ہیں کہ قرآن کے کسی حکم کو سنت نبوی سے خاص کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال وہ یوں دیتے ہیں کہ سورہ

Marfat.com

النساء ہی کی آیت نمبر۱۲، کے مطابق جو کچھ بیویاں چھوڑ مریں ان میں سے شوہر کو آدھا حصّہ ملتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک مسلم کافر کا وارث نہیں بنتا۔

(جصاص نے دلیل الخطاب کو نہ ماننے کے لیے جو بحث کی ہے وہ پہلی بار ہوئی ہے۔اس پر حنفی اصولیوں نے عمارت استوار کی۔) ایک اور بحث جو حنفی اصولوں کو شافعی اصولوں سے ممتاز کرتی ہے وہ النسخ یا الناسخ والمنسوخ کی ہے۔امام شافعی نے الرسالہ میں نسخ پر جو گفتگو کی ہے وہ مختصر اور جامع ہے لیکن ایک یورپی مفکر کے نزدیک امام شافعی نے نسخ کی تعریف درج نہیں کی چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

We find no definition of naskh in al-Shafii's Risalah"(20)

لیکن یہ بات درست نہیں بلکہ امام الشافعی نسخ کا مفہوم ''ترک فرضہ'' لیتے ہیں۔(۲۱)

نسخ کا مسئلہ متقدمین اور متاخرین میں اختلافی رہا ہے۔یہاں تک کہ اس کی تعریف پر بھی علماء متفق نہ ہو سکے۔بعض کے نزدیک نسخ کا معنی نقل (TRANSFER FROM ONE CATEGORY TO ANOTHER) ہے دوسروں کے نزدیک اس کا مطلب ابطال NULIFICATION/INVALIDATION ہے جبکہ کچھ حضرات نے نسخ کو ازالہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔جصاص ان تمام تعریفات کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ مجازی ہیں۔نسخ کا حقیقی معنی ''بیان مدۃ الحکم (حکم کی مدت کا بیان ہے)''(۲)جصاص نے نسخ کی ایسی تعریف کی ہے جو بقول مصطفیٰ زید پانچ صدیوں تک تسلیم کی جاتی رہی ہے۔(۲۳) نہ صرف یہ بلکہ بعد میں آنے والے اصولوں کی کتابوں کو اگر اٹھا کر دیکھا جائے تو وہ جصاص کے نظریات کی عملی تشریح نظر آتی ہیں۔(۲۴)

جصاص بطور اصولی ''نظریہ نسخ'' کے اصول پر یقین رکھتے تھے انہوں نے ابو مسلم الاصفہانی کا نام لئے بغیر ان پر سخت تنقید کی ہے۔انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ جو لوگ نسخ کو تسلیم نہیں کرتے وہ مسلمانوں کے طرز عمل سے دور چلے گئے ہیں۔(۲۵)

ابو جعفر النحاس جو کہ چوتھی صدی ہجری کے گرائمر کے ماہر (نحوی) اور نظریہ الناسخ والمنسوخ کے امام متصور ہوتے ہیں رقمطراز ہیں۔''فمن المتاخرین من قال لیس فی کتاب اللہ

Marfat.com

عزوجل ناسخ ولامنسوخ وکابر العیان واتبع غیر سبیل المومنین'' (متاخرین میں سے جس نے یہ کہا کہ کتاب اللہ (قرآن) میں ناسخ ومنسوخ آیات نہیں ہیں وہ اسلاف کے طرزِ عمل سے دور چلا گیا۔

جصاص کے نزدیک خبر واحد قیاس پر فوقیت رکھتی ہے وہ لکھتے ہیں۔'' خبر الواحد مقدم علی القیاس'' الجصاص کے ہاں ایک اور عمدہ بحث ملتی ہے جنہیں وہ دلیل الخطاب (THE INDICANT OF A DISCOURSE) یا فحوی الخطاب کہتے ہیں۔ان کے نزدیک دلیل الخطاب علیحدہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ابوالحسن البصری کہتے ہیں کہ فقہاء کا اس بات پر جھگڑا نہیں کہ دلیل الخطاب دلیل مجمل ہے یا دلیل مبین بلکہ جھگڑا اس بات پر ہے کہ آیا دلیل الخطاب دلیل بھی ہے یا نہیں۔الجصاص اس بات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ قرآن و سنت کے احکام بے شمار فوائد کے حامل ہیں۔ان میں کچھ ایسے احکام ہیں جو الفاظ سنتے ہی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ (معقولاً) جبکہ دوسرے احکام ایسے ہوتے ہیں جن کی تفصیل بعد میں آتی ہے۔بعض احکام جن کا لفظی معنی فوراً سمجھ میں آجاتا ہے اس کی مثال یہ ہے:'' ولا تقل لہما اف'' (القرآن، ۱۷۔۲۳) اور ان کو اف تک نہ کہو) اس آیت کے دو مفہوم ہیں (۱) والدین کو اف نہ کہا جائے (۲) نہ انہیں مارا جائے، نہ قتل کیا جائے اور نہ بے عزت کیا جائے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔'' اے نبی اگر تم ان کے (منافقین) لیئے ستر (۷۰) مرتبہ بھی بخشش کی دعا مانگو اللہ ان کو معاف نہ کرے گا۔ (القرآن، ۹۔۸۰) جصاص کے نزدیک اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے نبی چاہے جتنی مرتبہ منافقین کے لیے بخشش مانگو گے اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا۔

قرآن حکیم اس قسم کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے ان کو دلیل الخطاب کہا جاتا ہے۔الجصاص کہتا ہے۔" هذا هو دليل الخطاب الذى يجب الا عتبار دلالته على مادل عليه "(۱۸)

دلیل الخطاب یا فحوی الخطاب ایک ایسی بحث ہے جس پر علیحدہ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔یہ ایسے دقیق مسائل ہیں جن کی طرف جصاص نے توجہ دلائی ہے۔یہاں ان کا ذکر کرنے کا مقصود یہ تھا کہ قاری کو یہ بتایا جائے کہ یہ وہ خیالات ہیں جن کی ترجمانی جصاص نے پہلی بار کی ہے۔اس خیال کو مزید تقویت مندرجہ ذیل بیان سے پہنچائی جاتی ہے۔

Al-Jassas refutation is the original argumentation

Marfat.com

adopted by Hanafi scholars against the validity of Dalil al-Khatab" (19) خبر مشہور یا خبر متواتر ہی موجب علم یقین ہو سکتی ہے (خبر واحد نہیں) یہ اصول جصاص کی عقلیت کا آئینہ دار ہے۔

جصاص کہتے ہیں کہ نظر (LOGIC) کے وجود کا انکار درست نہیں۔ کیونکہ نظر کے انکار کے لیے بھی نظر (عقلی حجت) کی ضرورت ہوتی ہے۔ جصاص نظر کو اس لیے اہمیت دیتے ہیں کہ تقلید نہ کی جا سکے وہ اس موضوع پر ایک مستقل باب تحریر کرتے ہیں اور اسے نام دیتے ہیں "القول فی وجوب النظر و ذم التقلید"۔ عقل انسان کو حیوان سے ممیز کرتی ہے۔ اور انسان کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ کائنات میں مختلف مناظر فطرت کا معائنہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا کی ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور یہ علم ہی حضور ﷺ کی احادیث پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ قابل قبول اور قابل اعتماد ہیں۔ جصاص نظر کے حق میں دلائل دینے کے لئے ان قرآنی آیات کا ذکر کرتے ہیں جو کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہین کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل (نظر) کے استعمال پر زور دیا ہے۔ (۳۰)

جصاص کا یہ استدلال یقیناً ان اصحاب کا رد کرتا ہے جو جصاص کو مقلد کہتے ہیں۔ الجصاص نے چوتھی صدی ہجری میں فقہ واصول الفقہ پر جو کام کیا ہے وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ آپ کی کتابوں کو سامنے رکھ کر آنے والے فقہاء نے استنباط کئے ہیں۔

الغرض ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اصول الفقہ بطور علم چوتھی صدی ہجری سے قبل متعارف نہ ہوا کیونکہ چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد کے کام اصول اور فقہ کو جدا جدا اور اکھٹے استعمال کرتے ہیں۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ چوتھی صدی سے قبل اصول الفقہ پر کوئی تفصیلی کتاب موجود نہیں ہے۔ امام شافعی نے جو کتابچہ مرتبہ کیا وہ اصول الفقہ نہیں بلکہ الرسالہ ہے۔ جو کہ ایک مکتوب ہے پھر یہ نام امام شافعی کا اپنا تجویز کردہ بھی نہیں کیونکہ وہ تو اسے کتابنا اور کتابی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

امام جصاص چوتھی ہجری کے نامور فقیہ، محدث، مفسر اور اصولی تھے۔ ان کے مذکورہ نظریات اور دیگر نظریات کو بنیاد بنا کر بعد میں آنے والے اصولیوں نے کام کیا۔ (۲۶)

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ جصاص کے نزدیک نسخ اور تخصیص میں دقیق فرق ہے۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی کے نظریات جصاص کی پیش کردہ توضیحات پر غالب نہ آسکے اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ شافعی مکتبہ فکر کے بعض فقہاء اور اصولی جن میں امام غزالی بھی سرفہرست ہیں جصاص کے نظریات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ کیا خبر واحد قرآن کو منسوخ یا قرآن پر اضافی حکم (الزیادہ علی النص) کا باعث بن سکتی ہے۔ جصاص اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خبر واحد تین اقسام پر مبنی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس خبر کو ثقہ راوی نے روایت کیا ہو اور اسلاف میں سے کسی نے اس کو ناپسند نہ کیا ہو اگر ایسی خبر قرآن کے مفہوم و معانی کے خلاف نہ ہو تو اس کو قبول کیا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ خبر واحد کو ایسے آدمی نے روایت کیا ہو جس کا ثقہ ہونا مجہول الحال ہو لیکن اس خبر کو کسی اور ثقہ راوی نے روایت کیا ہو تو ایسی خبر کو اس وقت تک قبول کیا جائے گا۔ جب تک وہ قیاس کے خلاف نہ ہو تیسرا یہ کہ یہ خبر بھی اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہے جب تک اس خبر میں قیاس کی مخالفت نہ ہو۔ اگر اسلاف میں سے کوئی اس خبر کو قبول کرے تو یہ خبر قیاس پر مقدم ہوگی۔ (۲۷) الجصاص کا واضح اعلان ہے کہ خبر واحد قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ (۲۸)

خبر واحد کی ایک قسم خبر مشہور ہے لیکن امام جصاص خبر مشہور کو خبر متواتر کی قسم مانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ ''خبر مشہور جب ہمارے پاس ایسے راویوں سے نقل ہو کر پہنچتی ہے۔ جن کے جھوٹ پر متفق ہونے کے بارے وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تو ایسی خبر ہمارے لئے موجب علم یقینی ہوگی کیونکہ صدر اول ہی میں جھوٹ پر ان کے متفق ہونے کا وہم ختم ہو چکا ہے۔ ''دوسری دلیل یہ ہے کہ خبر مشہور سے نسخ جائز ہے کیونکہ خبر مشہور سے قرآنی نص پر علمائے اصول کے نزدیک اضافہ (الزیادۃ فی النص) جائز ہے۔ اس نص پر اضافہ کرنے کو نسخ کہتے ہیں۔ جصاص کا مسلمہ اصول ہے کہ ایسی نص جو موجب علم یقین ہو ایسی نص (حدیث) سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ جو خود بھی موجب علم یقین ہو۔ (۲۹) (ظاہراً جصاص نے یہ اصول پہلی مرتبہ متعارف کرائے اس لئے ان کی کتاب کو مستند دستاویز اور خود انہیں اصول الفقہ کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(1) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جدید ایڈیشن) ص 481۔

(2) ابن العماد، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، (8، جلدیں) القدسی پریس، قاہرہ، 1931ء/1350، ج۔2۔ص۔10

(3) ابن حجر۔ لسان المیزان (7، جلدیں) مطبع دائرہ المعارف ، حیدرآباد، 1330/1912، ج 2۔ص149۔

(4) بغدادی، خطیب، تاریخ بغداد، (4، جلدیں) مطبع السعادہ، قاہرہ، 147,1349/1931، ص245۔

(5) Shachat, J, The Origins of Muhammadan Jurisprudence, oxford press, 1950,P.133.

(6) سبکی، طبقات الشافعیہ، (10، جلدیں) عیسی البابی الحلبی ، قاہرہ، 3-7,1964، ص300۔

(7) Goldziher, The Zahiris; their doctrine and their History (English translation by W.Behn), E.J.Brill, 1971, Leiden, P.21, note.t.

(8) ابن الندیم، الفہرست، مطبع الرحمانی، قاہرہ (بلا تاریخ)، ص286۔

(9) Bernand, M, Hanafi Usul al-fiqh through a manuscript of al-Jassas, J.A.O.S, vol. No, 4,

Marfat.com

Dec. 1985, P.623.

(10) ڈاکٹر محمد اکرم، ابوبکر الجصاص اور احکام القرآن، فکرونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اکتوبر، دسمبر 1988ء ص 10۔

(11) Bernand, M, opcit, P. 623.

(12) الداولیبی، محمد معروف، المدخل فی علم اصول الفقہ، بیروت، 1965، ص 11 مزید دیکھیں۔ڈاکٹر محمد اکرم، فکرونظر، ص 17۔

(13) الجصاص، احکام القرآن، (3، جلدیں) قاہرہ، 1347، ج 1، ص 41۔

(14) اصول جصاص۔136۔

(15) جصاص کے اس نظریہ پر تمام حنفی کتب کا مدار ہے۔ ''وعلیہ اعتمدت کتب الحنفیہ فی النقل مثل کشف الاصرار للبزدوی، واصول السرخی، وعلی ہذہ الکتب سارمذہبم'' جصاص۔ الفصول فی الاصول، تحقیق الدکتور عجیل جاسم النشمی، وزارہ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، عراق، 1985، ج 1، ص

(16) Bernand. M, opcit, P. 627.

(17) الجصاص، اصول الفقہ، fol. 115/116

(18) ابن رشد کے نزدیک ابوحنیفہ نے بھی دلیل الخطاب کا انکار کیا تھا (بدایہ المجتہد، ج۔ 2۔ص۔119)

(19) اس موضوع پر تفصیل دیکھنے کے لئے الآمدی کی احکام (ج۔3۔ص 68) ابوالحسن البصری کی المقمد (ج۔1، ص 161) اور الجوینی کی کتابہ فی الجدال (ص 51) کا مطالعہ کریں۔

(20) Bernand, M, opcit, P. 630.

(21) محمد بن ادریس الشافعی، الرسالہ ص 106۔

(22) اصول الجصاص۔fol-115

(23) مصطفیٰ زید، کتاب الناسخ والمنسوخ، (2، جلدیں) مصر۔ (بلا تاریخ) ج 1۔ص۔

Marfat.com

59۔مزید دیکھیں۔ڈاکٹر محمد اکرم،ابوبکر الجصاص اور احکام القرآن،فکرونظر،ادارہ تحقیقات اسلامی اسلا آباد،اکتوبر دسمبر 1988ء،ج۔1۔ص19۔

(24) السرخسی ، اصول ، اصول الفقہ ، (2، جلدیں) ادارالکتاب العربی، قاہرہ، 1952/1372،ج2۔ص53-58۔

(25) ابوبکر الجصاص،احکام القرآن،ج1،ص۔14۔

(26) ابوجعفر النحاس،کتاب الناسخ والمنسوخ،زکی مجاہد،ص۔14۔

(27) الجصاص،اصول الفقہ،192۔fol

(28) اصول الجصاص۔145۔fol شاطبی کے نزدیک یہ اجماع ہو چکا ہے کہ خبر واحد قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کرسکتی۔ الموافقات، (4، جلدیں) قاہرہ، 106-37,1969۔

(29) ڈاکٹر احمد حسن،حدیث مشہور کی شرعی حیثیت،فکرونظر،ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد،جنوری،مارچ۔1990،ص۔10۔

(30) اصول الجصاص،237-39۔ .fol

Marfat.com

”علم النسخ یا الناسخ والمنسوخ کا تاریخی ارتقاء“

علم النسخ والمنسوخ، اصول الفقہ اور قرآنی علوم میں سے ایک ایسا علم ہے جس کا سمجھنا نہایت ہی مشکل امر ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں اس مضمون پر کم توجہ دی گئی ہے تاہم اولین مفسرین اور اصولیین سے لے کر موجودہ دور کے سکالرز نے اس مضمون پر کچھ نہ کچھ ضرور تحریر کیا ہے۔ اس مقالہ میں ہم اس علم کے تاریخی ارتقاء کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ نظریہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔

اولین مفسرین جن میں عبداللہ بن عباس جیسے صحابہ کرام بھی شامل ہیں، کے اقوال نسخ ابن جریر جیسے عظیم مفسرین کی تفاسیر میں ملتے ہیں۔ ان حضرات نے علیحدہ سے تو کوئی کتب تحریر نہ کیں لیکن اس موضوع پر گفتگو کر کے اس کی اہمیت بڑھا دی۔ علم الناسخ والمنسوخ پر سب سے پہلی کتاب قتادہ بن دعامہ السدوس (۱۱۷ھ) کی ہے۔ حاتم صالح الضامن لکھتے ہیں ھو اقدم کتاب وصل الینا عن الناسخ والمنسوخ “[1] قتادہ کے ہاں نسخ کا بہت ہی وسیع مفہوم ہے۔ جب کسی آیت کو عام سے خاص کیا گیا، کسی آیت کی تفسیر یا تفصیل بیان کی گئی، کسی مطلق آیت کو مقید کر دیا گیا تو قتادہ کے نزدیک نسخ واقع ہو گیا۔[2]

نسخ کا یہ مفہوم متقدمین میں عام رہا لیکن متاخرین نے نسخ کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی۔ اس کی نشاندہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یوں بیان کی ہے۔ ”ناسخ و منسوخ کی معرفت فن تفسیر میں ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کے اندر بڑی بڑی بحثیں اور بے شمار اختلافات ہیں اور اس اشکال کے اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا باہمی اختلاف ہے۔ اس باب میں حضرات صحابہ اور تابعین کے کلام

Marfat.com

کے استقراء سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی (ایک چیز کا ازالہ دوسری چیز کے ذریعہ سے) میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصطلاح اہل اصول کے مطابق بدین وجہ ان کے نزدیک معنی نسخ ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ کرنا دوسری آیت کے ساتھ ہوگا۔ یہ ازالہ اوصاف عام ہے کہ مدت عمل کا انتہاء ہو یا کلام کو اس کے متبادر معنٰی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دینا ہو یا یہ بیان کہ قید سابق اتفاقی تھی' اور یا لفظ عام کی تخصیص ہو یا جاہلیّت کی کسی عادت یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو۔'' (۳)

علم الناسخ والمنسوخ پر ایک اور نادر نمونہ قتادہ کے بعد جو ہمیں ملتا ہے وہ امام زہری (۱۲۴ء) کا ہے۔ امام زہری نے بھی نسخ کا وہی مفہوم لیا ہے جو اس سے قبل عام مفسرین کا تھا۔ اس کتاب پر A. RIPPEN نے تحقیق کی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ امام زہری کی اپنی کتاب نہیں ہے بلکہ بعد میں آنے والے مسلمان علماء میں سے کسی نے ان کی جانب منسوب کردی۔ (۴)

اگر کتاب کا نفس مضمون متاخرین جیسا ہوتا تو ہم صاحب موصوف کی بات ضرور تسلیم کر لیتے مگر کتاب میں نسخ کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں وہ متقدمین کے نظریہ سے ملتی جلتی ہیں' لہٰذا ہماری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ یہ بات امام زہری کی اپنی تحریر کردہ ہے اور اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ یہ بعد میں کسی عالم نے ان کی جانب منسوب کردیا۔ اس کتاب کا مخطوطہ ابھی تک دارالکتب المصریہ میں "الناسخ والمنسوخ للزھری" کے نام سے موجود ہے۔ امام زہری کے بعد محمد بن سائب الکلبی اور مقاتل بن حیان کا ذکر ملتا ہے' جنہوں نے اس مضمون پر معلومات فراہم کیں۔ ان کی کتب تو ہم تک نہ پہنچ سکیں' لیکن مختلف تفاسیر میں ان کے اقوال موجود ہیں۔

محمد بن ادریس شافعی کا نام اصول الفقہ کی دنیا میں تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) کی خواہش پر ایک رسالہ لکھا جس میں دیگر مباحث کے علاوہ علم النسخ پر بڑی دقیق بحث کی۔ انہوں نے قرآن مجید کی آیت ماننسخ من آیة اوننسھاناٰت بخیر منھا اومثلھا (۲-۱۰۶) اور واذا بدلنا آیة مکان آیة (۱۶-۱۰۱) کا ذکر کرنے کے بعد کہا

Marfat.com

کہ نسخ کا مطلب ہے ''ترک فرضہ'' (ایک فرض کو چھوڑ کر دوسرے فرض کی پیروی کرنا)۔امام شافعی کے نزدیک کوئی بھی حکم اس وقت تک منسوخ نہیں ہوسکتا جب تک اس کی جگہ دوسرا حکم نہ لے لے۔وہ لکھتے ہیں لیس ینسخ فرض ابداالا اثبت مکانہ فرض(۵) قرآن وسنت کا آپس میں تعلق واضح کرتے ہوئے امام شافعی رقم طراز ہیں کہ ایک قرآنی حکم کو صرف دوسرا قرآنی حکم منسوخ کرسکتا ہے۔اسی طرح ایک سنت میں موجود حکم کو صرف دوسرا سنت میں موجود حکم ہی منسوخ کرسکتا ہے۔دوسرے لفظوں میں قرآن وسنت کے احکام ایک دوسرے کے احکام کو منسوخ نہیں کرسکتے۔(۵)

قرآن سے قرآن کے منسوخ ہونے کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ سورہ البقرہ آیت نمبر ۸۰'' کتب علیکم۔میں وصیّت کا حکم دیا گیا کہ والدین اور دوسرے اقرباء کے حق میں وصیّت کی جائے۔لیکن جب اللہ تعالیٰ نے والدین' بہن بھائی' بیوی اور شوہر کا حصّہ مقرر کردیا اور اس سلسلے میں سورۃ النساء کی آیات (۱۱-۱۲) نازل ہوئیں تو وصیّت کا حکم موقوف ہوگیا' یعنی ایک قرآنی حکم نے دوسرے قرآنی حکم کو منسوخ/تبدیل کردیا۔

سنت کو سنت سے منسوخ ہونے کی مثال ان کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کردیا۔عبدالرحمٰن بن ابوبکر کہتے ہیں کہ اس حدیث کو میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے جواباً کہا ہاں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ اعرابی عیدالاضحیٰ کے دنوں مکہ آئے۔حضور ﷺ نے کہا کہ ''تین دن کے لیے گوشت کا ذخیرہ کرلو اور باقی اعراب میں تقسیم کردو۔'' حضور ﷺ کو کچھ عرصہ بعد کہا گیا کہ لوگ قربانی کا گوشت اور چربی کو تین دن سے زیادہ استعمال کرتے رہے ہیں۔وہ قربانی کی کھالوں سے مشکیزے بھی بناتے ہیں' اس پر حضور ﷺ نے پوچھا اب ایسا کیوں نہیں کرتے؟ حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ نے حکم دیا ہوا ہے کہ تین دن سے زیادہ گوشت کا ذخیرہ نہ کیا جائے۔آپ نے فرمایا! ''میں نے تو صرف ان لوگوں کے لیے کہا تھا جو قربانی میں مکہ آئے تھے۔'' امام شافعی حضرت انس بن مالک سے بھی ایک حدیث روایت کرتے ہیں جس میں

Marfat.com

گوشت کو (تین دن سے زیادہ) جمع کرنے کی اجازت ہے۔اس کے علاوہ ایک روایت کو حضرت علیؓ نے بیان کیا ہے جس میں گوشت جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ان احادیث پر تفصیلی کلام کرنے کے بعد امام شافعی اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ نسخ السنہ بالسنہ کی بہترین مثال ہے۔(۶)

تیسری صدی ہجری میں جو ''محدثین کا دور'' کہلاتی ہے ہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۱ھ) اور امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) کو نسخ پر کام کرتے ہوئے پاتے ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے '' ناسخ القرآن ومنسوخہ اور امام ابوداؤد السجستانی نے کتاب الناسخ والمنسوخ'' کے نام پر کتب تحریر کیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہ کتب مرور زمانہ کی نذر ہوگئیں۔تاہم امام سیوطی نے کافی مواد اپنی تفسیر " الدر المنثور" میں اور ابن الجوزی نے ''نواسخ القرآن'' میں نقل کیا ہے۔ یوں اسلاف کے خیالات کسی نہ کسی شکل میں ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ ابوعبید القاسم بن سلام (۲۲۴ھ) جن کی ''کتاب الاموال'' نے کافی شہرت پائی ہے نے بھی'' ناسخ القرآن ومنسوخہ'' کے نام سے کتاب تحریر کی۔ابن کثیر نے تفسیر کثیر میں بے شمار روایات نقل کی ہیں۔اس کتاب کا مخطوطہ برطانیہ میں ایک صاحب قلم کے ہاتھ میں دیکھا گیا تھا تاہم شاید شائع شدہ حالت میں اب تک یہ کتاب نہیں ملتی۔

چوتھی صدی ہجری میں علم النسخ اتنی اہمیت اختیار کر گیا کہ مجتہد کے لیے اس علم کو جاننا لازم قرار دیا گیا۔ ابوعبداللہ محمد بن حزم (۳۲۰ھ) اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھتے ہیں۔'' اجتہاد قرآن وسنت کے احکامات کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔اس لیے قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے علم النسخ یا الناسخ والمنسوخ کا جاننا ضروری امر ہے۔کیونکہ یہ ایک ایسا علم ہے جو اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کون سا حکم پہلے نازل ہوا اور کونسا حکم بعد میں۔''(۷) ایک طرف نسخ کی اتنی اہمیت ہے کہ قرآن وسنت کو اس کے بغیر سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔دوسری طرف ایسے مفکرین ہیں جو اس علم سے مراد صرف سابقہ شریعتوں کو حضور ﷺ کی شریعت سے منسوخ ہونا مراد لیتے ہیں۔اس سلسلے میں محمد بن بحر الاصفہانی (۳۲۲ھ) نمایاں ہیں۔ابومسلم کی کتاب تو ضائع ہو چکی ہے۔تاہم تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے تقریباً تمام فرمودات کو محفوظ رکھا ہے۔

Marfat.com

ابوبکر الجصاص (۳۷۰ھ) ابو مسلم الاصفہانی کا نام لیے بغیر ان پر یوں تنقید کرتے ہیں۔
''چند علماء میں سے کچھ کا خیال ہے کہ نسخ واقع نہیں ہوا۔ نسخ کا محض مطلب یہ ہے کہ یوم السبت کی اہمیت ختم ہو گئی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی شریعتوں کے دوسرے احکام منسوخ ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری نبی تھے۔ لہٰذا ان کی شریعت ابدی ہے اور قیامت تک جاری رہنے والی ہے۔ یہ نظریہ (ابو مسلم الاصفہانی) کا ہے۔ جو کہ عربی زبان وادب کے ماہر تھے' تاہم وہ فقہ اور اصول فقہ کے اصولوں سے نابلد تھے۔'' جصاص مزید لکھتے ہیں۔ ''یہ تو ہمیں یقین ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ لیکن وہ اسلاف کے طرز عمل سے ہٹ گئے۔ کیونکہ ان سے قبل نسخ کا انکار کسی سلف سے ثابت نہیں' ہمارے اساتذہ اللہ کے دین کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نسخ واقع ہوا ہے۔ انہوں نے اس طریقہ سے روایات نقل کی ہیں جس طریقہ پر شک وشبہ کی گنجائش کم نکلتی ہے۔ قرآن کریم میں عام احکامات بھی ہیں اور خاص بھی' مجمل بھی ہیں اور مفصل بھی۔ جو آدمی نسخ کو تسلیم نہیں کرے گا اس کا مطلب یہ ہے وہ خاص' عام' مطلق اور مقید کو بھی تسلیم نہیں کرتا کیونکہ ان تمام علوم کے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ صرف اور صرف ایک ہے۔ جصاص آگے لکھتے ہیں کہ میری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ ابو مسلم نے یہ نظریات کہاں سے لئے تاہم یہ خیال ہے کہ انہوں نے اپنی رائے سے کام لیا ہے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے قرآن کی اپنے رائے سے تفسیر کی وہ غلطی کا مرتکب ہوگا۔ (۸)

اس نظریہ کو رد کرنے کے بعد الجصاص کہتے ہیں:

نسخ کا معنی ومفہوم متعین کرنے کے لیے بعض فقہاء اور علماء کا خیال ہے کہ نسخ سے مراد ہے ''نقل'' یعنی نسخ الکتاب ''اس نے کتاب نقل کی'' کہ جو کچھ اصل کتاب میں تھا اسے بعینہٖ دوسری کتاب میں نقل TRANSFER کر دیا۔ بعض کے نزدیک نسخ کا معنی ابطال ہے وہ کہتے ہیں'' نسخت الشمس الظل'' سورج نے سایہ کو دور کر دیا۔'' بعض کے نزدیک نسخ کا مطلب ہے ازالہ' ان کے نزدیک اہل عرب کا مقولہ ہے ''نسخت الریح الاثار۔ یعنی'' ہوا نے قدموں کے نشانات مٹا دیے۔'' یہ معنی لغت میں مترادف ہیں' لیکن جب احکامات کو منسوخ کرنے کا

Marfat.com

ذکر ہوتو ان معنوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ جصاص کے نزدیک نسخ کا مطلب ہے۔ ''بیان مدة الحکم'' ایک حکم کی مدت کا ایسا بیان جس سے ظاہر ہو کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہوگا مگر دوسرا حکم آتے ہی یہ واضح ہو کہ پہلا حکم ایک خاص مدت کے لیے تھا۔ اس کو انگریزی زبان میں یوں واضح کیا جاتا ہے۔

"Naskh is the declaration of the time of the particular ruling which we thought would remain for ever, but the second ruling made it clear that the time of the ruling was for a certain period and it was no longer valid." (۹)

مصطفیٰ زید جو کہ موجودہ صدی کے مصری سکالرز ہیں اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں لکھتے ہیں کہ الجصاص نے نسخ کی جو تعریف کی ہے وہ پانچ صدیوں تک مسلم فقہا نے تسلیم کی ہے۔ (۱۰)

امام الجصاص نے اصول الفقہ پر ایک تفصیلی کتاب لکھی جس میں ''ابواب النسخ'' ترتیب دیے۔ انہوں نے امام شافعی کے نظریہ نسخ کو رد کیا اور بے شمار مثالیں دے کر واضح کیا کہ قرآن وسنت کے احکام ایک دوسرے کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ سنت متواترہ کے قرآن سے منسوخ ہونے کی وہ یہ مثال دیتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کہ سے مکہ مدینہ ہجرت کر گئے تو آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک روایت کے مطابق ۱۷ ماہ بعد آپ کو مکہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔'' ان کے نزدیک یہ نسخ السنۃ بالقرآن ہے۔ نسخ القرآن بالسنہ کی مثال وہ سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۵ کا عبادۃ بن الصامت کی روایت کردہ حدیث ''خذوا عنی خذو اعنی قد جعل اللہ لھن سبیلا'' سے منسوخ ہونا مراد لیتے ہیں۔ (۱۱)

ابو جعفر النحاس (۳۳۸ھ) نے نسخ کو لغوی معنی ''نقل'' پر محمول کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''اشتقاق النسخ من شیئین۔ احد هما یقال نسخت الشمس الظلل اذازالته وحلت محله ونظیر ھذا (فینسخ الله مایلقی الشیطان) والاخر من نسخت الکتاب اذا نقلته

Marfat.com

من نسخه وعلی ھذا الناسخ والمنسوخ " نسخ کا مادہ دو چیزوں پر محتمل ہے۔ ایک یہ کہ کہا جائے کہ سورج نے سائے کی جگہ لے لی۔ اس کی مثال قرآن کی ایک آیت ہے کہ اللہ مٹاتا ہے جو کہ شیطان (دل) میں ملاتا ہے اور دوسرا نسخ کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے اور یہی نسخ کا اصلی مطلب ہے۔ (۱۳)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ نسخ کا یہ معنی ابو جعفر النحاس نے امام ابن جریر الطبری سے مستعار لیا ہے۔ طبری کہتے ہیں کہ نسخ کا معنی ہے کہ ''ایک چیز حلال ہو کچھ مدت بعد اس کو حرام (منع) کر دیا جائے یا برعکس، نسخ کا تعلق اوامر و نواہی سے ہوگا۔ اخبار سے نہ ہوگا۔'' طبری کہتے ہیں ''نسخ کا معنی نسخ الکتاب سے ماخوذ ہے۔'' یعنی ایک نسخہ سے دوسرے نسخہ پر نقل کرنا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ قرآن وسنت کا کوئی حکم بھی اس وقت تک منسوخ نہ سمجھا جائے جب تک دونوں میں مطابقت ممکن ہو اور جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ایک حکم ناسخ ہے اور دوسرا منسوخ۔ (۱۳) ہمدانی نے بھی علمائے اصول کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''الجمع یمنع النسخ'' یعنی تطبیق کی وجہ سے نسخ ممکن نہیں (Naskh Rules out reconciliation) امام مالک نے بھی اس قسم کی ایک روایت الموطا میں درج کی ہے۔ جس میں ابن عباس کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اصحاب ہمیشہ نئی بات پر عمل کرتے تھے۔ (۱۴)

امام طبری کے معنی نسخ بیان کرنے کے بعد ہم دوبارہ ابو جعفر النحاس کی طرف آتے ہیں۔ جو اس لحاظ سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مختلف فقہاء کے نظریات سے ہمیں واقف کرایا ہے وہ نسخ کے بارے میں مندرجہ ذیل نظریات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ قرآن، قرآن اور سنت کو منسوخ کر سکتا ہے (یہ اہل کوفہ (احناف) کا نظریہ ہے)۔

۲۔ قرآن، قران کو منسوخ کر سکتا ہے۔ لیکن سنت قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ (یہ شوافع کا نظریہ ہے)

۳۔ سنت، سنت اور قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔ (احناف)

۴۔ سنت، سنت کو منسوخ کر سکتی ہے، قرآن سنت کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ (شوافع)

۵۔ فقہاء کے نظریات آپس میں مخالف ہیں لہذا کوئی ایک نظریہ قبول کیا جائے (یہ نظریہ

Marfat.com

محمد بن شجاع کا ہے۔)(۱۵)

ابو جعفر النحاس نے تیسرے اور چوتھے نظریات کے حامیوں کا تذکرہ نہیں کیا لیکن صاف ظاہر ہے کہ تیسرا احناف کا ہے اور چوتھا شوافع کا۔

ان نظریات میں جو اختلاف ہے اس سے یہ بات نمایاں ہے کہ فقہاء کس طرح احکام کو سمجھنے میں نئے نئے نظریات کا سہارا لے رہے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نسخ کے بارے میں متقدمین کی کتب تفصیل سے روشنی نہیں ڈالتیں۔ نہ ہی وہ نسخ کے جواز کے بارے میں ذکر کرتی ہیں اور نہ ہی وہ نسخ القرآن بالسنہ اور نسخ السنہ بالقرآن پر تفصیلی ذکر کرتی ہیں۔ یہ متاخرین کا کام ہے کہ وہ نسخ کے بارے میں لمبی چوڑی بحثیں کرتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں، اس موضوع پر گیارہ کتب تحریر ہوئیں لیکن ابو جعفر النحاس اور ابن حزم کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب بھی ہم تک نہ پہنچ سکی۔

پانچویں صدی کی مشہور شخصیت جو کہ اس فن میں ممتاز ہیں ہبۃ اللہ بن سلامہ کی ہے۔ جو ''اندھے مفسر'' کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے علم النسخ کی اہمیت واضح کرنے کے لیے بہت سی روایات جمع کیں جن کے مطابق اس علم کا حاصل کرنا مفسر کے لیے ناگزیر ہے۔ ان میں سے ایک روایت یہاں نقل کی جاتی ہے کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کوفہ کی مسجد میں لوگوں کے مذہبی سوالوں کا جواب دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ناسخ آیات کو منسوخ آیات سے ممیز و ممتاز کر سکتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا کہ ''خود بھی دھوکہ کھا رہے ہو اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہو۔'' بعد ازاں اسے مسجد میں وعظ کرنے سے منع کر دیا۔(۱۶)

ابن سلمہ کے نزدیک نسخ کا مطلب ''رفع'' ہے وہ کہتے ہیں " اعلم ان النسخ فی کلام العرب هوالرفع للشی وجاء الشرع بما تعرف العربه اذکان الناسخ یرفع حکم المنسوخ " جان لو کہ نسخ کا مطلب کلام عرب میں کسی چیز کا اٹھا رکھنا ہے اور شریعت بھی کسی حکم کو اسی معنی میں متعارف کرتی ہے جو عرب کی زبان میں پہلے سے مستعمل ہو۔ ناسخ حکم، منسوخ حکم

Marfat.com

کو اٹھالینا (Withdraw) ہے۔ ہبۃ اللہ اس کے بعد منسوخ کی اقسام گنواتے ہیں جن میں ایک منسوخ یہ ہے کہ جس میں الفاظ اور حکم دونوں منسوخ تصور ہوتے ہیں (نسخ الحکم والتلاوۃ) دوسرا منسوخ وہ ہے جس میں الفاظ منسوخ ہو جائیں مگر حکم باقی رہ جائے (نسخ التلاوۃ دون الحکم)

تیسرا منسوخ وہ ہے جس میں حکم منسوخ ہو جائے اور الفاظ باقی رہ جائیں (نسخ الحکم دون التلاوۃ) نسخ عموماً علماء کے نزدیک اس تیسری قسم میں پایا جاتا ہے اور ابن سلامہ کے نزدیک ایسی آیات کی تعداد ۲۳ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ۴۳ سورتیں ایسی ہیں جن میں نہ تو کوئی ناسخ آیت ہے اور نہ منسوخ، ایسی سورتیں جن میں صرف ناسخ آیات ہیں۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ ایسی سورتیں جن میں منسوخ آیات ہیں وہ ۴۰ ہیں اور جن میں ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی ان کی تعداد ۲۵۔ (۱۷)

اس دور کے مصنفین میں جہاں عبدالقاہر بغدادی ہو گزرے ہیں وہاں بلاد الغرب کے عالم و قاری مکی بن ابی طالب نمایاں ہیں۔ یہ مالکی فکر رکھتے تھے۔ علوم القرآن، نحو، لغت، فقہ، اعراب القرآن، تفسیر اور دیگر علوم کے ماہر تھے۔ انہوں نے نسخ پر دو کتب تحریر کیں۔ ایک کا نام "کتاب الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخه" رکھا جو زمانے کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہم تک شائع شدہ حالت میں پہنچ چکی ہے۔ الدکتور احمد حسن فرحات نے اس کتاب پر ایک خوبصورت مقدمہ لکھ کر کتاب کی قدر و قیمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مکی کا یہ عقیدہ تھا کہ صرف اہل علم ہی ناسخ کو منسوخ سے ممیز و ممتاز کر سکتے ہیں۔ تاہم ان کے نزدیک ایسا صرف احادیث میں ہی ممکن ہے۔ (۱۸)

عبدالقاہر البغدادی نے "ناسخ القرآن ومنسوخہ" کے موضوع پر دو عدد کتب تحریر کیں اور اس موضوع پر نئے سرے سے بحث کی انہوں نے اپنی کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا۔ پہلے باب میں نسخ کی چند تعریفات درج کرنے کے بعد یہ تعریف اختیار کی۔ " انه بيان انتهاء مدة التعبد " عبدالقاہر بغدادی کہتے ہیں کہ قیاس کے ذریعے قرآنی احکام کی تخصیص تو ہو سکتی ہے مگر نسخ نہیں ہو سکتا۔ ان کے نزدیک اجماع کسی حکم قرآنی یا حکم سنت کو منسوخ کر

Marfat.com

سکتا ہے۔ (۱۹)

اس صدی کی ایک اور مشہور تصنیف ابوعبداللہ محمد بن برکات بن ہلال السعیدی المصری کی ہے جو" الایجاز فی معرفة مافی القرآن من ناسخ ومنسوخ "کے نام سے ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اختصار سے لکھی گئی۔ انہوں نے زیادہ تر ابن سلامہ کی کتاب سے استفادہ کیا ہے اور وہی سلسلہ تحریر اختیار کیا ہے۔ (۲۰)

نسخ پر چھٹی صدی ہجری میں جن اصحاب نے قلم اٹھایا ان میں اندلس کے ابوبکر بن العربی المالکی کا نام اگر نہ لیا گیا تو بات ادھوری رہ جائے گی۔

امام زرکشی نے اور امام السیوطی نے انہیں نسخ کے مصنف کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ (۲۱) مصطفیٰ زید اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ ابن عربی کی کتاب تو ہم تک نہیں پہنچ سکی تاہم ان کے نسخ کے بارے میں نظریات وتوضیحات احکام القرآن (جو کہ ان کا ایک شاہکار ہے) میں موجود ہیں۔ (۲۲)

آگے چل کر ہم ذکر کریں گے کہ امام کی ہی وہ توضیحات ہیں جنہوں نے نسخ کے علم کو ایک نیا رخ بخشا جس کی وجہ سے منسوخ آیات کی تعداد کم ہونا شروع ہوگئی۔ ابن عربی نے صرف ۲۰ آیات کو منسوخ سمجھا۔ (۲۳) ایک اور مایہ ناز مفکر ومفسر۔ ابوالفرج ابن الجوزی چھٹی صدی ہجری کے تین سال ختم ہونے سے قبل اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ یہ حدیث کے حافظ تھے' تفسیر اور علوم قرآن میں دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک قول کے مطابق ۳۰۰ کتب تحریر کیں۔ ''نواسخ القرآن'' کے نام سے ان کی کتاب کو بڑی شہرت ملی۔ قرآن کریم کی آیات کی ترتیب کے لحاظ سے بحث کرتے ہیں' کسی بھی حدیث کو بغیر سند کے بیان نہیں کرتے کیونکہ آپ حافظ حدیث تھے۔

امام جوزی نے نسخ کے جواز کے بارے میں ایک لمبی بحث کی ہے۔ اس کے واقع ہونے کو عقلاً وشرعاً ثابت کیا ہے۔ انہوں نے علمائے امت کا اجماع بھی نسخ کے واقع ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ (۲۴)

مؤرخین کے نزدیک ساتویں' آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں اس موضوع پر قابل ذکر

Marfat.com

کام نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ دسویں صدی ہجری کا سورج طلوع ہوا۔ دسویں صدی ہجری میں امام سیوطی (۹۱۱ھ) جیسے نابغہ روزگار عالم میدان میں آئے۔ انہوں نے علم الناسخ والمنسوخ پر تو علیحدہ سے کوئی کتاب نہ لکھی' تاہم الاتقان فی علوم القرآن میں ایسی بحث کی جس سے اس علم کا رخ ہی پھر گیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ابن عربی کی پیروی کی۔

علامہ سیوطی سے قبل نسخ آیات کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی۔ یہاں تک کہ بعض اصحاب کے نزدیک یہ پانچ سو کے قریب پہنچ گئی۔ علامہ سیوطی نے ابن العربی کے پیش کردہ مقدمہ کو نئے سرے سے زندہ کیا اور نسخ آیات کی تعداد کو ۲۰ تک محدود کر دیا۔

علامہ سیوطی کے بعد گیارہویں صدی میں الکرمی (۱۰۳۳ھ) اور بارہویں صدی میں الاجہوری (۱۱۹۰ھ) نے اس موضوع پر کام کیا' تاہم تفصیل سے ان کی کتابوں پر تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ الکرمی کی کتاب کا نام قلائد المرجان اور الاجہوری کی کتاب کا نام ارشاد الرحمٰن ہے۔

یہاں سے ہم اپنے مقالہ کا رخ برصغیر پاک و ہند کی طرف موڑتے ہیں۔ کیونکہ اس موضوع پر برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بھی پیچھے نہ رہے۔

آگے بڑھنے سے قبل ایک جدول کا ذکر ضروری ہے جس سے ثابت ہوگا کہ مختلف مفسرین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد یہاں تک جا پہنچیں۔

ابن حزم	۲۱۴
النحاس	۱۳۴
ابن سلامہ	۲۱۳
عبدالقاہر	۶۶
ابن برکات	۲۱۰
ابن الجوزی	۲۴۷
ابن العربی	۲۰
الکرمی	۲۱۸
الاجہوری	۲۱۳

Marfat.com

مندرجہ بالا جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الجوزی کے نزدیک نسخ آیات کی تعداد ۲۴۷ ہے۔ اس کے بعد الکرمی ہیں جنہوں نے اسے ۲۱۸ تک محدود کیا۔ ابن حزم اسے ۲۱۴ تک لائے اس کے بعد جو تعداد سامنے آتی ہے وہ ابن سلامہ اور الاجھوری کی ہے۔ جو کہ ۲۱۳ ہے۔ مصطفیٰ زید لکھتے ہیں کہ الاجھوری اور الکرمی نے وہی طریقہ اختیار کیا جو کہ ابن سلامہ کا تھا اور اس طریقہ کو ابن برکات نے اختیار کیا جن کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد ۲۱۰ ہے۔ (۲۵) ابو جعفر النحاس نے منسوخ آیات کو ۱۳۴ تک محدود کیا اور عبد القاہر اس کی سطح کو ۶۶ تک لائے۔ ابن العربی اور السیوطی کے نزدیک یہ آیات صرف ۲۰ ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کی تعداد کو پانچ تک محدود کر دیا۔ ان کے نزدیک نسخ صرف پانچ آیات میں ہوا۔ اس کا تذکرہ انہوں نے اپنی تصنیف ''الفوز الکبیر'' میں کیا ہے۔ جو کہ برصغیر میں اصول تفسیر کے موضوع پر لکھی جانے والی سب سے اچھی کتاب ہے۔ ان کے نزدیک منسوخ آیت کی تعداد کا بڑھنا محض متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا فرق ہے۔ برصغیر کی ایک اور شخصیت فقیر سخاوت علی فاروقی محمدی نے شاہ ولی اللہ کی پانچ آیات پر بحث کی اور ان کی تعداد کو تین تک لائے اس طرح انہوں نے تین احادیث بیان کیں جو منسوخ ہوئیں۔

اس بارے میں وہ رقم طراز ہیں کہ متاخرین علماء نے آیات منسوخہ اکیس گنوائیں اور احادیث منسوخہ بھی اکیس۔ فقیر کے نزدیک تین آیات یعنی منسوخ ہیں اور تین احادیث (۲۶)

سرسید احمد خان نے نسخ پر جو بحث کی ہے اسے مولانا الطاف حسین حالی کی زبان میں یوں قلمبند کیا جا سکتا ہے۔ ''پہلے پہل یہ خیال کیا جاتا تھا کہ منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو ہے۔ امام سیوطی نے اسے ۲۰ تک محدود کر دیا ان کے نزدیک شاہ ولی اللہ نے منسوخ آیات کی تعداد پانچ بتائی۔ جب سرسید احمد خان نے دیکھا کہ منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے اب صرف پانچ رہ گئی ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ قرآن مجید میں دراصل نسخ واقع ہی نہیں ہوا۔ قرآن مجید کی آیت (البقرہ ۱۰۶) جس پر نسخ کے نظریہ کا دارومدار ہے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام سے قبل کی شریعتیں قرآن سے منسوخ ہو گئیں نہ کہ یہ قرآن کی ایک آیت دوسری کو منسوخ کرتی ہے۔ اس طرح عیسائی مورخین جو مسلمانوں پر نسخ کی وجہ سے تنقید کرتے ہیں لائق تحسین نہیں ۲۹۲)

Marfat.com

سرسید اپنے نظریہ کو تقویت پہنچانے کی غرض سے امام فخر الدین رازی کی تفسیر کا سہارا لیتے ہیں جن میں انہوں نے "ما ننسخ من آیۃ" کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس آیت میں قرآن میں نسخ کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ امام رازی کے نزدیک اس آیت میں "ما" شرط کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح کسی کو یہ کہنا کہ اگر فلاں آئے تو اس کی تعظیم کرنا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ فلاں آ گیا ہے۔

بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ اگر فلاں آیا تو اس کی تعظیم کی جائے۔ بعینہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر نسخ واقع ہو گیا تو منسوخ آیت کی جگہ اس سے بہتر آیت لائی جائے گی۔ لہٰذا یہ بہتر ہے کہ نسخ کے جواز کے لیے قرآن کی کسی اور آیت کا سہارا لیا جائے اور وہ ہے سورہ النحل کی آیت ۱۰۱ "اذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ"

اس قول کے بعد سرسید لکھتے ہیں کہ ہم امام رازی کے مشکور ہیں جو کم از کم سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۰۶ سے نسخ کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں دیتے۔ اس کے بعد سرسید احمد خان ان آیات سے نسخ کا واقع ہونا ثابت نہیں ہونے دیتے جن آیات کو امام فخر الدین رازی نے بنیاد بنایا۔ (۲۷) پاکستان کے مایہ ناز سکالر اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے پروفیسر احمد حسن نسخ کے نظریہ پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نظریہ نسخ قرآن مجید کی ابدیت Eternal Validity کے خلاف جاتا ہے۔ کیونکہ اس نظریہ کے مطابق قرآن کی منسوخ شدہ آیت منسوخ ہونے سے پہلے قابل عمل (Operative) تھیں لیکن نسخ کے باعث ان کی ابدیت ختم ہوگئی۔ اب وہ آیت قرآن میں موجود ہوتے ہوئے بھی ناقابل عمل بن کر رہ گئی ہیں۔ ان آیات کا صرف قرآن میں موجود رہنا ابدیت کے خلاف ہے یہاں تک کہ ان کی قابل عمل حیثیت موجود ہو۔ قرآن کی ابدیت کے تصور کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام قوانین ہمیشہ کے لیے مسلم امہ کے لیے قابل عمل رہیں۔ لہٰذا ہمیں نظریہ نسخ کو تسلیم کرنے کی کوئی عقلی توضیح نظر نہیں آئی جس میں قرآن کی آیات کو منسوخ تصور کیا جائے۔ (۲۸)

موقف کو ثابت کرنے کے لیے جو طرز استدلال منتخب فرمایا ہے۔ اس سے نہ تو کسی حق کی جستجو رکھنے والے کا اطمینان ہو سکتا ہے اور نہ ہی قرآن حکیم کی عظمت اور وقار دل میں باقی رہ سکتا ہے۔ ان مصنفین کی تمام تحقیات کا مرکز "نقل نسخ فی القرآن" کے نظریہ کو بہر قیمت ثابت کرنا اور

Marfat.com

زوراستدلال کامحور زیادہ سے زیادہ منسوخ آیات کی تعداد میں اضافہ کرنا تھا۔جس میں ہووہ خاص حدتک کامیاب وکامران نظر آتے ہیں۔لیکن ہر سلیم العقل آدمی کوایسے نظریے کوتسلیم کرنے میں پس وپیش ہوگا جوقرآن محکم کی بے مثل غیر فانی اورازلی صداقت اور پھر عصمت پر یقین کامل رکھتاہواور جس کاایمان ہے کہ قرآن مجید جس طرح رسول عربی ﷺ پر کامل، محکم اور غیر منسوخ صورت میں نازل ہواتھا۔بعینہ اسی طرح اب ہمارے پاس موجود ہے۔اس کی کوئی آیت باطل نہیں ہوئی۔کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا۔مطالب کانسخ تو کیا ہوتااس کا ہر ہر لفظ طرز ادا اورلب ولہجہ کی تبدیلی سے بھی منزہ اور پاک ہے۔اگر ہم ایسا تسلیم نہ کریں تو قرآن محکم کے بہت سے دعووٗں کی تکذیب لازم آتی ہے۔،،(۲۹)

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علم النسخ یاالناسخ پر علماء دومختلف نظریات رکھتے ہیں۔بعض علماء نے اس علم کی شریعت میں موجودگی کوسرے سے ماننے سے انکار کردیا ہے۔جب کہ دوسروں نے اس کی ہمیشہ تائید کی ہے۔جمہور علماء جواس علم کی موجودگی کے قائل ہیں بعدازاں دومتضاد آراء رکھنے لگے۔ایک مذہب کے بانی نے یہ اصول پیش کیا کہ قرآن وسنت اسلامی قانون کے اہم ماخذ ہیں۔دونوں دراصل ''وحی'' ہیں۔اس لیے ایک حکم دوسرے کومنسوخ کر سکتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں قرآن وسنت کے احکام ایک دوسرے کے احکامات کومنسوخ کر سکتا ہے۔یہ نظریہ احناف کا ہے اوراس کے وکیل الجصاص' السرخسی' البزدوی وغیرہ ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اس نظریہ کوتسلیم کیا بلکہ بے شمار مثالیں پیش کیں۔اس کے برعکس امام شافعی اوران کے پیروکار جیسا کہ النحاس نے نشاندہی کی ہے نسخ القرآن بالسنہ اورنسخ السنۃ بالقرآن کے قائل نہ تھے۔لیکن یہ کوئی شافعی مسلک کاپختہ اصول نہ تھا۔امام غزالی نے جمہور کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے قرآن وسنت کے ایک دوسرے سے منسوخ ہونے کوتسلیم کرتے ہوئے المستصفی میں اس موضوع پرایک باب ترتیب دیا۔(۳۱) برصغیر میں شاہ ولی اللہ کی پیش کردہ آیات منسوخہ جوکہ پانچ ہیں بعدازاں تین تک رہ گئیں۔لیکن علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بارہ ہےاوران کے دلائل سے ان کاموقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(۳۲)

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ قتادہ، کتاب الناسخ والمنسوخ فی کتاب اللہ تعالیٰ، تحقیق الدکتور صالح الضامن، المورد، بغداد، ۱۹۸۰ء ج ۹۔ ص ۴۷۹۔

۲۔ ایضاً

۳۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر۔۔۔ص ۳۲۔

۴۔ Rippen, A, al-Zuhri, naskh, al-Quran and the problem of early tafsir texts, S.O.A.S, Nov-1984,P.25

۵۔ الشافعی محمد بن ادریس، الرسالہ، شاکر ایڈیشن، قاہرہ، ۱۳۵۸/۱۹۳۹ء ص ۱۱۰۔

۶۔ ایضاً

۷۔ امام شافعی کتاب الام۔ (اختلاف الحدیث) (۸ جلدیں) مطبع حسین محمد البابی، قاہرہ، ۱۳۸۱/۱۹۶۱، ص ۵۳۲۔

۸۔ ابو عبد اللہ محمد بن حزم، کتاب الناسخ والمنسوخ، (تفسیر جلالین)، قاہرہ ۱۳۰۸/۱۸۹۰ ص۔ ۱۳۳۔

۹۔ الجصاص، احمد بن علی، احکام القرآن، (۳ جلدیں) قاہرہ، ج ۱۔ ص ۶۷۔
ابو مسلم کے تفصیلی نظریات کے لیے مزید دیکھئے۔

Nur-al-Daim, the charge of shi ism against

Marfat.com

Tabari, Ph.D,
Thesis presented to the University of Edinburgh, 1969, p. 115.

۱۰۔ الجصاص، اصول الفقہ، دار الکتب المصریۃ۔ ۱۱۵۔

۱۱۔ مصطفیٰ زید، کتاب الناسخ والمنسوخ، (۲ جلدیں) قاہرہ ۱۳۸۳/ ۱۹۶۳ ج اص ۸۲۔

۱۲۔ محمد اکرم، فکرونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اکتوبر، دسمبر ۱۴۰۹ھ، ص ۱۹۰
احکام القرآن میں مذکورہ آیات کے تحت درج ہے اور اصول الفقہ میں ابواب نسخ السنہ بالقرآن اور نسخ القرآن بالسنہ کے ذیل میں بالترتیب درج ہے۔

۱۳۔ ابوجعفر النحاس، کتاب الناسخ والمنسوخ، مطبع ذکی مجاہد، قاہرہ، تاریخ درج نہیں۔ ص ۸

۱۴۔ الطبری، ابوجعفر بن جریر، جامع البیان، (شاکر ایڈیشن) مطبع دار المعارف، قاہرہ، ۱۳۸۰/ ۱۹۶۰ ج ۲
ص ۴۷۲ ج ۸، ص ۱۲۔

۱۵۔ ہمدانی، ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حزم، الاعتبار، مطبعات الاندلس، حمص ۱۳۸۶/ ۹۸۰ ص ۶

۱۶۔ امام مالک، الموطا، ایڈیشن فواد عبدالباقی، (۲ جلدیں) مطبع عیسیٰ الحلبی، قاہرہ ۱۳۷۰/ ۱۹۵۱ء ج، ص
۲۹۴ ہمدانی، اعتبار۔۔۔ص ۳۹۔

۱۷۔ النحاس، کتاب الناسخ والمنسوخ ص ۸۔

۱۸۔ ہبۃ اللہ، ابوالقاسم بن سلامہ، کتاب الناسخ والمنسوخ، مطبع مصطفیٰ الحلبی قاہرہ ۱۳۸۶/ ۱۹۶۷ مقدمہ۔

۱۹۔ ایضاً

Marfat.com

۲۰۔ مکی، ابو محمد بن ابو طالب، کتاب الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخہ، ایڈیشن احمد حسن
فرحات، ریاض
۱۳۶۹/۱۹۷۶ء، ص ۷۰

۲۱۔ مصطفیٰ زید، کتاب الناسخ والمنسوخ، ج ا ص

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ الاتقان ۲/۲۸، البرہان ۱/۱۱، ۲/۳۳۔

۲۴۔ مصطفیٰ زید کتاب الناسخ والمنسوخ، ج ا، ص ۴۰۵۔

۲۵۔ بحوالہ مصطفیٰ زید ایضاً

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ ایضاً ج ا، ص ۳۹۳

۲۸۔ فقیر سخاوت علی کی کتاب کا نسخہ S.O.A.S یونیورسٹی آف لندن میں موجود ہے۔
اس کے سن
اشاعت کے بارے میں کچھ معلومات نہیں۔ (کتاب کی فوٹوسٹیٹ محقق کے پاس
برائے حوالہ موجود ہے۔)

۲۹۔ Altaf Hussain Hali, Hayat-i-Javaid, (Kanpur, 1901)p-217
quoted from Sir Sayyed Ahmed Khan: The controversy over
abrogation, The Muslim Word, vol-64, 1974, p-124,

۳۰۔ ایضاً

Marfat.com

۳۱۔ Ahmad Hasan, Islamic Studies, Islamic research Institute
Islamabad, June 1965, vol.4.

۳۲۔ رحمت اللہ طارق، تفسیر منسوخ القرآن، ادارہ ادبیات اسلامیہ، ملتان ۱۳۹۳/۱۹۷۳ء میں ۲۰۔

۳۳۔ الغزالی، ابوحامد محمد بن محمود، کتاب المستصفی من علم الاصول (۲ جلدیں) بولاق، ۱۳۲۲/۱۹۰۴ء

۳۴۔ سعیدی، غلام رسول، علامہ۔ تبیان القرآن، ج:۱، ص:۴۰ ۷ فرید بک سٹال لاہور

Marfat.com

اجتماعی اجتہاد میں مقاصد شریعت اور قواعد کلیہ کا کردار

اجتہاد کا مفہوم

لغوی طور پر اجتہاد کا مفہوم ہے کسی بات میں انتہائی جدوجہد کرنا اور اصطلاحی طور پر شرعی احکام کی معرفت حاصل کرنے یا جزئیات پر ان کو منطبق کرنے میں خالی الذہن ہو کر غور و فکر کی انتہائی طاقت صرف کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ (۱)

اجتہاد کا ایک محتاط مفہوم یہ بھی ہے کہ قرآن کی کسی نص یا ماضی کی کسی نظیر کو جس کے اندر ایک قانون موجود ہو، سمجھنے کی کوشش کرنا اور اس کے اندر موجود قانون کو وسیع کرتے ہوئے یا محدود کرتے ہوئے یا کسی دوسری طرح سے اس میں ردوبدل کرتے ہوئے اس طرح سے تبدیل کرنا کہ ایک نئی صورتحال ایک نئے حل کے ذریعے اس کے دائرے میں سما جائے۔ (۲)

اجتہاد، قرآن و حدیث کے بعد اسلامی قانون کا اہم ترین ماخذ ہے۔ بدلتی ہوئی زندگی اور ترقی پذیر معاشرے کی رہنمائی کا واحد ذریعہ ہے اور ہدایت الٰہی کی تکمیل کا اہم باب ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس اس کا دروازہ کھولا اور بے شمار مواقع پر اجتہاد کر کے اس کے نشیب و فراز سے واقف کرا دیا، تا کہ بعد کے لوگوں کے لئے اور باتوں کی طرح اس میں بھی آپ ﷺ کی زندگی نمونہ ثابت ہو۔

اجتماعی اجتہاد کا مفہوم

پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کرنا اور ان کا شرعی حل دریافت کرنا جب کسی منظم یا اجتماعی تحریک کی بدولت ہو گا وہ اجتماعی اجتہاد یا ادارتی اجتہاد کہلائے گا۔

Marfat.com

قرآن حکیم سے اجتہاد کا ثبوت:

ارشاد ربانی ہے:

فلولانفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین (۳)

کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ مومنوں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی جو دین میں فہم و بصیرت حاصل کرتی۔

حدیث نبویؐ سے اجتہاد کا ثبوت

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو ان سے پوچھا گیا کہ اے معاذ: جب کوئی فیصلہ (مقدمہ) تمہارے پاس آئے تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کردوں گا۔ پوچھا گیا: اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو! کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر رسول اللہ کی سنت میں نہ ہو تو؟ کہا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ (۴)

اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ دعا دی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ تو نے اپنے رسول ﷺ کے رسول (فرستادہ) کو جس چیز کی توفیق دی ہے اس سے اللہ کا رسول خوش ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر قرآن و حدیث میں صراحتاً حکم موجود نظر نہ آئے تو اجتہاد کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ابتداء اجتہاد رائے کے ذریعے ہوتا تھا کیونکہ معاذ بن جبل کے الفاظ تھے "أجتهد برأی" میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

اس رائے کی جگہ بعد میں قیاس نے لے لی۔ اس کے لئے استدلال اور استنباط کے لفظ بھی استعمال ہونے لگے۔ اگر جمہور فقہاء اور قانون کے ماہرین متفق ہوں تو یہی اجتہاد، اجماع کہلانے لگتا ہے۔ مگر جو قیاس کی قسم بن کر اصطلاح استعمال ہوئی وہ استحسان کہلائی۔ احناف نے قانون سازی میں اس سے مدد لی، امام شافعی نے اس اصطلاح کے خلاف 'ابطال الاستحسان' کے نام سے ''کتاب الام'' میں باقاعدہ مضمون باندھا۔

Marfat.com

استحسان ایسی اصطلاح ہے کہ اس سے عوامی مفاد کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ خوبصورت مثال کے ذریعے اسے واضح کرتے ہیں کہ آج کل ہمارے ڈاکخانوں سے منی آرڈر بھیجا جاتا ہے۔ ڈاک خانے میں جو رقم ادا کی جاتی ہے امانت کا اصول ہے وہی رقم ادا کی جائے لیکن ایسا ممکن نہیں لہٰذا دوسری رقم اسے ادا کر دی جاتی ہے۔ اس طرح رقم ادا ہو جاتی ہے اور امانت کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے۔ یہی استحسان ہے۔ (۵)

میکڈونلڈ استصلاح کو بھی استحسان کی قسم سمجھتے ہیں۔

"He finds no difference between the two terms Istihsan and Istislah."(٦)

اجتہاد کی اہمیت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جن معاملات میں قرآن وسنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتے ہیں ان کے بارے میں خوب غور وفکر اور سمجھ بوجھ سے کام لو۔ ایسے نئے مسائل حل کرنے میں تم پہلے قرآن وسنت میں موجود ملتے جلتے مسائل اور اصولوں سے واقفیت حاصل کرو اور نئے مسائل پر ان کو قیاس کرلو۔ اس کے بعد جو حل تمہاری رائے میں اللہ کی مرضی سے قریب تر اور حق سے زیادہ مشابہ معلوم ہو اسے اختیار کرلو۔ (۷)

اسی بات کو مدار بنا کر امام شافعی نے رائے کی تشریح اجتہاد سے کی ہے اور اجتہاد کی تشریح قیاس سے کی ہے اور فرمایا ہے ''اجتہاد اور قیاس ایک ہی معنی کے دو نام ہیں''۔ (۸)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہادات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بے شمار اجتہادات کئے۔ مثلاً مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کا حکم دیا۔ عورتوں کی طرح مردوں سے نکاح کرنے والوں کو جلا دینے کا حکم دیا وغیرہ۔ آپ غیر منصوص واقعات میں پوری وسعت کے ساتھ قیاس کو اختیار کرتے تھے اور اجماع کو شعار بناتے۔ (۹)

Marfat.com

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہادات

عہد فاروقی میں اجتہاد کی بنیاد جن اصولوں پر تھی ان میں درج ذیل نمایاں ہیں:

١۔ مشقت اور تنگی کو دور کیا جاتا۔

٢۔ دو چیزوں کے درمیان جو بات آسان ہوتی اسے اختیار کیا جاتا۔

٣۔ مصلحت کے ذریعے حکم کی تعلیم کی جاتی۔

۴۔ سدّ ذرائع کا اصول اختیار کیا جاتا۔

۵۔ دفع مفاسد کے اصول پر کار بند ہوتے۔

٦۔ بعض احکامات پر علت نہ پائے جانے، یا بعض شرائط کے مفقود ہونے کی وجہ سے (خاص واقعات وحالات میں) عمل درآمد روک دیا جاتا۔

آپ کے اجتہاد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر خلافت کو قیاس کرنا، سواد کی اراضی کا تمام مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر وقف کرنا، چوری کی سزا پر حکم موقوف کرنا، مولفۃ القلوب کے حصے کو روکنا، جلاوطنی کی سزا کو ترک کرنا، امہات الاولاد کی فروخت کا خاتمہ کرنا، تدوین قرآن پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آمادہ کرنا، شراب کی سزا ٨٠ کوڑے مقرر کرنا، ایک مجلس کی طلاق کو تین طلاقیں قرار دینا نہایت اہم ہیں۔ (١٠)

ان اجتہادات کو اولیات عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اجتہادات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شیخین کے اجتہادات کو جاری رکھا۔ تاہم موسم حج میں منیٰ میں بجائے دو رکعت قصر کے چار رکعت پڑھی۔ (چونکہ انہوں نے مکہ میں نکاح کیا تھا اس لئے منیٰ کو مکہ کی حدود میں خیال کرتے ہوئے شاید ایسا کیا) آپ کا سب سے بڑا اجتہاد امت مسلمہ کو قرآن مجید کی ایک قرأت پر جمع کرنا ہے۔ جس کی بنا پر آپ جامع القرآن کہلائے۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہادات

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور کے مجتہد اعظم تھے۔ قرآن کے حوالے سے ان کا قول بڑا مشہور ہے" مجھے ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔"(١١)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اجتہاد میں مقاصد شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس، استصحاب حال، استحسان اور استصلاح سے کام لیتے۔ شرابی کی سزا ٨٠ کوڑے مقرر کرنا، ایک جماعت کے قتل میں پوری جماعت کا قتل کرنا، جن لوگوں نے آپ کو معبود کہا ان کو اصول استحسان کی رو سے زندہ جلانا آپ کی اجتہادی کوششوں کی چند مثالیں ہیں۔ (١٢)

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ واجتہادی فیصلے بھی کتاب، حدیث اور اجماع وقیاس کی بدولت عمل میں آئے۔ امام الحرمین جوینی کہتے ہیں:" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقریباً ایک صدی تک مسائل میں قیاس کرتے رہے، واقعات آئے دن پیش آتے اور یہ حضرات ان واقعات کے بارے میں احکام شرعیہ کی تحقیق کرتے اور پیش آمدہ مسائل پر" کیف ما اتفق "اور اصول وقواعد کی رعایت کے بغیر احکام جاری نہیں کرتے تھے۔ (١٣)

تابعین اور فقہاء کے اجتہادات

تابعین کا دور تقریباً ١٠٠ھ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر چہ اکثر تابعین جو فقہ وفتوی کی صلاحیت رکھتے تھے موالی یعنی آزاد کردہ غلام تھے۔ عبید اللہ نخعی کا قول ہے کہ نئے واقعات جو میرے سامنے آتے ہیں انہیں میں سنے ہوئے احکام پر قیاس کر لیتا ہوں۔ (١٤) تابعین اور تبع تابعین میں سے بے شمار حضرات نے اجتہادات کیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے پیشرو تابعین کے اقوال پر عمل کیا اور شاذ ونادر ہی ان کی آراء سے تجاوز کیا۔ (١٥) لیکن طہ جابر العلوانی کہتے ہیں:" شاہ ولی اللہ کی اس بات سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ اہل مدینہ کا امام مالک کا عمل اختیار کرنے کا اصول، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استحسان اور عرف کے اصول کو اختیار فرمانا اور قبولیت

Marfat.com

حدیث کے لئے چند شرائط لگانا ثابت کرتا ہے کہ ان کی آراء اپنے پیشروؤں سے مختلف تھیں۔،، (۱۶)

یہ دو مکتبہ فکر بالترتیب اہل الرائے (Hanafis, Iraqis, Kufians) اور اہل الحدیث، (Traditionaists, Hajazis, Malikis) کہلائے۔ اہل الرائے پر جن مسائل میں مخالفت کی سخت قدغن لگائی گئی ہے ان مسائل میں ان کا عذر یہ ہے کہ یا تو انہیں حدیث پہنچی نہیں یا راوی ضعیف تھا اس لئے حدیث پر اعتماد نہیں کیا گیا یا کوئی حدیث معارض موجود اور ثابت تھی۔ تاہم اہل الحدیث، اہل الرائے کے ساتھ اس بات پر متفق تھے کہ جہاں نص موجود نہ ہو وہاں قیاس (رائے) کا سہارا بہت ضروری ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

ان دو مسالک کے مابین ایک تیسری رائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اہل الحدیث منقطع پر عمل کرتے ہیں اور حدیث مرسل پر مطلقاً عمل کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات صحیح احادیث کو ترک کر کے کسی صحابی یا کسی تابعی کا یا اپنا قیاس اختیار کرتے ہیں۔ بہت سے مسائل میں وہ اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا ہے اور اکثر اہل مدینہ کے اجماع کو بھی حجت مانتے ہیں اس پر انہوں نے استنباط فقہی کے اصول جمع کئے۔ قواعد کی شیرازہ بندی کی۔ فقہ کو قواعد فقھیہ سے عملی تطبیق کا نام دیا۔ عموم وخصوص کی پہچان پیدا کی۔ اصول فقہ پر ایک الرسالہ لکھ کر نئی فقہ تیار کی۔ اس طرح اہل الرائے اہل الحدیث سے ممتاز ہو گئے۔ تاہم مستشرقین آپ کو امام الحدیث کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ (۱۷)

شاطبی اور اجتہاد

اصول فقہ کی کتابوں میں اجتہاد کے حوالے سے جو مباحث ملتے ہیں ان میں اہل اصول اجتہاد، اس کی شرائط اور اقسام کی وضاحت کرتے ہیں۔ شاطبی پہلے اصولی ہیں جنہوں نے اجتہاد کو فکری عمل کا نام دیا اور کہا کہ یہ دو ستونوں پر قائم ہے۔

Marfat.com

۱۔ عربی زبان کے قواعد اور اسالیب تعبیر کی مکمل معرفت حاصل کرنا۔

۲۔ شارع کے مقاصد کی معرفت حاصل کرنا۔ (۱۸)

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، فقہاء کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد کئے اور لوگوں کو رہنمائی فراہم کی اسی راستے پر چلتے ہوئے فقہاء نے اس ضمن میں اتنا کام کیا کہ بعض کے نزدیک اجتہاد کی ضرورت ہی باقی نہ رہی اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہے؟

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کو Principle of Movement کہا ہے اور یہ امر ہر ذی شعور پر واضح ہے کہ نئے نئے مسائل کا پیش آنا ناگزیر ہے ایسے میں اجتہاد کا دروازہ کیسے بند ہو سکتا ہے؟ یہ تو مسائل کو سلجھانے اور حل کرنے کا ایک طریقہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

دراصل ہوا یوں کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے علمائے مذاہب اربعہ نے اس زمانے کے احوال کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ اجتہاد کی اہمیت کے لئے جن اعلیٰ صفات، شرعی بصیرت اور رسوخ علمی کی ضرورت ہوتی ہے، اب علماء میں اس کا فقدان ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عوامی شعور میں بھی انحطاط ہو گیا ہے۔ جس سے وہ اہل اور نا اہل میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ علماء نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ مبادا جاہل اور ہوا پرست لوگ مسند اجتہاد کو سجانے لگیں اور اسلامی فقہ کی عظیم عمارت کو نقصان پہنچے۔ لہٰذا انہوں نے پیش بندی کے طور پر کہا کہ اس ضمن میں جتنا کام اب تک ہو چکا ہے فی الحال وہی کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ مقصد نہ تھا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔ نہ انہوں نے ایسا کیا اور نہ انہیں ایسا کرنے کا اختیار تھا۔ دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور علمی ذخیرہ تباہ کیا تو اجتہاد موقوف کر دیا گیا۔

اسلام ایک زندہ مذہب ہے اس نے ہر دور کے تقاضوں کا ساتھ دینا ہے ورنہ تو

Marfat.com

مستشرقین کا یہ الزام ثابت ہو جائے گا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو جامد اور غیر متحرک ہے یہ جدید دور کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان کے بقول مسلمان ہر کام کرسکتا ہے مگر ترقی نہیں۔ موجودہ دور میں اردن، انڈونیشیا، پاکستان، تیونس، الجزائر، سعودی عرب، لبنان، مصر، موریطانیہ، نائجیریا اور ہندوستان کے علماء متحرک ہیں۔ انہوں نے بے شمار عصری مسائل پر فتاویٰ دیئے ہیں جس سے تحقیق کے دروازہ کو کھلا رکھنے میں بہت حد تک مددمل رہی ہے تاہم کچھ مسائل ایسے ہیں جہاں اجتہاد ہوا ہے یا ہوسکتا ہے یا مزید کچھ کیا جاسکتا ہے۔ آج کے مسائل کے حل میں اجتماع اور ادارتی اجتہاد (Collective and Institutionalized Ijtihad) کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مسلم معاشرے اجتماعی مسائل کو حل کرنے میں کچھ کر سکتے ہیں۔ ان میں سود اور انشورنس کے علاوہ جدید ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجہ میں سامنے آنے والے مسائل کا سامنا ہے، جن میں ٹیسٹ ٹیوب بے بی، کلوننگ اور اعضاء کی فروخت چند مثالیں ہیں۔ اسی طرح معاشی میدان میں اسلامی بنکاری، کاغذی زر کی شرعی حیثیت، آزاد مارکیٹ اور عالمی تناظر میں تہذیبوں کی کش مکش کے نظریہ، مغرب کے طرز زندگی، امت مسلمہ اور عالمگیریت جیسے مسائل پر قلم اٹھانا از حد ضروری ہے۔

موجودہ دور کے اجتہادات

ا۔ انشورنس اور اس کی مختلف حالتیں

انشورنس (بیمہ) ایک مختلف فیہ مسئلہ بن چکا ہے۔ اگرچہ بے شمار فقہاء اور علماء اسے جائز تصور نہیں کرتے انہوں نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے اسے استصلاحاً، اباحتاً اور ضرورتاً تسلیم نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس میں غرر، قمار اور سود کا شائبہ ہے۔ جبکہ کچھ علماء اسے جائز تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقا اس سلسلے میں کہتے ہیں: ''جہاں کہیں انشورنس کمپنیاں ایسی شرائط عائد کرتی ہیں جنہیں اسلامی شریعت تسلیم نہیں کرتی اور استحصال ہوتا ہے تو وہاں لوگوں کی بنیادی ضرورت کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا علاج کیا جائے نہ کہ انشورنش کو

Marfat.com

حرام ہی کر دیا جائے۔"(۱۹)

۲۔ضبط تولید

علماء کی متفقہ رائے ہے کہ خاص حالات میں اگر یقینی ضرر کا خطرہ ہو مثلاً کسی عورت کے ہاں معتاد طریقہ پر (Normal Delivery) ولادت نہیں ہو رہی اور آپریشن ہی کے ذریعہ بچہ کو نکالنا ممکن ہو تو استقرار حمل کو روکنے یا اسے مؤخر کرنے والے اسباب اختیار کرنا جائز ہے۔ اس طرح اگر ماں کی جان کو یقینی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں منع حمل کی تدبیر اختیار کرنا ہی متعین ہو جاتا ہے۔

۳۔رویت ہلال میں وحدت

اسلامی تقویم کی بنیاد چاند ہے۔ چاند کے سلسلہ میں دو حسابات ہیں۔

۱۔ فلکیاتی حساب

۲۔ بصری حساب

اکثر علماء بصری حساب کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اختلافات مطالع کو احادیث کی روشنی میں نافذ کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عالم اسلام میں ایک ہی دن عید اور رویت میں وحدت کی دعوت ضروری نہیں ہے۔ ثبوت رویت کا مسئلہ اسلامی ممالک کے دارالافتاء اور دارالقضاء حل کر سکتے ہیں اور یہی عمومی مصلحت ہے اس سلسلہ میں وہ ان لوگوں کے دلائل کو تسلیم نہیں کرتے جو وحدت رویت کے قائل ہیں۔

اگرچہ واضح احادیث اختلاف مطالع کی دعوت دیتی ہیں تاہم تھوڑا سا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان دنوں ایک شہر سے دوسرے شہر جانا ایک ہی رات میں ممکن نہ تھا۔ اگر ممکن تھا تو ضرورت محسوس نہ کی جاتی تھی۔ اور ہر شہر کا ایک رویت کے حوالے سے زاویہ نگاہ شرعی ثبوت یعنی چاند دیکھنے پر تھا۔ اب یہ طے ہے کہ پورے ملک میں عید ایک ہو گی یعنی ہندوستان کی مثال لیں تو پنجاب اور بنگال میں ایک ہی دن عید ہو گی۔

پاکستان میں کراچی اور پشاور میں ایک ہی دن عید ہو گی چاہے مطلع مختلف ہی کیوں نہ

Marfat.com

ہو۔آج دنیاGlobal Villageبن چکی ہے۔شاید ایک ہی دن وقت کا اعتبار کرتے ہوئے پوری دنیا میں عید منائی جانے لگے۔وقت کا انتظار ہے علم اور آراء آگے بڑھتی رہتی ہیں۔اجتہاد کا عمل رک نہیں سکتا۔

ٹیسٹ ٹیوب بی بی

اولاد حاصل کرنے کے لئے مصنوعی بارآوری کے کئی طریقے ہیں۔

۱۔ اندرونی بارآوری کا طریقہ: مرد کے نطفہ کو عورت کے اندر مناسب مقام پر انجیکٹ (Inject) کر دیا جائے۔

۲۔ بیرونی بارآوری: مرد کے نطفہ اور عورت کے انڈے کو ایک ٹیسٹ ٹیوب میں رکھ کر طبی لیبارٹری میں بارآوری کی جائے پھر اس بارآور انڈے کو عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے۔

۳۔ اس کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ بارآوری کے بعد اسے نطفہ والے مرد کی دوسری بیوی کے اندر داخل کر دیا جائے جو اپنی سوتن کے بچہ کے لئے رضا کارانہ حمل کے لئے تیا رہو۔

تاہم مختلف احتیاطی تدابیر کرنا ضروری ہیں مثلاً:

۱۔ بے پردگی سے بچا جائے، معالج مسلم خاتون ہو، ورنہ غیر مسلم، وہ نہ ہوں تو قابل اعتماد مسلم ڈاکٹر، انتہائی مجبوری میں غیر مسلم ڈاکٹر تاہم معالج اور زیر علاج خاتون کے درمیان شوہر یا عورت موجود رہے۔

مصنوعی بارآوری ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی اگرچہ اور بھی شکلیں موجود ہیں لیکن انہیں فقہائے اسلام غیر پسندیدہ اور شرعی اصولوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔

تیسری قسم اگرچہ علماء نے موافق رائے اختیار کی ہے لیکن علامہ رشید قبانی نے تیسری صورت میں جواز کا حکم دینے سے توقف کیا ہے۔

Marfat.com

۵۔قواعد فقہیہ

اجتہاد کی آبیاری کے لئے فقہاء نے خوبصورت اصول تحریر کئے ہیں۔ان اصولوں کی بنیاد پر قانون سازی میں کافی مدد ملتی ہے۔اگرچہ فقہاء کے نزدیک یہ اصول بذات خود ماخذ قانون نہیں ہیں تاہم یہ قانون کی طرف ایسا راستہ دکھاتے ہیں کہ اجتہاد کی راہیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔مجلتہ الاحکام العدلیہ میں ایسے 100 اصولوں کی تفصیل مرتب کی گئی ہے اور ابن نجیم نے اپنی الاشباہ والنظائر میں بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

یہاں ہم ایک اصول کا ذکر کرتے ہیں جس کے تحت عصر حاضر کے علماء اعضاء کی پیوند کاری کو درست قرار دیتے ہیں۔

اصول

کسی نقصان کے ازالہ کے لئے اسی جیسے یا اس سے بڑے نقصان کو گوارا نہیں کیا جائے گا اور چونکہ ایسی صورت میں عضو کی پیشکش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا جو شرعاً ناجائز ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی، رابطہ عالم اسلامی کے مطابق کسی زندہ انسان کے جسم سے کوئی عضو لینا اور اسے دوسرے انسان کے جسم میں لگا دینا جو اس کا ضرورت مند ہو اپنی زندگی بچانے کے لئے یا اپنے بنیادی اعضاء کے عمل میں کسی عمل کو واپس لانے کے لئے جائز عمل ہے جو عضو دینے والے کی نسبت سے اکرام انسان کے منافی نہیں ہے۔[٢٠]

معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر کی تحقیقات تیزی رفتاری کے ساتھ اس جانب قدم بڑھا رہی ہیں کہ موجودہ زندگی کے تمام گوشوں کے سلسلے میں اسلام کا حکم ایسے انداز سے بیان کر دیا جائے کہ علم وآگہی کی ہر شاخ کے بارے میں دین اسلام کے مخصوص نظریات کی وضاحت ہو سکے۔

اس سلسلے میں ایک اہم کام یہ ہے کہ تمام فقہی قواعد کو جمع کر کے اس انداز سے کام لیا جائے کہ ان کی روشنی میں پوری اسلامی شریعت کی سطح پر عمومی نظریات وضع کئے جا سکیں۔اسی طرح شریعت کی ہر قسم اور ہر باب کی سطح پر بھی نظریہ سازی ہو سکے گی۔[٢١]

Marfat.com

ہمارے علماء نے بحیثیت مجموعی تین قسم کی صورتوں میں اجتہاد کی ضرورت کا ذکر کیا ہے:

۱۔ موقع ومحل کے تعین میں اجتہاد

۲۔ نئے مسائل کی تحقیق کے لئے اجتہاد

۳۔ حکم اور مسئلہ کی صورت میں تو موجود ہے لیکن اس میں لوگوں کو مشقت پیش آتی ہے یا اس کا اصل مقصود فوت ہو چکا ہے اس لئے اجتہاد کے ذریعہ اس میں سہولت پیدا کرنا یا اس کو مفید بنانا۔

اجتہاد نئے مسائل کی تحقیق اور لوگوں کی مشقت دور کرنے کے لئے جاری رہنا چاہیے اور یہ کہ اجتہاد ان بنیادوں پر ہونا چاہیے کہ امت مسلمہ کو درپیش جدید مسائل کا حل دریافت ہو سکے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ قرآن وسنت یا اجماع سے جو صریحی احکام ثابت ہیں ان کے الفاظ ومعانی میں غور کیا جائے اور فقہاء کے بیان کردہ طریقوں، اقتضاء، اشارہ، کنایہ وغیرہ کے تحت حکم دریافت کیا جائے۔

۲۔ نئے مسئلہ کے نظائر اور اس کے مشابہ احکام جو کہ حل شدہ ہیں ان میں علت نکالی جائے اور اس کی نوعیت وکیفیت پر غور کیا جائے پھر نئے مسئلہ کی علت دیکھی جائے اور نئے اور پرانے دونوں کی علت میں اتحاد ہے تو پہلے کا حکم اس نئے مسئلہ پر بھی نافذ کر دیا جائے۔ یہی طریقہ فقہاء کا رہا ہے۔

۳۔ نظائر اور مشابہ احکام نہ ملنے کی صورت میں مقاصد شریعت ضرورت اور مصلحت کو مقررہ اصول کے مطابق بنا کر نئے مسئلہ کا حل دریافت کیا جائے اس بارے میں شریعت کی جو مقررہ حدود ہیں ان کی پوری رعایت کرنے کے بعد ہی جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اصول وکلیات کے ذریعے استصلاح واستدلال وغیرہ کے جو طریقے فقہاء نے بیان کئے ہیں اس کے ذریعے حل دریافت کیا جائے۔

غرض نئے مسائل کا حل ناممکن نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے اتنا سرمایہ جمع کر دیا ہے کہ

Marfat.com

اس کے ذریعہ فقہ ہمیشہ ضروریات زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے۔ البتہ اس کے لئے محنت، وسیع القلبی اور ادارتی اجتہادی صلاحیت کی ضرورت ہے اور اگر وقت کے اہم مسائل حل نہ کئے گئے تو ہوا و ہوس کا غلبہ ہوگا اور دین و شریعت کا صرف نام باقی رہے گا۔ جیسا کہ عیسائیت کے خلاف آج کل امریکہ اور سپین میں ہو رہا ہے۔ (۲۲)

موجودہ دور میں اجتہاد کو جاری رکھنے کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین کے دور میں تھی حالانکہ وہ وقت تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قربت کا دور تھا۔ ابن خلدون کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''جب ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے قرآن وسنت سے استدلال کے طریقوں پر غور کیا تو دیکھا کہ وہ نئے مسائل کو ان کے ہم مثل و مشابہ مسائل پر قیاس کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کتنے ہی واقعات ایسے پیش آئے جو ثابت شدہ نصوص کے دائرے میں نہیں آتے تھے انہوں نے ایسے منصوص مسائل پر کچھ ایسی شرطوں کی بنیاد پر قیاس کیا جن سے دونوں طرح کے واقعات کا ہم مثل و مشابہ ہونا متعین ہو جاتا۔ (۲۳)

تابعین کے ہاں تین مصادر تھے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ۔ لیکن بعض حضرات ایسے تھے جو نص شرعی نہ ہونے کی صورت میں مصلحت شرعی کو بنیاد بنا کر حکم شرعی کا استنباط کرتے تھے۔ (۲۴)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن، حدیث، صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کے بعد ایک واضح نہج رکھتے تھے۔ آپ قیاس کے باب میں کھل کر بحث و مباحثہ کرتے لیکن جب آپ دلیل استحسانی پیش کرتے تو سب شاگرد خاموش ہو جاتے۔ احناف نے عرف کا بھی اضافہ کیا عام کی قطعی دلالت پر زور دیا۔ ایسی اخبار احاد ظنی ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل یہ تھا کہ اگر کوئی بات (حدیث) دین کے کسی معروف بنیادی قاعدہ سے متعارض ہوتی تو اسے رد کر دیتے بعد میں علمائے مالکیہ نے استحسان اور مصالح مرسلہ کا اضافہ کیا۔ فتح ذرائع اور سد ذرائع کا اصول، فقہ میں شامل کیا اور مقاصد کو بنیاد بنایا۔

شریعت کی بنیاد ضروریات، حاجیات اور تحسینیات تینوں درجوں کی حفاظت پر رکھی گئی

Marfat.com

ہے اور یہ تینوں وجوہات شریعت کے ابواب و دلائل میں بکھری ہوئی ہیں جس طرح کلیات (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) کا اعتبار کیا جاتا ہے اس طرح جزئیات کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ ''شریعت میں کوئی ایسی خبر نہیں آسکتی جو واقعہ کے خلاف ہو۔'' اب دیکھا گیا ہے کہ قرآن کی رو سے شہد لوگوں کے لئے باعث شفا ہے لیکن اطبا نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ بعض وجوہ سے اس میں کچھ ضرر بھی ہے۔ اب شریعت کے قاعدہ کلیہ کو سامنے رکھ کر علماء نے یہ حکم لگایا کہ شہد اس شخص کے لئے مضر ہے جس پر صفرا غالب ہو لیکن جس کے اندر یہ مرض نہ ہو اس کے لئے بدستور شفا ہے۔ (۲۵)

نصوص کی وضاحت ضروری ہے جن کو بنیاد بنا کر فقہاء نے قانون سازی کی اور اب بھی انہی اصولوں کو بنیاد بنانا ہوگا۔ تاہم اکثر فقہاء اور اصولیین کا یہ خیال ہے کہ یہ قواعد فقہیہ اصول الفقہ کی جگہ نہیں لے سکتے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو تمام فقہاء نے انہی اصولوں کی بنیاد پر قانون سازی کی۔ یہ اصول کئی اقسام میں منقسم ہیں انہی کے ذریعے فقہ میں مراتب اجتہاد تک پہنچنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں یہ قواعد اصول فقہ ہی ہیں۔ صرف نظریاتی حد تک کچھ فقہاء انہیں اصول الفقہ سے علیحدہ گردانتے ہیں بہر حال ان کی مختلف اقسام کتابوں میں بکھری پڑی ہیں۔

۱۔ فن فروق: اس قسم میں باریک فرقوں اور موثر معانی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

۲۔ فن اشباہ و نظائر: اس میں ایسے فروعی مسائل جن کے احکام باہم یکساں ہوتے ہیں انہیں ان قواعد کے تحت درج کیا جاتا ہے۔

۳۔ الفروع علی الاصول: فقہی جزئیات و فروعات کا اصول و کلیات سے تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ نیز وہ اصول بیان کئے جاتے ہیں جو فقہاء کے مابین اختلافی مسائل کی بنیاد ہوتے ہیں۔

۴۔ سلسلہ: مسائل کا ایک دوسرے پر مبنی ہونا سلسلہ کہلاتا ہے۔

۵۔ مقاصد شریعت: یہ وہ اصول ہیں جن کا شارع نے قانون سازی میں اعتبار کیا ہے۔ اور اجتہاد و قیاس کی بنیاد ہوتے ہیں۔

Marfat.com

۶۔ فقہی معمے: یہ وہ فقہی مسائل ہیں جن کے احکام کی علتوں کو قصداً پوشیدہ رکھا جاتا ہے تاکہ مخاطب کی فقہی بصیرت کو آزمایا جائے۔

۷۔ فقہی حیلے: یہ ان لوگوں کے لئے جو کسی دینی امر میں متبلا ہوں چھٹکارے کا ایک شرعی طریقہ ہے بعض لوگ اسے مخارج کہتے ہیں (نکلنے کے راستے)۔(۲۶)

ان کتب میں جو اصول بکھرے پڑے ہیں ان کی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے درج ذیل قسمیں نکلتی ہیں۔

i-	اصولی قواعد	ii-	کلامی قواعد
iii-	لغوی قواعد	iv-	فقہی قواعد

امام عزالدین عبدالسلام (۲۲۰ھ) نے تمام فقہی قواعد وفروعات کو دو قاعدوں کی طرف لوٹایا ہے (۱) جلب منفعت (۲) دفع مضرت۔

مختلف علماء کی آراء کو اگر اکٹھا کر دیا جائے تو پانچ ایسے مقولے ہیں جن کو اصل قواعد قرار دیا جاسکتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔	اليقين لا يزول بالشك	یقین شک سے زائل نہیں ہوتا
۲۔	المشقة تجلب التيسير	مشقت آسانی کو کھینچتی ہے
۳۔	الضرر يزال	نقصان کو دور کیا جائے
۴۔	العادة محكمة	عادت کے مطابق حکم لگایا جائے
۵۔	الامور بمقاصدها	اعمال کی حیثیت مقاصد کے اعتبار سے ہوگی

چند مزید قواعد کا تذکرہ بھی ذیل میں کیا جاتا ہے، یہ قواعد بے شمار اور مختلف اقسام سے متعلق ہیں۔

۱۔ امور، درستگی اور اصلاح پر محمول ہونگے تاوقتیکہ اس کے خلاف ظاہر ہو جائے۔

۲۔ سوال اور خطاب میں غالب مفہوم کا اعتبار ہوگا۔

۳۔ اذا بطل الخصوص بقی العموم جب خصوص ختم ہو جائے تو عموم باقی رہتا ہے۔

۴۔ درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔

Marfat.com

۵۔ ماجتمع الحلال و الحرام الا وغلب الحرام جب حلال وحرام دونوں جمع ہوں تو حرام کے اعتبار سے حکم ہوگا۔

۶۔ القادر علی الیقین لا یعمل بالظن جو یقین پر قادر ہو وہ ظن پر عمل نہیں کرے گا۔

۷۔ ماثبت بالشرع اولیٰ ماثبت بالشرط جو چیز شرع کی بنیاد پر ثابت ہو وہ اولیٰ ہے اس سے جو شرط کی وجہ سے ثابت ہو۔

۸۔ الرخص لا تناط بالمعاصی شرعی رخصت معاصی میں حاصل نہیں ہوتی۔

۹۔ اعمال الکلام اولیٰ من اھماله کلام کو بامعنی بنانا اس کو لغو اور مہمل کر دینے سے اولیٰ ہے۔

۱۰۔ الفرض افضل من النفل فرض نفل سے افضل ہے۔

۱۱۔ الواجب لایترك الا بواجب واجب دوسرے واجب ہی کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ اذا تعارض الواجب والمحظور یقدم الواجب جب واجب اور ممنوع میں تعارض ہو تو واجب کو مقدم کیا جائے گا۔

۱۳۔ الاجتھاد لا ینقض بالا جتھاد ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا۔

۱۴۔ حقوق اللہ تعالیٰ مبنیة علی المسامحة اللہ تعالیٰ کے حقوق آسانی پر مبنی ہیں۔

۱۵۔ الضرورات تبیح المحظورات ضرورات ممنوعات کو مباح بنا دیتی ہیں۔

۱۶۔ الفرض لا یوخذ علیه عوض فرض پر اجرت نہیں لی جاتی۔

۱۷۔ ماثبت بیقین لا یر تفع الا بیقین جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین سے ہی زائل ہوگی۔

۱۸۔ الخراج بالضمان نفع ذمہ داری کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

۱۹۔ ایسا ظن جس کی غلطی واضح ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

Marfat.com

۲۰۔ تابع تابع ہی رہتا ہے اصل نہیں ہوتا۔

۲۱۔ ما کان اکثر فعلاً کان اکثر فضلاً کام کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی اس کی فضیلت بھی اس قدر ہوگی۔

۲۲۔ الشبهة تسقط الكفارة شبہ کفارہ کو ساقط کر دیتے ہیں۔

۲۳۔ الجزاء يسقط بالشبهة سزا شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

۲۴۔ المبنی علی الفاسد فاسد جو چیز فاسد پر مبنی ہے وہ خود بھی فاسد ہوگی۔

مذکورہ قواعد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

عصر حاضر کے مصنفین نے ان کوششوں میں شرح وبسط کے حوالے سے اضافہ کیا ہے۔ استاد مصطفیٰ احمد زرقاء اور شیخ محمد الحسین آل کاشف الغطاء نے کچھ نئے قواعد کا اضافہ بھی کیا ہے۔(۲۷)

خلاصہ کلام

جہاں تک تمام قواعد فقہیہ کے احاطہ کا تعلق ہے اس پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارا ابھی تک یہ مسئلہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھل جانے کے باوجود، اجتہاد کا عمل موقوف نظر آتا ہے کیونکہ چند صدیوں تک اسلامی زندگی میں جمود آجانے کی وجہ سے جو علمی وتہذیبی خلا پیدا ہو گیا ہے اسے پر کرنے کی تراکیب نہیں سوجھ رہی ہیں۔ اس گھاٹی کو کس طرح پار کرنا ہے، اسلام کے زیر سایہ کس طرح زندگی گزارنی ہے اسلام کو چھوڑ کر مغرب کی پیروی کرنی ہے یا مغرب کو مسترد کر کے اپنے آپ کو اسلام کے دروازے تک محدود رکھنا ہے یا پھر سائنسی اور تکنیکی مہارت حاصل کرنی ہے اور اسلام کے علمی سرمایہ کی حفاظت کرنی ہے اور مصالح کا خیال رکھنا ہے؟ ان سوالوں کا جواب طے کرنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں شاطبی کے موافقات کو سامنے رکھنا چاہئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جن اصولوں کا خیال رکھا تھا ان کو بنیاد بنانا ہوگا۔ استحسان، مصالح، ضرورت، عرف، قواعد فقہیہ، حالات وواقعات کی رعایت کے ساتھ اجتہاد کو ایک قدم اٹھانا ہوگا۔

Marfat.com

علامہ اقبال کے فلسفہ اجتہاد یعنی Principle of Movement کو بھی جگہ دینی ہوگی۔اب یہ ساری بحثیں ختم ہو جانی چاہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے یا کھلا، اجتہاد کی ضرورت ہے یا نہیں، اجتہاد کی صلاحیت لوگوں میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ مختلف فقہ اکیڈمی (ہندوستان، سعودی عرب، پاکستان، مصر) اس سلسلے میں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل کے کام کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے لیکن اس کی سفارشات کو حکومتی سطح پر پذیرائی ملنے میں شاید وقت لگے گا۔تاہم ایسا ہونے کی صورت میں اجتماعی طرز عمل متعین کرنے میں مدد مل سکے گی۔

اجتماعی اجہاد کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ''تلفیق'' کے اصولوں پر کام کرتا ہے۔ اس میں تمام فقہاء کے اجتہادات اور فرمودات سے یکساں استفادہ کیا جاتا ہے۔ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ نقطہ نظر سامنے آئے جو عصری تقاضوں کو پورا کرے اور اس سے پوری امت مسلمہ رہنمائی حاصل کر سکے گی۔

قواعد فقہیہ کے مطالعہ سے نئے پیش آمدہ مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے اور تخریج مسائل میں مدد ملے گی۔

ابن نجیم کا بھی یہی خیال ہے کہ ''ان قواعد کے ذریعہ فقیہ درجہ اجتہاد تک ترقی کر جاتا ہے۔''(۲۸)

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ شاطبی، ابواسحٰق: الموافقات۔ ج۴ (کتاب الجتہاد)

۲۔ فضل الرحمٰن، ڈاکٹر: اسلام اور جدیدیت۔ مترجم محمد کاظم۔ مکتبہ جدید پریس لاہور۔ ۱۹۹۸ء، ص۳۰

۳۔ القرآن (سورۃ التوبۃ:۱۲۲)

۴۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیہ، باب الجتہاد الرائی فی القضاء
یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود نہیں ہے۔ ابن قیم اور ابن عربی کے نزدیک اگر روایتی اعتبار سے اسے ضعیف تسلیم کیا جائے تو روایتی اعتبار سے یہ ضعیف نہیں ہے۔

۵۔ ایضاً، ص۱۰۳

۶۔ (i) اکرم رانا، ڈاکٹر: Hamdard Islamicus۔ بیت الحکمت، ۱۹۹۶ء، No. 4، ص۵۲

(ii) میکڈونلڈ: Development of Muslim Theology۔ نیویارک: رسل اینڈ رسل۔ ۱۹۶۵ء ص۶۹

۷۔ العلوانی، طہ جابر: اصول فقہ اسلامی۔ قاضی پبلیشرز، نئی دہلی۔ ص۱۰۰
پورا مکتوب اعلام الموقعین میں موجود ہے۔

۸۔ الشافعی، محمد بن ادریس: الرسالۃ

۹۔ العلوانی، طہ جابر: اصول فقہ اسلامی۔ ص۱۶

۱۰۔ ندوی، مولانا محمد حنیف: مسئلہ اجتہاد۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔ ص۱۶۶

۱۱۔ (i) خضری: اصول الفقہ۔ مطبع الرحمانیہ، ص۳۹۱

(ii) وھبہ الزحیلی: اصول الفقہ۔ ج۲، ص۴۱

Marfat.com

۱۲۔ ایضاً،ص ۲۱

۱۳۔ جوینی،امام الحرمین:البرہان۔فقرہ ۱۱۷

۱۴۔ ابن حجر:الاصابۃ۔ج ۴،ص ۱۲۲

۱۵۔ ولی اللہ:حجۃ البالغۃ۔ج ۱،ص ۲۰۵

۱۶۔ اصول فقہ اسلامی۔ص ۲۸

۱۷۔ شاخت نے وضاحت کے ساتھ اس لقب کا ذکر کیا ہے۔

۱۸۔ الموافقات۔المقاصد الشریعہ

۱۹۔ قاسمی،مجاہد الاسلام:عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل۔ادارہ القران والعلوم الاسلامیہ،کراچی۔ص ۳۰

۲۰۔ ایضاً،ص ۱۵۷

۲۱۔ جمال الدین عطیہ:فقہ اسلامی کی نظریہ سازی۔ص ۲۲۴

۲۲۔ تقی امینی:اجتہاد۔ص ۳۵۶

۲۳۔ ابن خلدون:مقدمہ۔ص ۴۵۳

۲۴۔ جمال الدین عطیہ:فقہ اسلامی کی نظریہ سازی۔ص ۱۶

۲۵۔ شاطبی:الموافقات۔ج ۴،ص ۵

۲۶۔ (i) کرابیسی:کتاب الفروق۔مقدمہ زنجانی،کتاب الفروع علی الاصول،مقدمہ

(ii) جوینی،کتاب السلسلہ

(iii) خضری،اصول الفقہ،ص ۱۱

(iv) ابن نجیم،ص ۴۰

۲۷۔ جمال الدین عطیہ:فقہ اسلامی کی نظریہ سازی۔ص ۸۵

۲۸۔ ابن نجیم:الاشباہ والنظائر۔ص ۲۵

Marfat.com

فن سیرت نگاری کا اجمالی جائزہ

فن حدیث کی طرح فن سیرت نگاری بھی روایت اور درایت کے اصولوں کا پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فن حدیث اور فن سیرت کی تدوین ہوئی تو روایت اور درایت دونوں جہتوں سے اچھی طرح تحقیق کام لیا گیا۔ سیرت نگاروں نے تحقیقی اعتبار سے فن سیرت کا ایسا معیار قائم کیا جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ مشہور مستشرق اسپرنگر ''اصابہ'' کے دیباچہ میں لکھتا ہے:
''نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو''۔ (۱) یہ فن اصول روایت کہلایا۔

حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے اصول درایت کے طور پر یہ رائے دی کہ سیرت نگار کو سیرت سے پوری واقفیت ہونی چاہیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے وقت کے واقعات وحالات پر گہری نظر رکھتا ہو۔ شبلی نعمانی نے سیرت نگاری میں احتیاط کے لئے محدثین کے مسلم گیارہ اصول مرتب کئے۔ جن کا سیرت نگار کو خیال رکھنا چاہیے۔ (۲)

جہاں تک سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماخذ ومنابع کا تعلق ہے ان میں قرآن مجید، کتب احادیث، کتب مغازی وسیر، کتب تاریخ، کتب تفاسیر، کتب اسماء الرجال، کتب شمائل، کتب دلائل النبوۃ کتب آثار واخبار اور معاصرانہ شاعری شامل ہیں۔ (۳)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سیرت نگاروں کا سلسلہ طویل ہے۔ جس کو ختم کرنا ناممکن ہے لیکن بقول مارگیولیتھ اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔ (۴) تصنیف وتالیف سیرت کا سلسلہ یقیناً طویل ہے۔ تاہم مثالی سیرت نگاری کے نمونے کم ملتے ہیں۔ اس مضمون میں قدیم اور جدید ہر دو ادوار کے ایسے جید نسخوں کا تعارف کرایا جائے گا جو باقی سیرت نگاروں کے لئے بطور ماخذ مستعمل ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ سیرت نبوی ﷺ پر اس قدر کتابیں معرض وجود میں

Marfat.com

آ چکی ہیں۔ جو نہ صرف مسلمانوں نے تحریر کی ہیں بلکہ غیر مسلموں بشمول ہندوؤں نے بھی اس فن پر قلم اٹھایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی تعلیمات نے دنیا میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ اسلام نے صرف چند سالوں میں حجاز کی سرزمین سے نکل کر مشرق و مغرب میں اپنے پیغام کو عام کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں اہل اسلام نے اپنے ہادی برحق کے احوال و اقوال کو اس احتیاط اور تفصیل سے محفوظ کیا کہ بقول مولانا شبلی ان کی زبان کا ایک ایک حرف' ان کی حرکات و سکنات کی ایک ایک ادا اور ان کے حلیہ وجود کے ایک ایک خدوخال کا عکس لے لیا ہے۔ (۵)

بانی اسلام کی زندگی اور ان کے مشن کے ہر شعبہ کے متعلق اس قدر کثیر اور وافر مواد موجود ہے کہ ایک مورخ یا سیرت نگار انگشت بدنداں ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اس بات کا فیصلہ کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہے کہ کن کتابوں کو اپنی تحقیق کا ماخذ بنائے۔ فن سیرت' فن مغازی' فن تفسیر اور فن حدیث میں مسلمانوں نے کمال درجہ تک مہارت حاصل کی۔ سینوں سے ارشادات رسول ﷺ اور تاریخی روایات منتقل ہو کر جمع و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ سیرت کا باقاعدہ آغاز خلافت راشدہ (عہد صحابہ) کے بعد خلافت بنوامیہ کے زمانہ میں ہوا۔ پھر یہ سلسلہ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے عروج وارتقاء خلافت عباسیہ بغداد کے عہد میں حاصل ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر اسلامی روایات کا ذخیرہ کاغذات پر منتقل کرنے کی ذمہ داری اس وقت کے سب بڑے عالم امام محمد بن مسلم الزہری (م124ھ) کے کندھے پر ڈالی گئی۔ (۶) ایک روایت کے مطابق اموی حکمرانوں کی فرمائش پر انہوں نے سیرت اور مغازی پر مستقل تصانیف چھوڑیں۔ تاہم یہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ ایک بات جو مکمل دیانت داری کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ فن مغازی پر سب سے بڑا نام موسیٰ بن عقبہ (م141ھ) کا ہے۔ آپ کی تحریر کردہ کتاب المغازی اہل علم کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ جس کے حوالے واقدی' ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں موجود ہیں۔ تاہم یہ کتاب بھی زہری کی کتاب کی طرح زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ تاہم ابتدائی سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان' عروۃ بن الزبیر' وھب بن منبہ' عاصم بن عمر' شرجیل بن سعد' عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن

Marfat.com

حزم اور ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن کے نام بھی لئے جاسکتے ہیں۔ (۷)

فن سیرت میں محمد بن اسحاق (م 150ھ) کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ علامہ بلاذری کی روایت کے مطابق خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر آپ نے سیرت کی کتاب تحریر کی۔ ابن اسحاق کی سیرت میں معلومات کی فراوانی تھی۔ اس لحاظ سے اسے جامع اور مفصل سیرت کی کتاب کہا گیا۔ دراصل یہ ہی وہ کتاب ہے جس پر بعد میں آنے والے مورخین اور مصنفین نے اعتماد کیا اور اسے ماخذ اولین قرار دیا کیونکہ اس سے پہلے کے نوشتے ناپید ہو چکے تھے۔ ابن خلدون اور امام طبری جیسے فاضل محققین بھی اس کتاب سے حوالے دیتے نظر آتے ہیں۔ ساتویں صدی ہجری تک یہ تالیف محفوظ رہنے کے باوجود اصل حالت میں ہم تک نہ پہنچ سکی۔ تاہم ڈاکٹر حمید اللہ جو کہ اسلامی علوم وفنون کے مستند سکالر ہیں اس کتاب کے کچھ صفحات محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قدرت نے ابن اسحاق کی سیرت کو محفوظ کرنے کا بہترین بندوبست کیا۔ سیرت ابن ہشام (م 213ھ) کی شکل میں یہ کتاب تلخیص کی صورت میں آج ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اس کتاب کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ لوگ ابن اسحاق کی اصل کتاب کو بھول گئے۔ سیرت ابن ہشام اصل عربی میں جرمن مستشرق وسٹن فیڈ (Wusten Feid) کے ہاتھوں شائع ہوئی۔ اب اس کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں۔

انگریزی زبان میں سب سے بہترین ترجمہ پروفیسر گیوم (Giaume) نے کیا اور جرمن زبان میں پروفیسر وائل (Weil) نے اسے شائع کیا۔ اردو زبان میں اس کے تراجم جو ہوئے ہیں ان میں مولانا محمد انشاء اللہ اور مولانا محمد حلیم انصاری نے 1914ء میں مکمل کیا۔ دوسرا ترجمہ سید یاسین علی نے 1915ء میں شائع کرایا۔ ایک اور ترجمہ مولانا قطب الدین احمد صاحب کا ہے جو حیدرآباد دکن سے 1948ء میں منظر عام پر آیا۔ ابن الوقشی (م 489ھ) جن کا نام ہشام بن احمد بن ہشام بن خالد ہے نے بڑی مہارت اور اتقان کے ساتھ سیرت ابن ہشام کی شرح لکھی جس کا نام "تنبیہات ابن الوقشی" رکھا۔ ابن الوقشی معتزلہ سے متاثر تھے۔ تاہم ان کی سیرت نگارانہ سرگرمیوں سے کسی کو انکار نہیں۔ (۸)

Marfat.com

سیرت ابن ہشام کی بہترین شرح ابوالقاسم عبدالرحمان سہیلی (م 581ھ) کی ''الروض الانف'' کے نام سے ہے۔ موجودہ دور میں جو مصنف بھی سیرت پر قلم اٹھانے کا خواہش مند ہوتا ہے وہ اس شرح سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ ایک سو بیس کتابوں کا یہ نچوڑ ہے۔ یہ کتاب جامع اور محققانہ ہے۔ علم و ادب' اسماء الرجال و انساب اور فقہی و نحوی معلومات کا خزانہ ہے۔ (۹)

متقدمین میں ایک نام محمد عمر واقدی (م 207ھ) کا ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی شہرت میں کسی کتاب سے کم نہیں۔ یہ ابن اسحاق کی سیرت کی طرح مفصل' مبسوط اور جامع محفوظ ہے۔ مستشرق ویلہاؤزن (Welhausen) نے اس کا جرمن ترجمہ کیا۔ مسٹر جونز (Jones) نے اسے 1964ء میں ایڈٹ کر کے سیرت نگاروں میں اپنا نام شامل کیا۔ یورپین سیرت نگار اس کتاب پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔

واقدی کے شاگرد محمد بن سعد (230ھ) کی طبقات ابن سعد کو علمی حلقوں میں کوئی نہیں جانتا۔ انہوں نے اپنی تحقیق کا دائرہ کار سیرت نبوی ﷺ سے بڑھا کر صحابہ کرام اور تابعین تک پھیلایا۔ یہ کتاب پروفیسر زخاؤ (Sachou) نے 8 جلدوں میں ایڈٹ کی۔ پہلی جلد میں سیرت کا بیان ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے جو عبداللہ العماوی نے 1944ء میں کیا۔ اس کے علاوہ انساب الاشراف کے نام سے علامہ بلاذری کی تصنیف اہل علم کے ہاں بہت ہی مقبول اور متداول ہے۔ آنحضور ﷺ کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں حضور ﷺ کی سیرت کا مکمل نقشہ پیش کیا۔ انہوں نے چندئی روایات کو بھی اپنے ہاں جگہ دی ہے۔ یہ کتاب بھی سیرت نبوی ﷺ کے بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کتاب کو ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔

تاریخ اسلام اور سیرت پر ایک اور مستند کتاب امام محمد بن جریر طبری (310ھ) کی ہے۔ اس کتاب کی جتنی خوبیاں گنوائی جائیں کم ہیں۔ امام طبری' سیرت' تفسیر اور تاریخ کے امام تصور ہوتے ہیں۔ انہوں نے ساری عمر دین کی خدمت کیلئے وقف کی۔ سیرت نبوی ﷺ پر ایک ضخیم حصہ مدون کیا۔ یہ کتاب اردو میں بھی منتقل ہو چکی ہے۔ اس کے مترجم سید محمد ابراہیم ندوی

Marfat.com

تھے۔

اندلس کے سیرت نگاروں کے بارے میں اگر تفصیلات مرتب کی جائیں تو ابن عبدالبر (م463ھ) کا نام لئے بغیر چارہ نہیں۔ حصول علم میں انہوں نے ایسی مہارت حاصل کی کہ اپنے پیش رو اندلسی علماء پر فوقیت حاصل کرلی۔ ان کی عظمت کی گواہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ وہ عالم، فقیہ، محدث ہونے کے علاوہ سیرت نگاران اندلس کے بہترین نمائندہ اور عروج سیرت نگاری کی دلیل اعظم ہیں۔ (۱۰) انہوں نے سیرت پر ایک مکمل و جامع تصنیف چھوڑی۔ جس کا نام ''الدرر فی اختصار المغازی والسیر'' ہے۔ مصری عالم ڈاکٹر شوقی نے اس کو شائع کیا۔ عبدالبر اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔ ''میں نے نبی ﷺ کی بعثت، عہد رسالت کے ابتدائی حالات، غزوات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے''۔ بقول شوقی انہوں نے سیرت پر ایک مختصر تصنیف پیش کی ہے۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں غیر ضروری اور غیر متعلق مباحث پائی جاتی ہیں تو انہیں خیال ہوا کہ وہ صرف آبدار موتیوں کو چن لیں۔ ان کی کتاب کی قدر و قیمت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ اندلسی عالم ابن حزم نے بھی اپنی کتاب ''جوامع السیر'' میں کچھ روشنی ''الدرر'' سے حاصل کی ہے۔

افریقی سیرت نگاروں میں قاضی عیاض کا نام ''کتاب الشفاء'' کی بدولت سیرت کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ قاضی صاحب نے رسول اکرم ﷺ کے اخلاق، معجزات اور عظمتوں کو ایسے طریقہ سے بیان کیا کہ ان کی والہانہ عقیدت و محبت نکھر کر سامنے آگئی۔ ایسی وارفتگی پہلے کسی کتاب میں نہ دیکھی گئی۔ یہ کتاب مصر، ترکی اور ہندوستان سے متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی شروحات بھی بے شمار ہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون کے پانچ صفحات پر مشتمل تفصیل فراہم کی ہے۔ بقول ابن فرحون یہ کتاب اپنی انفرادیت کے سبب مشرق و مغرب میں مقبول ٹھہری ہے۔ اس کا ترجمہ احمد جعفری نے کیا ایک اور ترجمہ احمد علی شاہ نے لاہور میں 1914ء میں کیا۔

سیرت پر ابوالفتح ابن سید الناس (671ھ) کا ذکر تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی سیرت کی کتاب فصاحت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کا طرز

Marfat.com

بیان محدثین جیسا ہے نہ کہ مورخین جیسا۔ معتبر اور مستند روایات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی مدح میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ اس کتاب کا ماخذ علامہ ابن عبدالبر کی کتاب ''الدرر'' ہے۔

ابن قیم الجوزیہ (م 751ھ) کی ''زاد المعاد'' رسول پاک ﷺ کے حالات و واقعات بیان کر کے فقہی احکامات متعارف کراتی نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کتاب سیرت نبوی ﷺ کے عمل کرنے پر ابھارتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ 1924ء میں لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

فن سیرت اور فن حدیث کے امام ابوالعباس احمد بن محمد شہاب الدین قسطلانی ۔۔۔۔ (923ھ) کی کتاب ''المواہب اللدنیۃ'' بڑی مشہور ہوئی۔ علمی حلقوں میں یہ کتاب مقبولیت کی حدوں کو چھو چکی ہے۔ اس کی مقبولیت کا ثبوت یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی کئی شروحات لکھی گئیں۔ جن میں زرقانی کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ اس کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالجبار خان آصفی نے کیا۔

سیرت کی ایک اور مشہور کتاب ''سیرت حلبیۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مؤلف کا نام علامہ علی بن برہان الدین حلبی (م 1044ھ) ہے۔ اس کتاب کے مآخذ دو ہیں۔ ایک کا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ ابن سید الناس کی کتاب ''عیون الاثر فی قانون السیر'' ہے۔ دوسری سیرت الشامی کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں ایسے مسائل بھی شامل کئے ہیں جن کا تعلق عقائد یعنی علم الکلام اور اصول الدین سے ہے۔ دوسرا عبادات یعنی فقہ سے متعلق ہے۔

مصری سکالر محمد حسین ہیکل شبلی کی طرز کے مصنف ہیں۔ انہوں نے جدید زمانے میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ اپنے مقدمہ میں وہ لکھتے ہیں کہ ان کی سیرت لکھنے کا مقصد مسیحی سوانح نگاروں کے الزامات کا جواب دینا ہے۔ دوسرا آنحضرت ﷺ کو عہد حاضر کے مسلمانوں کے لئے بھی بطور نمونہ پیش کرنا ہے۔

ہیکل کی لکھی ہوئی سیرت مشرق و مغرب میں شہرت حاصل کر چکی ہے۔ سیرت نگاروں کے لئے اہم مآخذ ہے۔ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری زبانوں

Marfat.com

میں اس کے تراجم سامنے آچکے ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کا بہترین ترجمہ اسماعیل راجی الفاروقی نے کیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ابویحیٰ محمد امام نوشہروی نے کیا۔ مقدمہ کا ترجمہ محمد حسین رضی نے 1940ء میں ''مقدمہ زندگی محمد ﷺ'' کے نام سے کیا۔ مصر کے ایک اور سیرت نگار توفیق الحکیم ہیں۔ ان کی کتاب ''محمد ﷺ'' ادبی شاہکار ہے۔ اس کا اردو ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی نے کیا۔

ہمارے یورپی سوانح نگاروں نے بھی حضور ﷺ کی سیرت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں منٹگمری واٹ کی کتابوں ''محمد ﷺ ایٹ مکہ'' اور محمد ﷺ ایٹ مدینہ'' کو کافی اہمیت حاصل ہوئی۔ پروفیسر موصوف نے کوشش کی ہے کہ وہ آزادانہ طرز اختیار کریں تاکہ ان کی کتاب Controversial نہ بن سکے۔ اس لئے وہ ایک طرف مسیح برادری کو یہ سبق دیتے ہیں کہ وہ اپنی تحقیق میں تعصب کو چھوڑ دیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ یورپی مستشرقین کی ہر کتاب پر شک وشبہ کا سوال نہ اٹھائیں۔ اس کے علاوہ سیرت پر انگریزی زبان پر بے شمار کام ہوا ہے۔ نہ صرف انگریزی بلکہ جرمن، فرانسیسی اور دیگر زبانوں میں بھی آنحضرت ﷺ کی زندگی محفوظ ہو چکی ہے۔

جب ہم برصغیر میں داخل ہوتے ہیں تو ہماری سب سے پہلی نظر سرسید احمد خان پر پڑتی ہے۔ سرسید احمد خان کا شمار برصغیر کے ان مشہور سیرت نگاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے مستشرقین کی گمراہ کن سرگرمیوں کا بہت مدلل اور موثر جواب دیا۔ سرسید احمد خان نے سرولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد ﷺ'' کے جواب میں اپنی مشہور زمانہ کتاب ''خطبات احمدیہ'' تحریر کی۔ جس کو اردو زبان میں سیرت کی پہلی تصنیف کہا جانا چاہیے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ A Series of Essays on the life of Muhammad کے عنوان سے 1870ء میں لندن سے شائع ہوا۔

سرولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد ﷺ'' چار جلدوں میں 1861ء میں شائع ہوئی۔ یوں تو سرولیم میور سے قبل بھی عیسائی مصنفین کا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معاندانہ رویہ شروع تھا لیکن ولیم میور نے مسلمان مصنفین کی کتابوں کے حوالے دے کر نبی پاک ﷺ کی

Marfat.com

تنقیص کی۔ سرسید احمد کہتے ہیں یہ بات بہت "خطرناک" تھی۔ بقول مولانا الطاف حسین حالی سرسید اس کتاب کا جواب دینے کے لئے ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ (۱۲)

سرسید نے "خطبات احمدیہ" لکھ کر فن سیرت نگاری کے جن اصولوں کی بنیاد رکھی وہ قابل ذکر ہیں:

1۔ سیرت کے ماخذ کی تنقید اور چھان بین۔

2۔ مغربی مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ۔

3۔ انجیل سے قرآنی صداقت کے ثبوت۔

4۔ عرب کے جغرافیائی اور نسلی واقعات کی تحقیق۔

5۔ اسلام کی تمدنی حیثیت کا مطالعہ۔

"خطبات احمدیہ" موضوع اور اسلوب ہر دو اعتبار سے اپنی پیش رو کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی اور مدعا نویسی سرسید کی تحریر کی خصوصیات ہیں۔ سرسید سلاست اور روانی کو بہت پسند کرتے تھے۔ سر ولیم میور کے جواب میں ان کا انداز عالمانہ اور سنجیدہ رہا نہ کہ معاندانہ، مجاصمانہ یا مناظرانہ۔

برصغیر میں خدمت سیرت کے سلسلہ میں ایک اور نام قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا ہے۔ ان کی "رحمۃ اللعالمین ﷺ" کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ شبلی کی سیرۃ النبی ﷺ کو چھوڑ کر کسی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ ان کی کتاب تین جلدوں پر مشتمل، روایات کی صحت، واقعات کی ترتیب، مطالعہ کی وسعت، نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت اور حضور ﷺ کی ذات سے والہانہ لگاؤ کو ظاہر کرتی ہے۔ آپ کی کتاب کے بارے میں ایک خوبصورت تبصرہ یہ ہے کہ "مصنف نے اس کتاب کے صفحات پر دماغ کے ساتھ ساتھ دل کے ٹکڑے بھی رکھ دیئے ہیں۔ ایک ایک لفظ سے عشق نبوی ﷺ اور حب انسانیت نمایاں ہے"۔ (۱۳)

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اشاعت کے بعد اسے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، جامعہ عباسیہ بہاولپور، ندوۃ العلماء لکھنو دار العلوم دیوبند، انجمن حمایت

Marfat.com

اسلام لاہور اور اسلامی یونیورسٹی سعودی عرب اور دیگر اسلامی مدارس نے شامل نصاب کر لیا۔ (۱۴)

قاضی صاحب کی اس کتاب کی سب سے نمایاں خوبی عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں' قاضی صاحب نے قرآن اور صاحب قرآن پر وارد اعتراضات کا جہاں جہاں مناسب سمجھا شافی جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ قرآن کا یہودیوں اور عیسائیوں پر احسان ہے کہ اس نے انبیاء کی سچی شان دنیا پر ظاہر کی ورنہ انہوں نے تو اپنے انبیاء پر شرمناک الزامات وارد کیے تھے۔ قاضی صاحب کے نزدیک سیرت نگاری کا حقیقی مقصد حب رسول کو اجاگر کرنا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ محبوب خلائق' محبوب ملائک اور محبوب خدا ہیں۔ تاہم جہاں تک اسلام کی حقانیت اور بانی اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے والی بات ہے۔ اگر سرسید کی خطبات احمدیہ اور منصور پوری کی رحمۃ اللعالمین کا تقابل کریں تو جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے۔

''سرسید کی خطبات احمدیہ میں کارلائل' گبن' ڈیون پورٹ' گاڈ فرے' ہگنز' ولیم میور' پادری فنڈر' اسپرنگر' جارج سیل' پریڈو اور پوکاک کے ناموں کی تکرار ہے۔ جبکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے صفحے صفحے پر کتاب پیدائش' کتاب استثناء کتاب یسعیاہ' کتاب خروج' کتاب تواریخ' کتاب سلاطین' انجیل لوقا' انجیل متی' انجیل یوحنا' مکاشفات یوحنا' ملاکی نبی کی کتاب' یوسیاہ نبی کی کتاب کے نام دکھائی دیتے ہیں''۔ (۱۵)

سیرت النبی ﷺ از شبلی کے ساتھ اگر اس کتاب کا تقابل کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور سیرت النبی ﷺ کا دماغ کے ساتھ۔ (۱۶)

جدید دور کی بطور مآخذ مستعمل ہونے والی سیرت کی کتاب مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی ﷺ ہے۔ شبلی کا مطالعہ جدید و قدیم ہر دو اصولوں کا امتزاج ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ کا اہم کارنامہ ایک طرف یہ ہے کہ انہوں نے یورپی مصنفین کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات پر کاری ضرب لگائی۔ دوسری طرف سیرت نگاری کے اور سیرت نگاروں کے لئے اصول مرتب کیے۔

انہوں نے اپنی سیرت کا ایسا مقدمہ تحریر کیا۔ جس سے مغازی' سیرت' حدیث اور تاریخ

Marfat.com

کا فرق نکھر کر سامنے آ گیا۔ شبلی نے غزوات' غلامی تعدد ازواج جیسے مسائل پر مغربی آراء کو بیان کر کے علمی اور اسلامی نقطہ نظر واضح کیا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ شبلی و سلمان کی مرتب کردہ یہ سیرت ہمارے دینی ادبیات عالیہ میں بلند حیثیت کی مالک ہے۔ (۱۷)

سیرت النبی ﷺ کی تالیف کے وقت مصنف ایک فرد واحد نہیں تھا۔ بلکہ ایک ٹیم کا کپتان تھا۔ اسے سید سلمان ندوی' عبدالماجد دریا آبادی' عبدالسلام ندوی' مولانا حمید الدین فراہی اور سید نواب علی اور بعض اوقات ابوالکلام آزاد جیسے نابغہ روزگار کی معاونت بھی حاصل رہی۔ اتنے افراد کی آراء اور ہمدردی سے جو تخلیق ہوگی وہ یقیناً ایک شاہکار ہوگی۔

شبلی کو سیرت سے جو محبت تھی وہ ان کی زندگی کے آخری الفاظ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ سید سلمان ندوی کو بلا کر کہتے ہیں۔ ''سیرت' سیرت' سیرت'' یعنی'' سب کام چھوڑ کے سیرت مکمل کرنا۔

سید سلمان ندوی نے بستر مرگ پر آخری سانس لیتے ہوئے اپنے استاد سے جو وعدہ کیا تھا اسے انتہاء درجے کے احساس ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ سید صاحب نے ''سیرۃ النبی ﷺ '' کو ایک زندہ جاوید کارنامہ لازوال یادگار اور توشہ آخرت بنا دیا۔ اس کی زبان اتنی بلند پایہ اور معیاری ہے کہ اردو ادب بہت ترقی کے باوجود اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

سیرت النبی ﷺ کے اگر صرف ماخذ ہی شمار کئے جائیں تو بذات خود ایک چھوٹی سی کتاب بن جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی تخلیق میں کتنی عرق ریزی ہوئی ہوگی۔ ان کتابوں کو محض ورق گردانی کے لئے ہی ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ کا اسلوب نہایت دلکش ہے۔ اس میں جن اصولوں کو روا رکھا گیا ہے ان سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہی۔ مولانا نے یورپین سیرت نگاروں کے افکار باطلہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ ان کے تمام الزامات کی قلعی کھول دی۔ انہوں نے ولیم میور' مارگولیتھ اور ولہاوزن کے افکار پر ضرب کاری لگائی۔ آپ کی کتاب میں اس لحاظ سے عشق و محبت کا وہی رنگ ہے جو خطبات احمدیہ میں پایا جاتا ہے۔

Marfat.com

شبلی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے۔ انہوں نے عربی سیرت نگاروں' مورخوں اور ارباب تفسیر میں سے ان سے برأت کا اظہار کیا جنہوں نے قصہ غرانیق کی روایات کو بہ سند نقل کیا۔ (۱۸)

(شبلی کی سیرت نگاری میں عصری افکار کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بقول سید عبداللہ شبلی اپنے پیشروؤں سے یکسر مختلف ہے۔ کیونکہ شبلی نے آپ ﷺ کی ذات کو روحانیت کامل اور پاکیزگی کا ارفع وکامل نمونہ قرار دیا ہے۔ (۱۹)

اس کتاب کی تکمیل میں سید سلمان ندوی کا بھی اتنا ہی حصہ ہے۔ جتنا شبلی کا۔ جہاں شبلی کی شخصیت شوخ، گرم جوش، جذباتی اور نفاست پسند تھی۔ وہاں سلمان ندوی سنجیدہ، بردبار معتدل مزاج اور ٹھنڈے انسان تھے۔

اور یہی صفات ان کے اسلوب کا خاصہ بنیں۔ تصانیف میں شبلی کے انداز کو مشرقی اور سید صاحب کے انداز کو مغربی قرار دیا گیا ہے۔ شبلی والے حصے میں اگر حضور ﷺ کی لفظی شبیہہ کا بیان ہے تو سلمان والے حصے میں اسوہ حسنہ اور دینی احکام کی روح کا ذکر ہے۔ آخر میں یہ کہنا بجا ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر یہ انسائیکلو پیڈیا ہے۔ بقول اختر وقار عظیم ''آج تک سیرۃ النبی ﷺ سے زیادہ محققانہ، عمدہ اور جامع المعلومات کتاب رسول کریم ﷺ پر نہیں لکھی گئی''۔ (۲۰)

سید سلمان ندوی کا ایک عمدہ شاہکار ''خطبات مدراس'' کے نام سے منصہ شہود پر آیا۔ آپ نے معروف زمانہ آٹھ خطبے 1925ء میں اسلامی تعلیمی انجمن میں دیئے اور 1926ء میں انہیں کتابی شکل دی۔

شاہ معین الدین ندوی کا تبصرہ اس کتاب کی قدر و قیمت میں چار چاند لگا دیتا ہے وہ لکھتے ہیں۔ ''کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت وعظمت اور دوسرے مذاہب پر برتری کے ثبوت کے لئے کافی ہے''۔ (۲۱)

سیرت النبی ﷺ اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی شہرت ومقبولیت کے بعد اردو کی بیشتر کتب وہ درجہ ومرتبہ یقیناً نہ پاسکیں جوان کا حق تھا۔ تاہم عاشقانِ رسول ﷺ اپنی عقیدت ومحبت کا ثبوت سیرت کی کتابیں لکھ کر دیتے رہیں گے۔ ان میں ایک نام مولانا محمد اشرف علی تھانوی کا

Marfat.com

بھی ہے۔آپ نے ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' لکھ کر ایک دفعہ پھر لوگوں کو گرما دیا۔ مصنف کی خواہش تھی کہ ایسی کتاب جو ہر گھر میں پڑھی جا سکے جس سے ہر عام خاص، بچہ، بوڑھا، عورت و مرد پڑھا ہوا ان پڑھ مستفید ہو سکے۔اس کتاب کی سب سے اچھی بات ہے کہ ہر بیان کے بعد ایک نتیجہ نکالا گیا ہے یا کوئی نصیحت کی گئی ہے۔جس سے سننے اور پڑھنے والے سیرت رسول ﷺ پر عمل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (۲۲)

علم و تحقیق کی وسعت یا گہرائی اور اپنی معلومات کو خوبصورتی کے ساتھ دلنشین طرز بیان سے تحریر میں لانا یہ وہ کمالات ہیں جن میں بڑی حد تک کسب کو بھی دخل ہے۔لیکن لگن کی آگ اور دل کا سوز و گداز وہ دولت ہے جو صرف خدا کی دین پر موقوف ہے۔جب کمال اور یہ خدا دا دولت کہیں جمع ہو جائیں اور دونوں مل کر کوئی تصویر تیار کریں تو جیسی تیار ہو گی ''النبی الخاتم'' از سید مناظر احسن گیلانی اس کی زندہ مثال ہے۔

مولانا منظور نعمانی کہتے ہیں: ''یہ کتاب اگرچہ سیرت پر لکھی گئی ہے جو تاریخ کا ایک شعبہ ہے لیکن مصنف کا مقصد اس سے صرف سوانح نبویہ کی تدوین نہیں ہے بلکہ ان کا نظریہ اس میں تبلیغ اور دعوت الی الحق ہے''۔ (۲۳)

النبی الخاتم دراصل ایک طویل مقالہ ہے جو ایک کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔اسے ''دریا بکوزہ'' کی مثال سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔اس کتاب کا انداز ایک جوشیلے خطیب کی طرح ہے۔جس میں زندگی کو دل کی زندگی اور مدنی زندگی کو دماغ کی زندگی کہا گیا ہے۔ (۲۴)

کلاسیکی انداز کی ایک اور ضخیم کتاب مشہور عالم دین اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی سیرت المصطفیٰ ہے۔اس کا انداز وہی ہے جو عربی کی دیگر کتب سیرت کا ہے ڈاکٹر انور محمود خالد لکھتے ہیں۔''سیرۃ المصطفیٰ'' اپنی تکنیک، اسلوب بیان اور طرز فکر کے اعتبار سے ''اصح السیر'' حکیم عبدالروف دانا پوری سے خاصی مشابہت رکھتی ہے۔حکیم صاحب اور مولانا ادریس نے غزوات نبوی ﷺ کو اپنے ہاں زیادہ اہمیت دی ہے۔دونوں کو فقہی مسائل سے زیادہ دلچسپی ہے۔دونوں نے اپنی اپنی تصانیف کی بنیاد احادیث نبوی ﷺ پر رکھی ہے۔دونوں اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔دونوں کو اس بارے کوئی دلچسپی نہیں کہ مغرب آنحضرت ﷺ کے بارے کن کن غلط فہمیوں کا شکار ہے''۔

Marfat.com

یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ پرفتن دور میں ایسی کتب سیرت کی اشد ضرورت ہے جسے پڑھ کر مسلمان آنحضرت ﷺ کے اسوہ مبارکہ کو مشعل راہ بنا سکیں۔

مولانا کا عاشقانہ روپ اور شان نبوت ﷺ پر فدا ہونا کتاب کی اہمیت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سیرت کی یہ کتاب ان قارئین کے لئے از حد ضروری ہے جو عربی زبان سے نا آشنا ہیں لیکن عربی سیرت کتب پڑھنے کی آرزو اور خواہش رکھتے ہیں۔ سیرت المصطفیٰ اس کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ (۲۵)

سیرۃ المصطفیٰ کے نام سے ایک اور کتاب مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کی ہے۔ اس کتاب میں کم وبیش واقعات سیرت وہی ہیں جو دیگر کتب سیرت میں پائے جاتے ہیں۔ بعض جگہوں پر سر ولیم میور کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی ملتے ہیں۔

اسی مسلک کی ایک اور نادر کتاب مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ہے۔ جس کا نام ''محمد رشی'' ہے اس مصنف کی اس سے بھی بڑھ کر کتاب ''مقدس رسول ﷺ'' بہت بڑا رتبہ پا گئی۔ کیونکہ یہ کتاب راجپال نامی ناشر کی کتاب ''رنگیلا رسول'' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ ''رنگیلا رسول'' میں ذات رسول ﷺ پر شرمناک حملے کئے گئے ہیں۔ مولانا نے ان حملوں کا منہ توڑ جواب دیا۔

مولانا ثناء اللہ پیغمبر اسلام کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتے تھے۔ ان کا قلم ہمیشہ شمشیر بے نیام رہتا تھا۔

سیرت نگاروں میں مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری نے نئے ڈھب سے کام کیا ہے۔ اس کتاب میں بعض ایسے ابھرتے ہوئے مباحث پر قلم اٹھایا گیا ہے جو کم از کم اردو زبان کی سیرت کی کتب میں مفقود ہیں۔ اس کتاب میں جا بجا عارفانہ نکات اور سوز گداز کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ عقلی مباحث اور نفسیاتی نکتے بھی درج ہیں۔ اس طرح پیغمبر انسانیت سیرت طیبہ پر اپنی نوعیت کی ایک اہم کتاب ہے۔

آخری کتاب کا ذکر کرنے سے قبل دو کتابوں کا ذکر نہ کیا گیا تو بات ادھوری رہ جائے گی۔ یہ دو کتابیں نعیم صدیقی کی ''محسن انسانیت'' اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''سیرت سرور دو عالم'' ہیں۔ محسن انسانیت آنحضرت کو بنی نوع انسان کے ایک ایسے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے جس نے دنیا میں سب سے بڑا انقلاب برپا کیا۔

Marfat.com

سیرت سرور عالم آنحضرت ﷺ کی سیرت وکردار اور آپ کے ابدی پیغام کو جس خوبصورت اور عالمانہ انداز میں پیش کرتی ہے اس کی مثال دور حاضر کی کتب سیرت میں کم ملتی ہے۔

اس دور کی نمایاں کتابوں میں مفتی محمد شفیع کی آداب النبی ﷺ ڈاکٹر طاہر القادری کی دریتیم، عبدالماجد دریا آبادی کی خطبات ماجدی، مولانا ابوالکلام آزاد کی رسول رحمت ڈاکٹر نصیر ناصر کی پیغمبر اعظم و آخر سید اسعد گیلانی کی رسول اکرم کی حکمت انقلاب، ڈاکٹر حمید اللہ کی عہد نبوی میں نظام حکمرانی اور پیر کرم شاہ الازہری کی ضیاء النبی ہیں۔

عصر حاضر میں ضیاء النبی جہاں اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے وہاں محبت رسول ﷺ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی ہے۔ ضیاء النبی میں ابتدائی طور پر ایران، یونان، روم، ہندوستان، چین اور خطہ عرب کے ماحول اور معاشرتی خرابیوں کی عکاسی جس انداز میں کی ہے۔ اس کی وجہ سے کتاب کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پیر صاحب کی سیرت نگاری کی بنیاد محبت رسول ﷺ ہے اور اسے تحقیق کے مسلمہ اصولوں کے مطابق لکھا گیا ہے۔ اس سے فن تاریخ وسیرت نویسی کو حسن ملا ہے۔

یہ کتاب قدیم اور جدید ماخذ کا نچوڑ ہے۔ نیز سیرت نگاری کے ہر پہلو کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ سیرت جہاں زمانی ترتیب کی حامل ہے وہاں شمائل واخلاق نبوی ﷺ موضوعاتی ادب وانشاء کو اجاگر کرتی ہے۔ نیز اس میں سیرت نگاری کے جمالیاتی وتجزیاتی اسلوب کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ (۲۸)

آخر میں عرض مدعا یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ پر لکھنے والوں کا شمار ناممکن ہے۔ لاتعداد زبانوں میں سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی شخصیت، کردار، حیات وکمالات پر طبع آزمائی کی ہے جو کوئی اس ہستی کی خوبی بیان کرتا ہے وہ یقیناً اپنا نام تا قیامت زندہ کر لیتا ہے۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ آج تک کی نمائندہ سیرت کی کتب کا اجمالی تعارف کرا دیں۔ لیکن یہ بات حتمی نہیں ہے کہ ہم نے سب کتابوں کا تعارف کرا دیا ہے کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سیرت کی ہر وہ کتاب جس میں ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ذکر ایک دفعہ آ گیا وہ قابل بیان اور قابل تبصرہ ہے۔ لیکن اس کاروائی میں یقیناً دفتر کے دفتر درکار ہیں اور یہ مقام اس بوجھ گراں کو اٹھانے کا چنداں متحمل نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

1۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ مطبع سعیدی، قرآن محل، کراچی، س ن، ج1، (مقدمہ: ذیلی حاشیہ، ص8-10)
2۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ، علم السیرۃ، ص:83
3۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1989ء ص40
4۔ مارگولیتھ Muhammad and the Rise of Islam آکسفورڈ پریس، لندن، 1905۔ ص3
5۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ مقدمہ
6۔ شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کے سیرت نگار، مجلہ فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد، ص89
7۔ تفصیل کیلئے دیکھئے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص 107-92
8۔ نثار احمد، ڈاکٹر، اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء، فکر ونظر (سپین نمبر) 1991ء، ص147
9۔ السہیلی، الروض الانف، مطبع الجمالیہ، مصر 1914ء ص3
10۔ نثار احمد، ڈاکٹر، اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء، ص143
11۔
12۔ حالی، مولانا الطاف حسین، حیات جاوید، عشرت پبلشنگ ہاؤس، 1971ء، ص 426

Marfat.com

13۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص 501

14۔ منصور پوری، رحمۃ اللعالمین ﷺ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مقدمہ، ص 8

15۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ ص 525

16۔ منصور پوری، مہر نبوت، ص 4

17۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، فن سیرت نگاری پر ایک نظر، فکر و نظر ادارہ تحقیقات اسلامی 1976ء ص 13

18۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ ج 2، ص 241

19۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1994ء ص 14

20۔ اختر وقار عظیم، شبلی بحیثیت مورخ، تصنیفات، لاہور 1968ء، ص 139

21۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ ص 619

22۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، حبیب خدا، مکتبہ عالیہ لاہور، 1978ء مقدمہ

23۔ گیلانی، سید مناظر احسن، النبی الخاتم ﷺ، الفیصل غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 1999ء، ص 2

24۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص 639

25۔ محمد ظہیر الدین، محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات، تحقیقی مقالہ برائے ایم۔اے عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور، 1974ء، ص 179

26۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ ص 666

27۔ پھلواری، محمد جعفر شاہ، محمد پیغمبر انسانیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ 2 کلب روڈ لاہور، 1995ء

28۔ عبداللہ صالح، اردو ادب میں ضیاء النبی ﷺ کی منفرد خصوصیات، ضیائے حرم (ضیاء الامت نمبر) اپریل 1999ء لاہور، ص 272

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ بطور سیرت نگار

سیرت النبی ﷺ پر بے شمار کتب سامنے آئی ہیں۔آپ ﷺ کی زندگی کا نقشہ ابن اسحٰق اور ابن ہشام سے لے کر ڈاکٹر حمید اللہ تک اگر دیکھا جائے تو درمیان میں بہت سے پہلو نظر آئیں گے۔سیرت کا باقاعدہ آغاز خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنو اُمیہ کے زمانہ میں ہوا پھر یہ سلسلہ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ اسے عروج وارتقاء خلافت عباسیہ بغداد کے عہد میں حاصل ہوا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر اسلامی روایات کا ذخیرہ کاغذات پر منتقل کرنے کی ذمہ داری اس وقت کے سب سے بڑے جید عالم محمد بن مسلم شہاب الزہری (م۱۲۴ھ) کے کندھے پر ڈالی گئی۔ایک روایت کے مطابق اموی حکمرانوں کی فرمائش پر انہوں نے سیرت اور مغازی پر مستقل تصانیف چھوڑیں تاہم یہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ (۱)

ایک بات جو مکمل دیانت داری کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ فن مغازی پر سب سے بڑا نام موسیٰ بن عقبہ (م۱۴۱ھ) کا ہے تاہم ابتدائی سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان، عروۃ بن زبیر، عاصم بن عمر، عبداللہ بن ابوبکر محمد بن عمر بن حزم اور ابوالاسود محمد عبدالرحمٰن کے نام بھی لئے جاسکتے ہیں۔ (۲)

فنِ سیرت کے امام محمد بن اسحاق نے سیرت میں جو معلومات فراہم کیں ان پر بعد میں آنے والے مورخین اور مصنفین نے اعتماد کیا اور اسے ماخذ اولین قرار دیا۔ابن خلدون اور امام طبری نے بھی اس کتاب سے حوالے دیئے۔ساتویں صدی تک یہ کتاب محفوظ رہی بعد ازاں یہ سہرا ڈاکٹر حمید اللہ کے سر جاتا ہے کہ وہ اس کتاب کے کچھ صفحات محفوظ کرنے میں کامیاب

Marfat.com

ہو گئے تاہم ابن اسحاق کی سیرت کو ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے محفوظ کیا۔اس کتاب کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ لوگ اصل کتاب کو بھول گئے۔

پھر ہر دور میں سیرت نگار آپ e کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر اپنے اپنے انداز میں مختلف زبانوں میں علم کے موتی بکھیرتے رہے۔

انیسویں صدی عیسوی میں سیرت نگاری پر مناظرانہ رنگ غالب رہا جبکہ بیسویں صدی سیرت نگاری کے زریں دور کے طور پر سامنے آئی اس صدی کی ابتداء سے ہی ایسے روشن خیال مصنفین منظر عام پر آئے۔ جو عشق رسول ﷺ سے سرشار، تصنیف وتالیف کی نازک ذمہ داریوں سے واقف اور نئے علوم وحالات سے آگاہ تھے۔

جب ہم برصغیر میں داخل ہوتے ہیں تو ہماری سب سے پہلی نظر سرسید احمد خاں پر پڑتی ہے جنہوں نے مستشرقین کی گمراہ کن سرگرمیوں کا مدلل اور موثر جواب دیا۔سرسید احمد خان کا شمار برصغیر کے ان مشہور سیرت نگاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے مستشرقین کی گمراہ کن سرگرمیوں کا بہت مدلل اور موثر جواب دیا۔سرسید احمد خان نے سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد ﷺ'' کے جواب میں اپنی مشہور زمانہ کتاب ''خطبات احمدیہ'' تحریر کی۔بقول مولانا الطاف حسین حالی، سرسید اس کتاب کا جواب دینے کے لئے ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ (۳)

برصغیر میں خدمت سیرت کے سلسلہ میں ایک اور نام قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا ہے اُن کی ''رحمۃ اللعالمین'' کو جو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی وہ شبلی کی سیرت النبی ﷺ کو چھوڑ کر کسی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔

اگر سرسید کی خطبات احمدیہ اور منصور پوری کی رحمۃ للعالمین کا تقابل کریں تو جو چیز سامنے آئی ہے وہ یہ ہے۔

''سرسید کی خطبات احمدیہ میں کارلائل، گبن، ڈیون پورٹ، گاڈفرے ہگنز، ولیم میور، پادری فنڈر، اسپرنگر، جارج سیل، پریڈو، پوکاک وغیرہ کے ناموں کی تکرار ہے جبکہ رحمۃ للعالمین کے صفحے پر کتاب پیدائش، کتاب استثناء، کتاب یسعیاہ، کتاب خروج، کتاب تواریخ، کتاب سلاطین، انجیل لوقا، انجیل متی، انجیل یوحنا، مکاشفات یوحنا، ملاکی کتاب، یرمیاہ نبی کی

Marfat.com

کتاب اور یوناہ نبی کی کتاب کے نام دکھائی دیتے ہیں۔ (۴)

اگر منصور پوری کی کتاب کا شبلی کی سیرت النبی ﷺ سے تقابل کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ رحمۃ للعالمین کا تعلق دل سے ہے اور سیرت النبی ﷺ کا دماغ سے۔ (۵)

شبلی کی سیرت النبی ﷺ کا اسلوب نہایت دلکش ہے اس میں جن اصولوں کو روا رکھا گیا ہے ان سے اختلافات کی گنجائش نہیں۔ مولانا شبلی نے یورپین سیرت نگاروں کے افکار باطلہ کی نہ صرف تردید کی بلکہ ان کے تمام الزامات کی قلعی کھول دی۔ انہوں نے بے بنیاد اور مشکوک بیانات کو بھی ہدف تنقید بنایا۔ مکمل کتاب سید سلیمان ندوی کی مدد سے تکمیل پذیر ہوئی وہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری الفاظ کے بارے کہتے ہیں۔

سیرت، سیرت، سیرت یعنی سب کام چھوڑ کر سیرت مکمل کرنا۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت النبی ﷺ کے اسلوب اور خیالات کا حق ادا کر دیا۔ بقول اختر وقار عظیم۔

آج تک ''سیرۃ النبی ﷺ'' سے زیادہ محققانہ عمدہ اور جامع کتاب سیرت رسول کریم ﷺ پر نہیں لکھی گئی۔ (۶)

سیرت النبی ﷺ پر بے شمار کام سامنے آئے مثلاً مناظر احسن گیلانی کی النبی الخاتم، مولانا ادریس کاندھلوی کی سیرت المصطفیٰ، نعیم صدیقی کی محسن انسانیت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی سیرت سرور دو عالم ﷺ، ڈاکٹر خالد علوی کی انسان کامل اور پیر کرم شاہ الازہری کی ضیاء النبی، اکرم رانا کی محمد رسول اللہ ﷺ سب کچھ اپنی جگہ لیکن سیرت نگاروں میں جو اہم نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ہے وہ کسی کا نہیں اگر انہیں دور جدید کا ''امام سیرت'' کہہ دیں تو مضائقہ نہ ہوگا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کو جب سیرت کے کام سے دلچسپی ہوئی تو پھر ساری زندگی اسی میں وقف کر دی۔ سیرت سے ان کی وابستگی کا یہ حال تھا کہ ان کی تحقیقی خدمات پر حکومت پاکستان نے دس لاکھ کی رقم بطور ایوارڈ دی۔ جو انہوں نے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے کتب خانہ کو بطور عطیہ پیش کر دی۔

سیرت النبی ﷺ پر آپ کا تحقیقی کام اپنے انداز کا ایک منفرد کام ہے۔ آپ نے گزشتہ

Marfat.com

۶۰ سالوں میں سیرت سے متعلق تقریباً ہر موضوع پر لب کشائی کی۔ آپ اسلامی علوم کے ماہر، ایک اعلیٰ رائے کے محقق اور صاف گو مصنف تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی مختلف زبانوں مثلاً اردو، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، اطالوی اور یونانی زبانوں میں مہارت اور ان میں موجود تحریری سرمائے سے استفادہ آپ کے تحقیقی کام کو ممتاز بنادیتا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ ایک عالم باعمل سیرت نگار تھے۔ آپ نے رسول اکرم ﷺ کے بارے جو پڑھا، تحقیق کی اور جو لکھا اس پر عمل بھی کیا۔ آپ کی سیرت پر لکھی ہوئی کتب علمی دیانت، تحقیقی متانت اور تدریسی وضاحت کا شاہکار ہیں۔ یہ کتابیں ایک صاحب فن کی محققانہ جستجو کا مجموعہ ہیں۔ آپ نے بے لاگ تبصرے اور تجزیے کئے ہیں۔ واقعات وحقائق کو الجھانے کی بجائے سلجھایا ہے۔ آنے والے سیرت نگاروں کے لئے نئی راہوں پر قندیلیں جلائی ہیں۔ غور وفکر کے دریچے کھولے ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں میں جذباتیت کو نزدیک نہیں آنے دیا۔ اختلافی مسائل کو زیادہ زیر بحث نہیں لائے۔ کسی مسئلے پر اصرار نہیں کیا۔ بیان کو شگفتہ اور لوگوں کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھا، خود سوال اٹھائے اور جواب دیئے۔

حقیقت پسند سیرت نگار

ڈاکٹر حمید اللہ ایک حقیقت پسند سیرت نگار تھے۔ وہ کسی بات کو مصلحتاً پوشیدہ رکھنے کے قائل نہ تھے۔ اس بات کا تذکرہ انہوں نے ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ '' حبیب خدا، روحنا فداہ، کی ذات دوستوں کی تعریف و توصیف سے بھی اسی طرح بالا ہے جس طرح دشمنوں کی طنز و تشنیع سے۔ خدا سلف صالحین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے بڑی دیانت داری سے سیرت خیر البشر ﷺ کے ہر پہلو کو بے کم وکاست بعد والوں کے لئے محفوظ کیا اور لومتہ لائم کی پرواہ کئے بغیر ان چیزوں کو بیان کردیا جو پہلی نظر مین بعض دوستوں کو پسند نہیں آئیں (۷)

ڈاکٹر حمید اللہ ?hy a new Religion کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ تمام مذاہب کی تعلیمات نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کے وقت موجود تھیں لیکن پھر بھی انہوں نے آپ کے ذہن کو

Marfat.com

مطمئن نہ کیا؟

Why none of these satisfied the honest mind of Muhammad?

اس سوال کے جواب کے لئے انہوں نے تفصیلی جواب تیار کیا اور ثابت کیا کہ ہر مذہب نے ایک نئے نبی کی نہ صرف خوش خبری دی بلکہ وہ اس انتظار میں Some one yet to come یہ انتظار محمد عربی ﷺ کی آمد سے پورا ہو گیا۔ اب مسلم اور غیر مسلم، رسول اکرم ﷺ کی زندگی کو پڑھ کر اپنی زندگی سنوارنے کی بات کریں۔

گم شدہ کتب کی بازیافت

ڈاکٹر حمید اللہ تحقیق و تفتیش کے دلدادہ تھے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ سے از حد عشق تھا۔ یا یوں کہیے کہ عشق رسول سے سرشار تھے آپ ﷺ کے تحریر کردہ خطوط کی تلاش و بازیابی کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ آپ نے ان خطوط کو شائع کیا۔ فرانسیسی کتاب Six originaux des letters diplomatques du Prophet de'l Islam Paris 1986 میں ان کا ریکارڈ محفوظ ہے نیز ان کے عکس محمد رسول اللہ ﷺ (Muhammad Rasul Allah) میں شامل کیے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا ایک اور کارنامہ محمد بن اسحٰق کی صحیح ترین اور مستند ترین کتاب کی اشاعت ہے محمد الفاسی نقوش کے رسول نمبر میں رقمطراز ہیں ''علامہ محقق استاد محمد حمید اللہ نے اس کتاب کو منصۂ شہود پر لانے اور اس کی طباعت میں جو کوشش کی ہے، میں اس کی تعریف و تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے اس کی تصحیح و مراجعت میں بزرگوں کے سے صبر کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ اس ضمن میں مغرب کے علاوہ دیگر علاقوں سے خط و کتابت مطلوب تھی اور اس کے لئے طویل عرصہ درکار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہوں نے اس جلیل القدر کتاب کو پردہ خفاء سے نکال کر اس تحقیقی اور قیمتی اشاعت کا کام مکمل کر دیا ہے۔ (۸)

محمد طفیل لکھتے ہیں ''جب میں نے ڈاکٹر حمید اللہ کو یہ لکھا کہ رسول نمبر کے لئے کوئی خاص

Marfat.com

چیز بھیجئے تو انہوں نے بتایا کہ سیرت ابن اسحاق دریافت ہوئی ہے مسودہ بھی تیار کر کے پبلشر کے حوالے کر دیا ہے مگر وہ ابھی تک نہیں چھپی پبلشر کو خط لکھئے کہ جلد چھاپ دے۔ چھپ جائے تو آپ اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔ہم پہلے یہ جملہ پڑھتے تھے کہ ابن اسحاق نے یہ کہا۔ اب یوں پڑھیں گے کہ ابن اسحاق نے یہ لکھا۔ (۹)

ڈاکٹر صاحب کا اس سے بھی بڑھ کر جو کارنامہ ہے وہ ہے نادر و نایاب ذخیرہ حدیث صحیفہ ہمام بن منبہ کی تحقیق و اشاعت یہ حدیث کا قدیم ترین مجموعہ ہے۔ اسے حیدر آباد دکن سے دو تین مرتبہ شائع کیا گیا انگریزی، فرانسیسی اور ترکی زبان میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ پاکستان سے بھی 1956ء میں اسے شائع کیا گیا۔ دمشق کی عربی اکادمی نے اپنے سہ ماہی مجلہ المجمع العربی کے چار نمبروں میں بالاقساط جاری کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی محمد حبیب اللہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ہمام بن منبہ کی احادیث کا بخاری و مسلم سے تخریج احادیث کا کام بھی سرانجام دیا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر حمید اللہ نے انقرہ یونیورسٹی کے کتب خانے سے ہمام بن منبہ کے شاگرد معمر بن راشد کا صحیفہ بھی ڈھونڈا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا سیرت کے حوالے سے اور کارنامہ مشہور مورخ البلاذری کی سیرۃ النبی پر کتاب ''انساب الاشراف'' کی ناپید جلدوں کو مدون کرنا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے جغرافیہ، سیرت اور عسکریات سیرت کا نہ صرف قدیم ترین ماخذ سے مطالعہ کیا بلکہ خود کئی ماہ مدینہ منورہ رہ کر غزوات نبوی کے مقامات کا مشاہدہ کیا۔ مقامات کو خود ناپ ناپ کر ان کے فاصلے متعین اور نقشے تیار کیے۔

سیرت النبی ﷺ کا ''On the spot'' مطالعہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی طرح غزوات کے میدانوں کا خود معائنہ اور مشاہدہ کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا سوالیہ انداز

ڈاکٹر حمید اللہ جب غزوہ اُحد کے بارے لکھنے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں تو انہیں یہ خیال

Marfat.com

جاگزیں ہوتا ہے کہ یہ مدینہ کے سامنے کے بجائے شہر کے پیچھے کیوں ہوئی؟ بس پھر کیا تھا، اس تشنگی کو بجھانے کے لئے لکھنا ملتوی کر دیا۔ مکہ اور مدینہ کے تمام کتب خانے چھان مارے۔ لوگوں سے گفتگو کی۔ مقامی بدوؤں سے ملاقاتیں کیں لیکن پتہ نہ چل سکا۔ بالآخر ایک کتاب ہاتھ لگی جس میں یہ درج تھا۔ ''جب کفار مکہ جنگ کے لئے نکلے تو ان کے پاس تیز رفتار سواریاں تھیں انہوں نے طے کیا کہ سیدھے مدینہ کا رخ کرنے کی بجائے دور دور سے ہوتے ہوئے مدینہ کے پیچھے سے عقب میں حملہ کیا جائے۔'' ڈاکٹر صاحب کو جب تسلی ہوئی تو اپنی نامور کتاب ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' مکمل کی۔ (۱۰)

خندق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ خندق اتنی چوڑی تھی کہ تیزی سے دوڑنے والا گھوڑا بھی اسے عبور نہ کر سکتا تھا اور گہرائی اس قدر تھی کہ اندر کوئی آدمی ہوتو اپنے آپ باہر نہ آسکے۔

آپ کے نزدیک جنگ خندق کا خاتمہ ذیقعدہ کے شروع ہونے سے ہوا کیونکہ یہ شہر حرم کا آغاز تھا اور قریش اس ماہ میں ''مذہباً'' جنگ نہیں کر سکتے تھے۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں میری رائے میں محاصرے کی برخاستگی کی بڑی وجہ اور اصل وجہ یہی ہوگی ورنہ محض طوفان ابوسفیان جیسے مستقل مزاج شخص کو اپنی دھن سے پلٹنے میں شاید کامیاب نہ ہوتا''۔ حنین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ علاقہ طائف کے جنوب میں کافی فاصلے پر تھا نہ کہ عرب کے شمال میں جیسا کہ شبلی مرحوم نے سیرت النبی ﷺ میں لکھا ہے۔

۳۔ جنگ بدر کے حوالہ سے ڈاکٹر حمید اللہ کا سوال ہے کہ کیا مسلمان ابوسفیان کے قافلے کے لئے نکلے تھے یا جنگ کے لئے؟ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان ابوسفیان کے قافلہ کو حاصل کرنا چاہتے تھے اس لئے وہ مدینہ سے روانہ ہوئے اور بعد ازاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدر کے مقام پر جا کر ڈیرے ڈال دیئے۔ اور وہیں رکے رہے۔

اُن کے نزدیک یہ لوٹ لینا ڈاکہ کے مترادف نہیں کیونکہ ''ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے گا جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں اور دو سلطنتوں میں کشیدگی پر جان و مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے''۔ (۱۱)

Marfat.com

اچھوتا انداز

ڈاکٹر صاحب کا انداز تحقیق نہایت ہی عمدہ اور اچھوتا ہے۔ آپ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ پیدائش 17 جون 569ء تحریر کی ہے حالانکہ دیگر سیرت نگار اسے 571 بیان کرتے ہیں۔ ''محمد رسول اللہ'' میں لکھتے ہیں۔

It was on Monday 17th June 569 of christian era, that a boy was born in an obscure part of (۱۲) the world at Mecca, in the desert continet of Arabia.

سیرت النبی ﷺ پر مستشرقین کے سوالات کے جوابات

ڈاکٹر صاحب کی تحریروں میں عام مبلغوں جیسی جذباتیت کی بجائے معقولیت اور فکری اپیل ہوتی ہے وہ قدیم وجدید دونوں ماخذ کے مطالعے کے بعد اپنے نتائج پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں دلکش اور جاذب اسلوب کا نمونہ ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کو سمجھنے کیلئے بھی ایک ذوق اور مطالعہ کی وسعت ضروری ہے۔ آپ نے ''مکتوب نبوی بنام نجاشی'' کی نئی دستیابی کے عنوان سے مستشرقین یورپ مسٹر ڈنلاپ کے جوابات تحریر کئے۔ ڈنلاپ (Donlop) کا یہ کہنا تھا کہ آپ نے خطوط بھیجے ہی نہیں آپ اپنے آپ کو عالمگیر نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف عرب کی اصلاح چاہتے تھے۔ بعد میں جب عیسائی مسلمان ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام دنیا میں اپنے حواری تبلیغ کے لئے بھیجے تھے تو مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کی عزت بڑھانے کے لئے یہ قصہ گھڑ لیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک بے تکا اعتراض ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات بتاتی ہیں کہ رسول عربی ﷺ عالمگیر نبی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے اس عالم اسباب میں آپ ﷺ نے اپنی تبلیغی زندگی صرف حجاز میں گزاری۔ اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق خود انجیل میں کئی جگہ مذکور ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں حتیٰ کہ اپنے مبلغوں کو بھی ہدایت کی تھی کہ غیر یہودیوں میں تبلیغ نہ کریں اور فرمایا کہ میں صرف بنی

Marfat.com

اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

مستشرقین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مقوقس اور منذر بن ساوی کو جو مکتوبات تحریر کیے گئے وہ جعلی تھے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہ اعتراضات ناواقف اور جاہل لوگوں کے ہیں۔

برٹش میوزیم کے ماہرین کی طرف سے یہ دعویٰ کہ موجودہ خط جعلی ہے ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ کسی چیز کے بارے میں ماہرین میں جتنا مضحکہ خیز اختلاف سامنے آتا ہے ان حالات میں یہ رائے قابل قبول نہیں۔ ایک اور اعتراض جو ان خطوط کے حوالے سے داغا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا خط قرآن کے نسخوں کے خط سے کافی مختلف ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ان خطوط کے صحیح ہونے کے حق میں جو دلائل دیئے ہیں ان میں مہر کے بارے میں لکھتے ہیں۔ دونوں مہر شدہ خطوط کی مہر ایک جیسی ہے نیز جو خطوط روانہ ہوئے ان پر نقطے اور اعراب بالکل نہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خط اصلی ہیں کیونکہ نقطے اور اعراب لگانے کا رواج بعد میں آیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ توجیہ بڑی منطقی ہے اور اسکے رد کی دلیل لانا بہت مشکل ہے۔ اس کے علاوہ وہ لکھتے ہیں کہ تحریر کا سٹائل بھی بہت پرانا ہے اور جس طرح لکھا گیا ہے یہ اسی دور کی تحریر نظر آتی ہے۔

ادبی اسلوب نگارش

ڈاکٹر صاحب کی تحریر ادبی تحریر کا مقابلہ کرتی ہے ملاحظہ ہو ایک اقتباس:

"27 رمضان 13 ھ کو شہر مکہ کے مضافات میں جبل نور کے غار حرا سے ایک بجلی کوندی اور سینکڑوں سال سے حق کی تلاش میں انسان جس سرگردانی میں مبتلا تھا اس سے اسے نجات مل گئی۔ اپنے اور اپنے بنانے والے کے صحیح تعلقات اور اپنی زندگی کا مقصد معلوم کرنے کے سلسلے میں وہ من مانی باتوں اور من گھڑت اوہام سے جس تاریکی در تاریکی میں گھسا چلا جا رہا تھا اور مختلف ادوار میں کسی روزن سے ہلکی سی روشنی آنے کے بعد وہ پھر جلد ہی جس بھول بھلیاں میں پھنس جاتا تھا اسے اس سے باہر آنے کا راستہ مل گیا اور اس نے یہ عجیب چیز محسوس کی کہ وہ اب تک غار کے دروازے میں اندر کی طرف منہ کئے کھڑا ہے اس نے منہ دوسری طرف کیا اور

Marfat.com

توحید کے روشن میدان میں نکل آیا''۔ (۱۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔''میں ایک صحرا میں ہوں جہاں پانی نہ ملنے کی وجہ سے وضو کی جگہ تیمّم کرنا پڑا ہے''۔ (۱۴)

تحریر کی دلکشی کا انداز اس پیراگراف سے ملاحظہ فرمائیں: ''ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا ناز تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے''۔ (۱۵)

سیرت کے مطالعہ کی اہمیّت

ڈاکٹر حمید اللہ نے ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں ایک سوال اٹھایا ہے کہ رسول اسلام ﷺ کی سیرت کا مطالعہ اب بھی کیوں ضروری ہے۔ جب کہ آپ ﷺ کی وفات پر چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اُن کے نزدیک علوم وفنون میں بے انتہا ترقی ہو چکی ہے۔ متمدن قوموں کے ماحول اور تصور حیات میں زمین و آسمان کا فرق آ چکا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے اس بات کا جواب اس انداز سے دیا ہے کہ سیرت کے مطالعہ کی اہمیت ایک بار پھر بڑھ گئی ہے: ''یوں تو کسی مسلمان کی زندگی اسی وقت اسلامی کہلاتی ہے جب وہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق ہو لیکن قرآن نے خود متعدد جگہوں پر سنت نبوی کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اسے واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ اس سے سنت نبوی ﷺ کی حیثیت بھی جزو قرآن نہیں تو کم از کم ضمیمہ قرآن اور تتمہ قرآن کی ہو جاتی ہے''۔۔۔''پیشوائے اعظم، سردار دو عالم کا قول، آپ کا فعل اور جن چیزوں کو آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ میں برقرار رکھا ان سب پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ خود احکام قرآنی پر ہے۔

غیر مسلم کے لئے مطالعہ سیرت کیوں ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں: ''جب ہم سے کوئی شخص یہ بیان کرے کہ میں تمہارے فائدے کی بات کرنا چاہتا ہوں تو کون عقل سلیم رکھنے والا ایسا ہے جو اس بات کو سننے سے انکار کر دے نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ جب یہ فرمایا تھا کہ میں تمام عالموں کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں اور میرے لائے ہوئے

Marfat.com

دین کے بغیر دنیا اور آخرت کی بھلائی حقیقت میں نصیب نہیں ہو سکتی تو اوچھی طبیعت رکھنے والوں نے ٹھٹھول شروع کیا اور مخالفت پر اتر آئے اور سنجیدہ لوگوں نے اس کے برخلاف دین اسلام کے بارے سوال کیے پھر جواب اور توضیح پر ٹھنڈے دل سے غور کیا اور جس کی رائے میں بات معقول تھی اس نے اس دین کو قبول کر لیا''۔ (۱۶)

ڈاکٹر حمید اللہ تقابلی انداز میں گفتگو کرتے ہوئے سیرت کی اہمیت یوں ابھارتے ہیں: ''سکندر اعظم، نپولین، ہٹلر کی زندگی صرف ایک سپہ سالار اور فاتح کے لئے مفید مواد مطالعے کے لئے پیش کر سکتی ہے، گوتم بدھ کی زندگی ریاضت و عبادت میں دلچسپی رکھنے والوں کے ہومر صرف ایک شاعر تھا۔ افلاطون وارسطو حکیم و فلسفی تھے۔ اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ کی زندگی کو اگر دیکھا جائے تو اس کی ہمہ جہتی حیثیت، قول و فعل کی یکسانیت، معقول علمیت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی ہی میں کامیابی کے لحاظ سے ایک بے نظیر چیز ہے''۔ (۱۷)

عورتوں کے لئے سیرۃ النبی ﷺ میں دلچسپی

ڈاکٹر حمید اللہ نے سیرۃ النبی ﷺ کے حوالے سے آپ کی زندگی میں ان عورتوں کا تذکرہ بعنوان ''تبلیغ دین میں عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا'' کیا ہے۔ اس سے ایک تو عورتوں کا تذکرہ مقصود ہے، دوسرا موجودہ دور کی عورت محسوس کر سکتی ہے کہ مقابلتاً وہ کہاں کھڑی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے مشکل ترین حالات میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت یتیموں، مسکینوں، بیواؤں کی خدمت گزاری میں صرف ہوئی لونڈی اور غلاموں کیلئے بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اسوہ قابل ذکر رہا۔ اُم شریک نے قریش کی عورتوں میں تبلیغ کی اور ان کی کوششوں سے بہت سی عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا پر بے شمار مظالم توڑے گئے مگر انہوں نے کلمہ حق کو سینے سے لگائے رکھا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہا کو متاثر کر کے مسلمان ہونے کی طرف مائل کر دیا۔ ان کے علاوہ سعدیٰ بنت کریز، اُم سلیم، اُم ورقہ قابل ذکر ہیں۔

Marfat.com

اُم ورقہ حافظہ قرآن ہیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں ان کے گھر کی خواتین کا امام مقرر کیا۔شفا بنت عبداللہ العدویہ کو آنحضرت ﷺ نے اپنی بیوی اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر مامور کیا تھا۔'' ڈاکٹر صاحب نے ان تمام عورتوں کو خراج عقیدت پیش کیا اور لکھا کہ ''انہوں نے رسول اکرم ﷺ کا ہاتھ خوب بٹایا اور اسلام کی راہ میں انہوں نے طرح طرح کی تکلیفیں بھی برداشت کیں۔ (۱۸)

مسئلہ تعدد ازواج

تعدد ازواج پر ڈاکٹر صاحب کی اپنی ایک رائے ہے اس سے اتفاق یا اختلاف کیا جا سکتا ہے بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب بیویوں کی تعداد کے بارے میں قرآن کا حکم آیا تو رسول خدا نے ایسے مسلمانوں کو جن کی چار سے زائد بیویاں تھیں حکم دیا کہ وہ زیادہ بیویوں کو طلاق دے دیں تو اس وقت رسول خدا کی نو بیویاں تھیں مگر انہوں نے اس قانون پر خود عمل کیوں نہ کیا؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ رسول خدا ﷺ نے درج ذیل انداز میں اس حکم پر عمل کیا۔ آپ ﷺ نے تمام بیویوں کو ایک جگہ جمع کر کے اس قرآنی حکم کے بارے میں آگاہ کیا اور فرمایا کہ مجھے تم میں سے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے اب یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم میں سے کون طلاق حاصل کرنا پسند کرتی ہے اور کون میری اہلیہ کے طور پر زندگی بسر کرنا چاہتی ہے بھلا کونسی مسلم خاتون نبی کی زوجہ ہونے کے شرف کو کھونا چاہتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بتایا کہ میں تم سب کو اپنی بیوی کی طرح رکھنے پر تیار ہوں مگر ایک شرط یہ کہ میں ازدواجی تعلقات صرف چار سے رکھوں گا۔ اس پر سب نے اتفاق کیا نبی کریم ﷺ ان میں ردو بدل کرتے رہتے تھے کچھ عرصہ بعد پہلی چار کی جگہ دوسری چار لے لیتی تھی' دوسری وجہ ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک یہ تھی کہ آپ کی ان سے شادی ذاتی مفاد کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی اور اسلام کی اشاعت کے لئے تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ دوسری رائے ہی معقول اور حق کے قریب ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ جواب کہ کوئی بھی ان سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتی بڑا دل کو لگتا ہے اگر اس وقت آیت کا شان نزول یہ مان لیا جائے کہ اس کے بعد آپ کے لئے عورتیں حلال نہیں

Marfat.com

اور نہ یہ کہ آپ ان سے اور عورتیں تبدیل کریں اگرچہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے مگر جو آپ کی مملوک ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے"۔ (۱۹)

نبی کریم ﷺ کی شادیوں کو ڈاکٹر حمید اللہ نے متعدد قبائل کی اسلام میں نمائندگی قرار دیا۔ اور پھر ان امہات المومنین کے اثرات سے اسلام کی مرکزیت مضبوط کرنے میں بہت فائدہ پہنچا، ازواج مطہرات اپنے اپنے قبیلہ کی بااثر خواتین تھیں جن کی بدولت اسلام کو تقویت ملی اور بے شمار قبائل آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔

مکے میں بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ اسعد بن عبدالعزی سے تھا، بی بی سودہ رضی اللہ عنہا کا بنی عامر لوی سے، بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بنی تیم سے، بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کا بنی عدی سے، اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا بنی مخزوم سے، بی بی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا بنی اُمیہ سے، بی بی زینب رضی اللہ عنہا بن جحش کا قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ سے، بی بی ماریہ قبطیہ کا مصر سے اور بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق خیبر کے یہودیوں سے تھا۔ (۲۰)

آپ کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فقہ، ادب، شاعری اور طب میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آدھا علم عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو۔

سیرت کا نیا رنگ

ڈاکٹر حمید اللہ نے سیرت کے ہر پہلو کا ایک نئے رنگ سے مطالعہ کیا آپ نے مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں اپنے دن رات صرف کئے۔ مقامات جنگ میں بیٹھ کر ۱۴سو سالہ تاریخ کا جائزہ لیا۔ مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ ان سے سوال و جواب کی محفلیں سجائیں۔ اوراق عالم کا مطالعہ کیا، بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے سیرت نگار کی کاوشوں کو بھی پیش نظر رکھ کر اپنے مطالعہ و مشاہدہ کو قلمبند فرمایا۔

ان میں چند عنوانات یہ ہو سکتے ہیں:

۱۔ تبلیغ رسالت کا طریقہ

۲۔ اندرونی استحکام کے لئے کاوشیں

Marfat.com

۳۔انسانی خون کی عظمت واحترام کا سبق

۴۔فنون حرب میں ترقی

۵۔خبر رسانی و ناکہ بندی کا استحکام

۶۔معاشی دباؤ کے وقت صورتحال

۷۔دشمنوں کو گھیرنے اور قریب لانے کا انداز

۸۔تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے سیرت نبوی لکھ کر آنحضور ﷺ کے مقام عالی کے اعلیٰ وارفع ہونے پر بھرپور دلائل پیش کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں: ''جزیرہ نمائے عرب اسلام سے پہلے کبھی ایک اقتدار کے تحت متحد نہ تھا لیکن یہ ایک انوکھا اور عجیب وغریب واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد ﷺ کو متحدہ طور سے اپنا روحانی اور سیاسی سردار تسلیم کرلیا۔ جس ملک میں انتشار کا دور دورہ ہو وہاں دس ہی سال میں ایک مرکزیت اور نظام قائم کردینا رسول کریم ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ (۲۱)

وہ مزید لکھتے ہیں: ''ایک شخص جس کو وطن میں جان کے لالے پڑے ہوں، صرف ایک رفیق کے ساتھ غاروں میں چھپتا، نہ مانوس اور دشوار راستوں پر چلتا، سینکڑوں میل دور جاکر پناہ گزین ہوا۔ وہ دس سال بعد انتقال کرتا ہے تو دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کے علاقے پر حکمران ہوتا ہے۔ (۲۲)

لکھتے ہیں: ''ہر محتاج کو مدد دینا، حق رسانی میں پیش پیش لیکن حق طلبی میں سے پیچھے رہنا سادگی پسند، ملنسار، مخلص، فیاض، محنتی، فرض شناس، پابند وقت، غرض قدرت نے مکارم اخلاق کا ایک وافر حصہ آپ کو دیا تھا۔'' فرداً فرداً ایسے اوصاف اوروں میں بھی ہوسکتے ہیں اور رہے ہوں گے لیکن ان سب کا اجتماع کسی اور میں نہ تھا اور ضرورت اسی اجتماع کی تھی جس کے بعد عالمگیر ودائمی نبوت کی خدمت پر مامور کیا جاسکتا تھا''۔ (۲۳)

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

Marfat.com

مکتوبات نبوی

ڈاکٹر صاحب نے مکتوبات نبوی کے عنوان سے جو عنوان قلمبند کیا ہے وہ خاص محنت کی نشاندہی کرتا ہے ان خطوط کا اصل متن پہلی بار سامنے آیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں یا قبائل کے سرداروں کے نام جو خطوط روانہ فرمائے تھے ان کی تعداد سوا دو سو تک جا پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے خطوط کے متن کو سامنے لانے کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ خط کب اور کن حالات میں لکھے گئے اور یہ بھی کہ یہ خطوط کب اور کہاں سے دستیاب ہوئے اور اپنی تحقیق اور دلائل سے ان خطوط کا اصل ہونا ثابت کیا ہے۔ علم سیرت النبی ﷺ کا اہم واقعہ بنام کسریٰ کیلئے اصل مکتوب نبوی کی دریافت ہے۔ خطوط کے فوٹو شائع کئے گئے جس سے کتاب کی زینت کو چار چاند لگ گئے۔

ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا آپ نے اخبار مکہ کے حوالے سے جو گفتگو کی ہے وہ یقیناً آپ کی علمیت کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے مکہ کی زندگی کا خوب خوب نقشہ کھینچا۔ ڈاکٹر حمید اللہ شام کے علاوہ بحرین کے اسفار کا تذکرہ بھی کر جاتے ہیں جس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ چینی تاجروں اور بحرینی تاجروں کے متعلق معلومات یہ بتاتی ہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے Sources بہت وسیع تھے۔ (۲۴)

ڈاکٹر حمید اللہ کی سیرت نگاری کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیقات و تاویلات پر بضد نہیں ہوتے تھے بلکہ فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے تھے۔

اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں:

My humble studies on certain aspects of the problem, my only ambition is to focus attention of scholars to some new interpretations of old and well known facts, they have vome to (۲۵) my mindyet i do not insistion them

اسی طرح ڈاکٹر حمید اللہ نے کسریٰ پرویز کا اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل پر یہ تبصرہ کیا کہ:

Marfat.com

''مجھے ان اخذ کردہ نتائج پر اصرار نہیں اور اگر اہل علم ان کی اصلاح کر سکیں اور گتھیوں کو سلجھا سکیں تو سیرۃ النبویہ کی ایک الجھن رفع ہو سکے گی۔ (۲۶)

زکوٰۃ کی فرضیت کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اگر مکہ میں زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی جس معنی میں ہم فرض سمجھتے ہیں تو اس کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ میں مجبوراً اس نتیجے پر پہنچا ہوں بلکہ میری ذاتی رائے ہوگی آپ پابند نہیں کہ اسے قبول بھی کریں کہ زکوٰۃ کی ابتداء اور اس کا آغاز اخلاقی اور رضا کارانہ اساس پر ہوا۔ (۲۷)

المختصر ابتدائی طور پر ڈاکٹر حمید اللہ قانون بین الممالک کے طالب علم تھے لیکن بعد میں علم حدیث کی طرف رغبت پیدا ہوئی کیونکہ آپ نے محسوس کیا کہ قرآن مجید کے بعد مسلمانوں کے دوسرے بڑے ماخذ پر مستشرقین نے جو تیر چلائے ہیں ان کا جواب ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے ثابت کیا کہ حدیث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ امام بخاری نے بیشتر احادیث امام عبدالرزاق کے ذخائر سے نقل کیں اور انہوں نے معمر بن راشد سے اور انہوں نے ہمام بن منبہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر بن العاص سے استفادہ کیا اور یہ موخر الذکر صحابی کا ذخیرہ حضور ﷺ کے دور میں مکمل ہو چکا تھا۔ علم حدیث کی محبت، سیرت النبی ﷺ کی طرف کھینچ لانے کا سبب بنی کیونکہ سیرت پر بہت کچھ کہنا باقی تھا۔

آپ نے اپنی زندگی کے باقی ایام مطالعہ سیرت میں گزار دیئے، ڈاکٹر صاحب نے حضور ﷺ کے خطوط اور سیرت ابن اسحٰق کے ذریعے سیرت کے باب میں ایک نئی تاریخ رقم کی۔

ڈاکٹر صاحب نے سیرت نگاری کے لئے قدیم جاہلی ادب، علم الانساب، علم التاریخ، تذکرہ نگاری، سوانح عمریاں، سفرناموں اور کتاب الاغانی کا خوب مطالعہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے سیرت کے مطالعہ کے حوالے سے کئی اشکالات کے جوابات تحریر کئے۔ جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ ان سوالات میں عمرو بن امیہ الضمری کا انتخاب بطور سفیر، کعب بن اشرف کا قتل، بنو نظیر کے یہودیوں کو مدینہ سے نکالنے کے سوالات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ (۲۸)

Marfat.com

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ان سوالات پر فوری رائے قائم نہیں کر لیتے تھے بلکہ مسلسل غور وفکر کرتے رہتے تھے۔ یہ غور وفکر تحقیق کی اصل بنیاد ہے۔ اس سے کسی تحقیق کے کام کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کی کتاب The first Written constitution کئی سالوں کی کاوش کا نتیجہ تھی۔ (۲۹)

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اپنے کام سے محبت کا ذکر یوں کیا ہے: '' برصغیر کے ایک بڑے عالم مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مشہور کتاب اظہار الحق ہے جس میں بائبل اور میسحیت پر تنقید ہے اس کا اردو ترجمہ کوئی پینتیس سال پہلے کراچی میں شائع ہوا تھا اور بڑا مقبول ہوا۔ اس کا اشتہار ایک دینی رسالے میں چھپتا تھا اور اس میں لکھا ہوتا تھا کہ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو لندن ٹائمز نے لکھا تھا کہ اگر یہ کتاب دنیائے مغرب میں پڑھی جاتی رہی تو میسحیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس ناشر کو خط لکھا اور پوچھا کہ آپ کے اشتہار میں لندن ٹائمز کا حوالہ دیکھا، پچھلے دنوں میں لندن ٹائمز کی فائل ۱۸۰۰ سے لے کر ۱۹۰۰ تک پوری دیکھ لی ہے اس میں مجھے یہ جملہ نہیں ملا آپ کا ذریعہ (Source) کیا ہے۔ (۳۰)

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کے سیرت نگار، فکرونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۸۰

۲۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۹۔۹۲، ص ۱۰۷۔

۳۔ حاجی الطاف حسین، حیات جاوید، پبلشنگ ماڈل، لاہور، ۱۹۹۱، ص ۴۲۶۔

۴۔ انور محمود خالد، ص ۵۲۵۔

۵۔ منصور پوری، مرنبوت، ص ۴۔

۶۔ اختر وقار عظیم، شبلی بحیثیت مورخ، تصنیفات، لاہور ۱۹۶۸، ص ۱۳۹۔

۷۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارلاشاعت کراچی، ۱۹۸۰، ۶

۸۔ طفیل محمد، نقوش، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ج ۱۱، تقدیم

۹۔ ایضاً

۱۰۔ The Battlefields of the Prophet, Hyderabad, Daccan, 1983

۱۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کے میدان جنگ، الہدیٰ پبلی کیشنز، اگست ۱۹۹۸۔

۱۲۔ Muhammad Rasulullah, Idara Islamiat, 190, Anarkali, Lahore- 2 1-19

۱۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۴۰

Marfat.com

۱۴۔ ایضاً ص ۲۷۶

۱۵۔ ایضاً ص ۲۸۹

۱۶۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۲

۱۷۔ ایضاً ۱۲

۱۸۔ ایضاً ص ۹۵۔۹۷

۱۹۔ 209-208-Muhammad Rasulullah.

۲۰۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۸۴۔۸۵

۲۱۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ۱۰۶

۲۲۔ ایضاً ص ۲۳۴

۲۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۴۶

۲۴۔ خطبات بہاولپور، ص ۴۲

۲۵۔ Muhammad Hamidullah,Dr, The Prophet establising a state and his Succession, Islamabad, 1988.

۲۶۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۲۴

۲۷۔ خطبات بہاولپور۔ ص ۳۲۰

۲۸۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر حمید اللہ، ماہنامہ دعوۃ، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد، مارچ ۲۰۰۳، ص ۲۷

۲۹۔ Muhammad Hamidullah,Dr, The first written constitution in the world, Lahore, 1975.

۳۰۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق اور اس کا ترجمہ، ابلاغ، کراچی، ص ۲۷

Marfat.com

Marfat.com

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے فکری رجحانات

برصغیر پاک و ہند کی عظیم شخصیات جن کے انقلابی افکار نہ صرف یہ کہ اس خطہ پر مرتب ہوئے، بلکہ سارے عالم میں ان کے اثرات پھیلے، ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی (جن کو علی میاں کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) کی شخصیت نمایاں ہے۔ یوں تو مولانا کی خدمات ہمہ گیر اور عالمگیر نوعیت کی تھیں۔ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کو مولانا نے جو فکر و نظر کا انداز دیا ہے وہ ممتاز و منفرد ہونے کے ساتھ مسلمانان عالم کی ضرورت تھی، آئندہ سطور میں خاص فکری رجحانات کے حوالہ سے مولانا کی شخصیت کا تعارف اور اہل فکر و دانش کے لئے ان سے فکری رہنمائی حاصل کرنا مقصود ہے۔

مولانا کے فکری رجحانات کی آبیاری اگر اُن کی خالہ کے نام موسوم کر دی جائے تو بجا ہوگا کیونکہ بچپن سے ہی مولانا اپنی خالہ سے ''فتوح الشام'' سنا کرتے تھے۔ اس کتاب کے سننے سے ان کے روح و دماغ میں یہ بات اُتر گئی تھی کہ عیسائیوں نے اپنے آپ کو اسلام کا عالمگیر حریف و مدمقابل بنانا طے کرلیا ہے (آجکل یہ قائم مقامی یورپ اور امریکہ کے حصے میں آئی ہے)۔ (۱)

اس حوالے سے دوسری شخصیت جن کی طرف مولانا نے خودنشان دہی کی وہ عبدالرحمٰن الکواکبی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''امت اسلامیہ کے امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز میں جس شخص کے خیالات و افکار میں نسبتاً زیادہ بلند نظری اور باریک بینی معلوم ہوئی اور جس کی فراست نے متاثر کیا، وہ سید عبدالرحمٰن الکواکبی کی تخیلی کتاب ''القریٰ'' ہے جواب پرانی ہو چکی ہے اور اُس کے لائق مصنف کو لوگ بھولتے جا رہے ہیں''۔ (۲)

Marfat.com

اس کے علاوہ مولانا کی فکری، ادبی اور علمی سرگرمیوں میں اُن کے بڑے بھائی سید عبدالعلی کا بڑا ہاتھ تھا۔جس کا تذکرہ مولانا کی تحریروں میں بار بار ملتا ہے۔

آپ کا خاندان حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسبی تعلق رکھتا ہے۔آپ کے دادا سید فخر الدین خیالی ''مہر جہاں تاب'' کے مصنف تھے۔انہوں نے شاہ علم اللہ پر ''سیرۃ علمیہ'' اور مسدس حالی کے جواب میں ''مسدس خیالی'' لکھی۔آپ کے والد صاحب برصغیر کی اعلیٰ علمی شخصیت تھے۔جن کی نزھۃ الخواطر (آٹھ جلدیں) کو وہ مقام ملا جس کی مثال علمی دنیا میں کم ملتی ہے۔اور ''گل رعنا'' نے جو مقبولیت حاصل کی اور پھر آپ کی والدہ سیدہ خیر النساء نے خواتین کے لئے جو ''حسن معاشرت'' ترتیب دی ان سب نے مولانا کی فکری صلاحیتوں کو نکھارا۔جس شخصیت کے اطراف میں ادبی اور علمی شہ پارے موسم بہار کی طرح تروتازگی کے یوں جھونکے لیے ہوں وہاں چار چاند لگنا امر ہو جاتا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی وسیع العلم اور کثیر التصانیف تھے، ملت اسلامیہ کے لئے سوز دروں ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔تواضع وانکسار، سادگی و بلند حوصلگی، زہد و استغناء عزیمت وہمت، قوت ایمانی اور دعوت اسلامی کے لئے برقراری میں مولانا کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

یوں تو مولانا کی پوری زندگی مسلمانوں میں ایمانی، علمی اور فکری بیداری پیدا کرنے میں وقف تھی جس کا روشن ثبوت مولانا کی تحریرات و تصنیفات ہیں، آپ کی چند اہم فکری تصنیفات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم فکری تصنیفات

1۔ تاریخ دعوت و عزیمت

2۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

3۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

4۔ منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین

5۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

Marfat.com

6۔ حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
7۔ معرکہ ایمان و مادیت
8۔ نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں
9۔ عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح
10۔ مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
11۔ پرانے چراغ
12۔ نقوش اقبال ترجمہ (روائع اقبال)
13۔ کاروان مدینہ
14۔ قادیانیت ترجمہ (القادیانی والقادیانیۃ)
15۔ تعمیر انسانیت
16۔ شرق اوسط کی ڈائری
17۔ رجال الفکر فی الاسلام والدعوۃ
18۔ حدیث پاکستان
19۔ پاجا سراغ زندگی (۳)

ان کتابوں میں مولانا کے اہم فکری موضوعات کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ ایمان باللہ:

مولانا کی فکر بہت بلند تھی وہ ملت اسلامیہ کو یکجا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا دل مسلمانوں کے زوال پر کڑھتا تھا۔ وہ مسلمانوں کو درس وتدریس کی شکل میں اپنے دل کی آواز پہنچاتے ہوئے کہتے ہیں:

ہر واقعہ وحادثہ کو تقدیر کی گردش، قسمت کی خرابی اور اتفاق زمانہ کہہ کر نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے بلکہ اسباب پر غور کرنا چاہیے کیوں کہ یہ واقعات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن لکھتے ہیں ''پانچویں صدی ہجری میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا تسلط اور

Marfat.com

اُس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاریوں کی یورش اور بغداد کی پامالی محض بے سرپیر کے واقعات نہیں تھے جن کو صرف تقدیر کی گردش، قسمت کی خرابی اور اتفاق زمانہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑالیا جائے۔ یہ دونوں واقعات دراصل اس طویل سلسلہ اسباب کا نتیجہ تھے جس میں اخلاقی امراض، حد سے بڑھی ہوئی بے اعتدالی و کج روی، مجرمانہ افعال و حرکات، مسلسل مغالطے اور خود فریبیاں سب سے بڑھ کر زندگی کی وہ طرز جو خدا اور رسول کو ناپسند ہے اور جو دین صحیح اور عقل سلیم کے اعتبار سے بھی جائز نہیں۔ (۴)

پھر اپنا درِ دل کھول کر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہماری موجودہ حالت یہ ہے کہ ہم اس دین کا اور اپنی اسلامیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ مسلمانوں سا معاملہ کرے، وہ تمام نتائج اور وعدے ہمارے سامنے بھی موجود ہوں جن کا تذکرہ ہم نے اسلامی تاریخ میں پڑھا ہے، کیا ہم یہ بھولنے اور بھلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ نتیجے طبعی اسباب اور صحیح مقدمات کے تحت رونما ہوئے تھے اور ہوتے رہیں گے، پانی اگر واقعی پانی ہے تو سیراب کرے گا، غذا اگر حقیقی غذا ہے تو وہ ضرور قوت پہنچائے گی اور دوا واقعی دوا ہوگی تو شفا کی اُمید اُس سے کی جائے گی۔ آگ کی تصویر سے ہم روشنی اور گرمی حاصل کر سکتے''۔ (۵)

تاہم وہ ایمان و دین کو خارج نہیں کرتے، لیکن ایمان وہ ہو جو اپنی قوت و اثر میں حقائق سے بڑھ جائے۔ اگر ایمان زندۂ جاوید اور تازہ دم ہو تو یہ پہاڑ، یہ سمندر، یہ کائنات اُس کے سامنے جھکیں گے، اور ہزاروں سال کے آزمودہ قوانین فطرت بھی اپنے خواص و اصل سے ہٹ جائیں گے۔ (۶)

''کامیابی کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ ہم واقعی مؤمن بن جائیں اور ایمان کی آتش رفتہ سے پھر اپنی جانوں کو پرسوز کریں جو باطل کے ہر خس و خاشاک کو جلا سکتی ہے۔ جب ایمانی حرارت اور زندگی کے شعلہ کی بازیافت ہم کریں گے تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی''۔ (۷)

مولانا کسی قوم کے عروج و زوال کے اسباب کا تجزیہ ہر قسم کی جانبداری سے بالاتر ہو کر

Marfat.com

حقیقی و واقعاتی اسباب سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ”عربوں کو اسرائیل کے مقابلے میں کیوں شکست ہوئی“ کے تحت لکھتے ہیں۔

جواب بہت آسان اور کھلا ہوا ہے وہ یہی کہ اسلام کے ساتھ اخلاص کا سرمایہ نہ تھا اس شجاعت و بسالت کی کمی تھی جسے صرف ایمان و عقیدہ ہی بخشتے ہیں، اس یقین و اعتماد کا فقدان تھا جو صرف خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ (۸)

وہ لکھتے ہیں ہم اسلام کی ہم نوائی چھوڑ کر اصنام کی خدائی میں پناہ ڈھونڈتے رہے۔ مسلمانوں کی (اسرائیلیوں کے ہاتھوں) شکست کے بعد آج ہماری وہی حالت ہے جو غزوہ تبوک میں نہ جانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی جس کی تصویر کشی قرآن نے کی (ترجمہ) ”زمین اُن پر باوجود تمام وسعتوں کے تنگ ہوگئی اور اُن کا جینا دوبھر ہوگیا انہیں خیال ہوا کہ نجات اور پناہ خدا ہی کے پاس ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی اللہ تواب ورحیم ہے۔“ (۹)

واقعی آج ہم پر بھی زمین اسی طرح تنگ ہے فلسطین جا کر دیکھئے ہماری ذلت کا کیا حال ہے۔ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے اور دنیا کی نگاہوں سے ہم کتنے گر گئے ہیں اب اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ تمام راستے تاریک اور بند ہیں۔ ہم نے اسلام سے بغاوت کر کے کچھ نہیں پایا۔ ”اب ہم اسلام کے دائرہ میں آتے ہیں اور اُس کی قوت آزمانا چاہتے ہیں جو ہماری مدد کو تیار کھڑا ہے“۔

آج ابوالحسن زندہ ہوتے تو شیخ یٰسین کے اس سفاکانہ قتل پر چیخ اُٹھتے اور عالم اسلام و عرب کو جھنجھوڑ دیتے۔ اور اُن کا ماضی یاد دلاتے وہ ماضی جو نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی سے وابستہ تھا جنہوں نے بیت المقدس کو آزاد کرایا اور ان اسباب و حالات کی نشاندہی کرتے جن کی وجہ سے مسلمان بے کس و بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ ابن تیمیہ کی تعلیمات کو ایک بار پھر اجاگر کرتے جنہوں نے آگے بڑھ کر دمشق کو منگولوں کے ہاتھوں تباہی سے بچالیا تھا۔

Marfat.com

۲۔مولانا کی فکری پختگی

مولانا کو مغربی تہذیب کی تاریخ اور لادینیت و مادیت کے ارتقاء کی اس منزل کی توجیہ میں ڈریپر کی پرانی کتاب ''معرکہ مذہب و سائنس'' (مترجم مولانا ظفر علی خان مرحوم) اور لیکی کی ''تاریخ اخلاق یورپ'' (مترجم مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی) نے بڑی مدد دی، انہیں ان سے بڑا مواد ملا جس سے اپنے مضامین و استدلال میں بہت کام لیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مضامین ترجمان القرآن اور اُن کی کتاب تنقیحات نے اور زیادہ وضاحت وتقویت پہنچائی۔ (۱۰)

مولانا نے مغربی تہذیب کے مزاج اور اُس کے حقیقی نقائص، اسلامی تہذیب سے اس کے بنیادی واصولی تضاد اور دونوں کے اتحاد کے عدم امکان کے متعلق سب سے زیادہ واضح اور پر مغز چیز محمد اسد کی کتاب slam at the Cross road کو پایا جس کو لفظ بلفظ دل نشین کیا۔ Road to Macca شائع ہوئی تو اس کا عربی ترجمہ ''الطریق الی مکہ'' محمد اسد نے ازراہ عنایت مولانا کو بھجوایا۔ آپ نے اس کا ترجمہ تلخیص ''طوفان سے ساحل تک'' کے نام سے کیا۔

Decline of the Roman Empire اور Making of Humanity بھی مولانا کے مطالعہ میں رہیں۔

مولانا کو اکبرالہ آبادی کا کلام اس لیے پسند تھا کہ انہوں نے انگریزی تہذیب اور انگریزی دانش کا جواب دیا۔ اکبرالہ آبادی کے کلام نے ''ولایت'' کے طلسم کو توڑا اور اُس کی اصل کمزوریوں کو دکھایا۔ اور وہ کام کیا جو بڑے بڑے مکتبوں میں بڑی بڑی علمی دقیق اور عمیق اور بلند مرتبہ کتابوں نے کیا ہوگا۔ ان کا کلام جب پھیلا تو ہندوستان میں اس سے مغربی تہذیب کا تسلط اور اس کی بالادستی کم ہوئی۔

اس کے علاوہ مغربی تہذیب و نظام سے نفرت بڑے بھائی ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی کی صحبتوں اور محبتوں سے پروان چڑھی۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کی فتح مندی اور مغربی ماحول

Marfat.com

کے اثرات کی شکست و ہزیمت ان کے دل میں رچی بسی تھی۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے ''سچ'' اور ''صدق'' کے پرچوں نے اسے مزید مستحکم بنادیا۔

۳۔ عالمی سطح پر مولانا کی فکر کے اثرات کی ابتداء

آپ کی مشہور زمانہ کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین مصر میں ۱۹۵۰ میں چھپی تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ (۱۱)

اس ضمن میں مولانا کا مصر، سوڈان، شام، اردن، لبنان، ترکی، سعودیہ کا دورہ شاندار رہا۔ اس سفر سے مولانا سارے عرب میں پوری طرح متعارف اور محترم المقام ہو گئے۔

کیوں کہ آپ کثیر الاسفار تھے۔ اس لیے مزید اسفار امریکہ، لندن اور استنبول کے کئے۔

مصر کے سفر میں وہاں کلیہ دارالعلوم اور ایک دوسرے ادارے میں اس موضوع پر مشہور لیکچر دیئے۔

آپ نے عرب کے غیر اسلامی قومیت کے جذبہ کے خلاف لکھا حالانکہ جمال عبدالناصر کا دور تھا۔ اس کے علاوہ سعودی حکمرانوں اور خلیج کی ریاستوں کے حکمرانوں کی عیش و عشرت کی زندگی پر فکر انگیز تنقید کی۔ آپ نے الحاد، سوشلزم اور مغربی سرمایہ داروں کے خلاف آواز اٹھائی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے درد کو محسوس کیا۔ اُن کے سیاسی، اجتماعی، دینی مسائل کے حقوق کا دفاع کیا۔

اس ضمن میں آپ نے بے شمار سوالات اٹھائے، مثلاً کیا مسلمان اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکتے ہیں؟ کیا یورپین نظام زندگی، زندگی کے تقاضے پورا کرتا ہے؟۔ کیا یورپین زندگی میں مادی اور روحانی ترقی کا امتزاج شامل ہے؟۔ ہم کس صورت میں اس معاصر تہذیب کی کمزوریوں سے باخبر ہو سکتے ہیں؟ وہ کون سا رشتہ ہے جو عالم عرب اور عالم اسلام کو منسلک کر سکتا ہے؟ اہل یورپ مسلمانوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟

Marfat.com

مغربی تہذیب نے دنیا کو کیا دیا؟ کیا نقصان پہنچایا؟ آپ نے اخلاقی پہلو، دینی پہلو اور انسانی پہلو کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو زندگی کی حقیقتوں کا احساس دلایا۔ آپ نے صاف کہا کہ جاہلیت کسی خاص عہد کا نام نہیں، جو جاہلیت دورِ نبوی ﷺ سے قبل دنیا پر حاوی تھی اُس سے کہیں بڑھ کر جاہلیت آج دنیا پر حاوی ہے۔ (۱۲)

عالم اسلام کو چاہیے کہ نئے سرے سے ترقی کی راہیں تلاش کر کے ان پر گامزن ہو۔ عالم عرب نئے سرے سے بیدار ہوں۔ نشأۃ اولیٰ کے سبب یعنی اصول جہاد واجتہاد پر عمل کیا جائے۔

ابوالحسن کہتے تھے کہ ترکوں کے تنزل کا سبب جہاد عسکری کی کمزوری تھی۔ اس جمود کی وجہ سے طویل غلامی، ذلیل زندگی اور ظالم مغربی اقتدار کا مزہ چکھنا پڑا۔

ڈاکٹر احمد امین کی کتابوں فجر الاسلام اور ضحی الاسلام کا مطالعہ کیا اور دوسروں سے کہا کہ یہ کتاب مسلمانوں سے احساس کمتری کو دور کرنا چاہتی ہے۔ جو انحطاط سے اور اپنی کمزوری کے احساس سے اور مغربی تہذیب کو وہ درجہ دینے کی وجہ سے جس کی وہ حق دار نہیں ہے۔ پیدا ہو گیا ہے۔

آپ کہا کرتے تھے حیات انسانی کے ارتقاء پر اُن کی جامع وسیع اور گہری نظر انہیں اسلام کے عظیم مفکرین کی صف میں داخل کرتی ہے۔

عالم اسلام کے مسائل پر ہندوستانی طرز فکر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہندوستانی افکار ہوں یا معاصر مفکرین کے افکار ہوں۔ ان سب کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کے افکار کو قریب کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہند، پاکستان، مشرقی جزائر، ایران وافغانستان کے تمام مسلمان عالمی مسائل کے حوالے سے کیا نقطہ رکھتے ہیں جاننا ضروری ہے۔

ہم اکیلے اپنے خیالی جزیروں میں پناہ لے کر یا مسائل کے خاموش تماشائی بن کر علم وادب اور سیاست وقوت کی دنیا میں کوئی دیرپا نقش ہرگز قائم نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے بڑی زندگی اور زندہ دلی، بڑا ایمان ویقین بڑے اخلاق وکردار، بڑے علمی رسوخ اور امتیاز اور بڑی

Marfat.com

کاوش اور ریاض کی ضرورت ہے"۔ (۱۳)

ابوالحسن کا یہ خیال ہے کہ انسان کو اس دنیا میں اپنا مقام خود بنانا ہوتا ہے، نہ کہ زمانہ کسی کے لئے جگہ خالی کرتا ہے۔ طلباء سے خطاب کے دوران انہوں نے کہا:

"یہ غلط ہے کہ زمانے میں کوئی جگہ خالی رہتی ہے کبھی زمانے میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی جگہ پہلے سے خالی ہو اور کسی کے لئے منتظر ہو کہ جب وہ شخص فارغ ہو لے گا تو اُس کی وہ جگہ اسے مل جائے گی۔ زمانہ بقائے اصلح کا قائل ہے، وہ بہت ہی حساس اور نقاد ہے وہ صالح کے بجائے اصلح اور نافع کے بجائے انفع کو ترجیح دیتا ہے۔ زمانے کا شکوہ دراصل اپنی کمزوری چھپانے کی کوشش اور احساس کمتری کی علامت ہے۔ دنیا نہیں بدلی ہے ہم بدل گئے ہیں۔ زمانہ آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا"۔ (۱۴)

۳۔ عصر حاضر کے فتنے اور مولانا کی فکری رہنمائی

آج کتنے بڑے بڑے فتنے ہیں جو اس وقت جہنم کے شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں اور پورے پورے ملکوں کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں۔

آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز اور انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں، مصری آمریت، شام کی اشتمالیت اور اس کا کمیونزم ساری عرب دنیا کو اپنی آغوش میں لے لینے کے لئے بے چین ہے۔ مادیت، الحادی قوم پرستی، نبوت محمد ﷺ سے آنکھیں ملانے کے لیے تیار ہے۔ عصر حاضر نبوت محمدی ﷺ کو چیلنج کر رہا ہے۔ آج مسلمان کے لیے الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقع ہے۔ دہریت اور مادیت سے آنکھ ملانے کا موقع ہے۔ آج نبوت محمدی ﷺ پر تلواروں کا حملہ نہیں دلیلوں کا حملہ ہے۔

مولانا کی فکر کہتی ہے کہ محض خطابت یا دو چار تصنیفات سے یا کسی نادر تحقیق سے محض کسی نئے طرز میں کسی پرانے خیال کو یا نئے جام میں کسی شراب کہن کو پیش کرنے سے زمانہ میں کوئی نیا انقلاب یا کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی، اس زمانے میں ضرورت ہے کردار کی، قلب کی دردمندی اور اندرونی سوز کی ایک ایسی حرارت کی جو اندر جلا رہی ہو، اعصاب کو پگھلا رہی ہو۔ اس

Marfat.com

زمانے کا بہت بڑا مسئلہ جس کی طرف علامہ اقبال نے متوجہ کیا وہ یہ ہے کہ زمانے کا مجدد کہلانے کا مستحق وہ ہوگا جو اسلامی شریعت کو برتر ثابت کرے اور زندگی سے اس کا پیوند لگائے اور یہ ثابت کرے کہ اسلامی قوانین وضعی قوانین سے آگے کی چیز ہیں۔ دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کرے۔ لیکن اسلامی قانون اس کی رہنمائی کرنے کی اب بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام تمام سوالات کے جوابات دیتا ہے جو انسانی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں۔ بالغ معاشرے کی تنظیم کی بہترین صلاحیت رکھتا ہے وہ مولانا سید سلیمان ندوی سے اس سوال کے جواب کے حوالے سے بہت توقعات رکھتے تھے۔

مولانا کہتے ہیں:

اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کا مسئلہ آج کل بہت درپیش ہے۔ تمام اسلامی ممالک اس دور سے گزر رہے ہیں۔ اور غلط منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ اس سے اسلاف کی نیندیں یقیناً حرام ہوتی ہوں گی۔ ہمارے اقتدار کے حاملین شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا نظام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے۔ اب دوبارہ اس کو اس کارگاہ میں لانے کی زحمت دینا صحیح نہیں۔ یہ وہ سوال ہے جو اس وقت ایک شعلہ کی طرح، ایک بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح تمام اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے۔ (۱۵)

مولانا کی نظر میں آج کا تجدیدی کام یہ ہے کہ علماء وفضلاء اسلامی ممالک میں یا غیر اسلامی ممالک میں جہاں بھی ہوں اس کا ایسا جواب دینے کی کوشش کریں جو لوگوں کو مطمئن کرے اور مغربی فلسفہ کا اثر کم کر سکے جو اس وقت پورے عالم اسلام پر اپنا سایہ ڈال چکا ہے۔ آج مغربی ملکوں میں اسلام کی قسمت اور مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ تمام اسلامی ملک کم وبیش اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔ (۱۶)

یہ چیلنج قبول کرنا ہے تو علم کا وہ نمونہ اور معیار سامنے لے کر آنا ہے جو زبان کے اعتبار سے، اسلوب کے اعتبار سے، مواد کے اعتبار سے مطالعہ مذاہب اور تقابل ادیان کے اعتبار سے متوجہ کرنے والا ہو جس کا زمانہ اعتراف کرے۔

زمانہ بہت کا طالب ہے وہ چاہتا ہے کہ سخن دل نواز ہو، جان پرسوز ہو، نگاہ بلند ہو، تقریر،

Marfat.com

تحریر کا معیار بلند ہو، مطالعہ وسیع ہو، مطالعہ ایسا راستہ ہے جس پر سبک روی اور احتیاط سے چلنے کی ضرورت ہے کیونکہ وقت کم اور پڑھنے کا سامان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ نئے خیالات و افکار کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہر نئی بات کا علم مفکر کے پاس ہو۔

جاہلیت نئے نئے روپ میں سامنے آتی ہے۔ بڑی خطرناک بات ہے کہ لات و منات، یعنی باطل طاقتیں اور جاہلیت قدیم تو زندگی اور جوش و خروش سے بھرپور ہوں اور مومن، فرسودگی، پستی، افسردگی، کنارہ کشی اور پستی کی ذہنیت لئے پیدا ہو۔

لات و منات تو نئے دم خم کے ساتھ آئے اور مومن پر نیند طاری ہو جائے۔

عہد جدید کا فتنہ کبریٰ

اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت اس کے عائلی قوانین، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان و ادب، رسم الخط الغرض پورے ورثہ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور اسلام چند عبادات و رسومات کا مجموعہ بن کر رہ جائے۔ یہ فتنہ سر ابھار کر کہہ رہا ہے مسلمانو! اپنے مذہب اور تہذیب سے لاتعلقی اختیار کر لو، کیونکہ یہ ایک الگ تھلگ اور مستقل تہذیب کے وارث ہونے کا احساس پیدا کر رہی ہے۔

نئی تہذیب چاہتی ہے کہ مسلمان خود ہی اعلان کر دیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں۔ وہ خود ہی اپنے پرسنل (فیملی لاء) میں اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کر دیں۔

مولانا کے نزدیک اصل خطرہ ذہنی اور تہذیبی ارتداد کا ہے، اس خطرہ کو محسوس کرنے کے لئے کوئی فراست کی ضرورت نہیں یہ نوشتہ دیوار ہے واقعی ہم نے دیکھا کہ آج جہاد کی نئی تعریفات تلاش کی جا رہی ہیں۔

مولانا کا یہ نعرہ تھا کہ اسلام وحدت ادیان نہیں وحدت حق کی دعوت ہے۔

فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون (۱۷)

Marfat.com

مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

(مغربی تہذیب کے متعلق مولانا کی معتدلانہ رائے)

آپ نے جو خطبات و مقالات یورپ اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر دیئے اور پڑھے ان میں مغربی تہذیب کے نقائص پر کھل کر گفتگو کی۔ اس کے علاوہ مشرق کے پرستاران مغربی غلامانہ ذہنیت کو آشکار کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان دونوں حدود یعنی مشرق و مغرب کے مابین خلا کو کس طرح پر کیا جائے۔ آپ نے ایک راہ اعتدال کی نشاندہی کی۔ مغرب کے دورہ کے بعد مسلمانوں کے مابین مولانا نے دو طبقوں کی نشاندہی کی جن میں ایک وہ ہیں جو مغربی تہذیب کی برتری کے قائل ہیں اور انہوں نے اپنا سر تسلیم خم کر لیا ہے اس مین مولانا سر سید کو اور ان کے ہم نواؤں کو شامل کرتے ہیں۔ دوسرے گروپ میں جو مغرب سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جمال الدین افغانی کو شامل کرتے ہیں۔ پہلے گروپ کا بقول علی میاں خیال ہے کہ مغرب ہم پر ہر چیز میں فائق ہے۔ نہ صرف صنعت اور ٹیکنالوجی اور انتظام حکومت میں، بلکہ تہذیب و ثقافت میں بھی بہت آگے ہے۔

دوسرے مؤقف کے علمبردار کچھ زیادہ جذباتی تھے۔ انہوں نے اپنی کوششوں کو سیاسی وعسکری طور پر کچھ مضبوط رکھا، لیکن مغرب کے کمزور پہلوؤں کو نہ سمجھا، وہ مغرب سے متنفر رہے اور ان کی ہلاکت کے متمنی رہے لیکن اس کے سد باب کیلئے کچھ نہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کو فکری وذہنی بالاتری تو حاصل تھی ہی، اب انہوں نے مسلمانوں کے اندر ہی ایک ایسی نسل تلاش کر لی جو یورپ جا کر ان کی گرویدہ ہوگئی۔

دوسرے الفاظ میں پہلے گروپ نے خود کو مغربی افکار کے سمندر اور اس کی سیاسی اور اجتماعی موجوں کے حوالے کر دیا اور دوسرے فریق نے یہ ناکام کوشش کی کہ تیراکی کا فن سیکھے بغیر اور سمندر کی گہرائی کا اندازہ کیے بغیر اُس کو عبور کرنے کی کوشش کی لیکن ایک تیسرا راستہ بھی تھا جو ایسے صاحب بصیرت اور مدبر کا تھا جو مغرب کا پوری طرح مفکرانہ جائزہ لیتا اُس کا منکر ہوتا اور نہ ساری خرابیوں کے ساتھ اُسے قبول کرنے پر بضد ہوتا۔

Marfat.com

وہ یورپ کے قابل نفرت کلچر اور مجرب اخلاق اطوار وعادات کو اعلیٰ انسانی اقدار اور برتر و پاکیزہ صفات پر کبھی بھی ترجیح نہ دیتا، وہ ''خذ ما صفا ودع کدر'' کے اصول پر چلتا وہ یورپ کی صنعت وحرفت اور ٹیکنالوجی سے تو فائدہ اٹھاتا لیکن وہاں کی تہذیب وثقافت، کلچر ومعاشرت سے کوئی علاقہ نہ رکھتا۔

مولانا نے اپنی کتاب مغرب سے صاف صاف باتوں میں اس مؤقف کو خود اعتمادی، خوش اسلوبی اور شیریں بیانی اور اعتدال پسندی کے ساتھ واضح کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو نہ تو مغربی تہذیب سے بیزار اور کیڑے نکالنے والا دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی سعادت مند مطیع شاگرد کے طور پر سرتسلیم خم کرتے ہیں۔ مولانا ایک ایسے کردار کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو مغرب کے غلط قدم کو نہ صرف غلط کہے، بلکہ اسے ٹوکے اور صحیح قدم کو نہ صرف صحیح کہے بلکہ اس کی تحسین کرے۔

ابوالحسن مغرب کو اسلام کی دعوت بغیر کسی معذرت وشرمندگی کے دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کو چاہیے کہ وہ نوع انسانی کی قیادت میں اپنا کردار ادا کریں، وہ یہ کہتے ہیں کہ علوم ووسائل پوری انسانیت کو بلاتفریق وامتیاز ملنے چاہئیں۔

مشرق ومغرب کا تصور

کپلنگ ''Kipling'' کا یہ کہنا کہ مشرق مشرق رہے گا، مغرب مغرب، دونوں کبھی مل نہیں سکتے۔ مولانا کے نزدیک ایک ایسا نظریہ ہے جو خاص وقت تک تو مقبول ہو سکتا ہے لیکن اسے ابدی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کی بدولت دونوں حدود میں تصادم کی فضا بنی رہتی ہے۔ وہ جب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو شک، خوف، بدگمانی، نفرت اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

علی میاں کہتے ہیں:

''یورپ نے ایمان وعمل کو اگر چھوڑ دیا تو نئی سوسائٹی نئی تہذیب وجود میں نہیں آسکتی ہے۔ یورپ دراصل مشرق کو مشرق اور مغرب کو مغرب یعنی سینئر سمجھتا ہے اور یہی خرابی کی جڑ

Marfat.com

ہے۔ مغربی تہذیب آج کل ایک نئے جوش سے مشرق کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان اور فکر آخرت (جہاد) نکال دیا جائے اور اُس کے مقابلے میں مادیت اور ٹیکنالوجی سے محبت پیدا کر دی جائے Globalization کا عمل مکمل ہو جائے گا۔ (۱۸)

مولانا کی نظر میں مشرق پر استحصال کے اسباب

1۔ یورپ سے اسلام کا تعارف صحیح نہ ہو سکا۔ اگر ہو جاتا تو مشرق و مغرب مادیت، حیوانیت، درندگی اور اس المناک انجام سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

2۔ انسانیت کی مصیبت مغرب سے مشرق کے جدا ہونے میں ہے، علم کو ایمان سے علیحدہ کر دینے میں ہے۔ مشرق میں ایمان بڑھا اور مغرب میں سائنس بڑھی۔ ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے اور علم کو ایمان کی سرپرستی اور نگرانی کی حاجت۔ انسانیت ان دونوں کی رفاقت اور تعاون کی طالب ہے۔

3۔ ترکوں نے مغرب کی قیادت نہ کی، انہوں نے مشرق میں قیادت کے خلا کو تو پر کیا مگر، اس نشاۃ ثانیہ کی سربراہی نہ کر سکے جو یورپ میں طوفان کی طرح بڑھ رہی تھی۔ (۱۹)

4۔ عالم اسلام میں صحیح رہنمائی کرنے والی قیادت کا فقدان اور بحران ہمیشہ رہا۔

5۔ قیادت کی تربیت وہاں ہوئی جہاں انہیں اسلام سے بیگانہ کیا گیا، انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اب اسلام کے پاس وسیع معاشرہ کے لئے کوئی پیغام نہیں۔

6۔ وہ طلباء/ قائد علم و ایمان کی نہر سویز تعمیر نہ کر سکے۔

مغرب اور مشرق میں بعد اور دوری پیدا ہوتی گئی، یہاں تک کہ آج یہ وقت دیکھنا پڑا ہے کہ مغرب اپنی طاقت، قوت اور تکبر کے ساتھ مشرق پر چڑھ دوڑا ہے اور ایک ایک کر کے سب کو ہڑپ کر رہا ہے۔ افغانستان اور عراق کو نگل چکا۔ لیبیا اور ایران کو پچھاڑ دیا، اب پاکستان

Marfat.com

کے ساتھ دیکھیں کیا کرتا ہے۔

7۔ اہل یورپ کو اقتدار کی ہوس، دنیا کو پامال کرنے کی خواہش، انسانوں کی لاشوں پر عیش وعشرت، دل رحم سے خالی، انسانیت کے درد سے عاری اور زندگی کا تصور سرے سے ہی غلط ہے۔

8۔ عصمت فروشی کے داعی یونان کے بڑے بڑے فلسفیوں نے پیشہ عصمت فروشی کی پرزور حمایت کی، اس میں بڑے بڑے فوائد اور خوبیاں دکھائیں۔ روم نے بھی فضول خرچی، عیش، تفریحات، معاشی لوٹ کھسوٹ اور محاصل کی کثرت کو آشکار کیا۔

9۔ یہی حال چین اور ہندوستان کا تھا جہاں قیاسات کی حکمرانی تھی، اخلاق و معاشرت و سیاست میں خواہشات کا غلبہ تھا۔ عیسائیت، مجوسیت، بدھ مت خدا ترسی، فرض شناسی، پاک بازی جیسی تعلیمات سے کوسوں دور تھے۔ ایسے میں اسلام نے ایک اعلیٰ معاشرہ مساوات کی بنیاد پر قائم کیا، جہاں بلال رضی اللہ عنہ از حبش اور صہیب رضی اللہ عنہ از روم کو سرداری ملی۔

حل: (پس چہ باید کرو)

1۔ اسلام کا از سر نو مطالعہ اور مطالعہ میں سنجیدہ فکر۔

2۔ قرآن کا ایسے مطالعہ جیسا کہ وہ فرد سے براہ راست مخاطب ہے۔

3۔ اسلامی عقائد و نظریہ حیات کا یورپ میں جرأتمندانہ و حکیمانہ اظہار۔

4۔ پاکیزہ زندگی جس کی مثال یوں دیتے ہیں۔

صلاح و تقویٰ، صدق و امانت، ذکر و عبادت، رضاء و قناعت، نشاط و قوت، روحانی بالیدگی اور پر کیف جذبات سے معمور ہو۔

امریکہ و یورپ کی قیادت لادینیت، اخلاقی بے نظمی، مادہ پرستی، حیوانی طرز زندگی میں رکھی گئی۔ یورپ نے مذہب کو جواب دے دیا اور مطالعہ و تحقیق کا سفر بغیر مذہب کی رہنمائی سے آزاد و بے نیاز ہو کر بلکہ اس سے بیزار ہو کر شروع کیا۔ نتیجہ خود غرضی کا شیطان پورے یورپ پر

Marfat.com

مسلط ہے۔قوموں کے ہاتھوں قوموں کوطبقوں سے افراد کوافراد کے ہاتھوں قتل کرایا جارہا ہے۔ اس طرح ایک وسیع تر اور عالمگیر پیانہ پر بربادی کی جارہی ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشرق کے انسان کوکہیں پناہ نہ ملے گی نہ پہاڑ کی چوٹی پر نہ کسی غار کے اندر عملاً امریکہ کے کہنے پر وزیرستان میں یہی ہورہا ہے۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ اور یورپ کا ذخیرہ علم بیکار ہے۔کیونکہ اس میں تکبرو غرور ہے۔جب اقوام متحدہ نے عراق پر حملے کی اجازت نہ دی تو امریکہ اور برطانیہ فخر وغرور اور طاقت کے نشہ میں بغیر پرواہ کیے چڑھ دوڑے۔کیا یہ انصاف اور مساوات ہے؟نہیں یہ مفادات ہیں، جو مساوات کی آڑ میں کیے جاتے ہیں۔خدا کا خوف، آخرت کی زندگی کا یقین چاہیے۔یہ چیزیں کہاں سے ملیں گی؟

دنیا کا کوئی فلسفہ اور کوئی شاعر یہ دولت عطا نہیں کرسکتا۔یہ دولت ایمان ویقین پیغمبروں کی تعلیمات کی بدولت ممکن ہے اور یہ تعلیمات درویشوں، فلسفیوں، شاعروں، سیاست دانوں سے مل جائیں گی لیکن ہمیں پیغمبرانہ طاقت چاہیے جو صرف اس کے زندہ دین اور اس کی زندہ کتاب اور محفوظ شریعت میں موجود ہے۔جو دنیا کی مدد کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہے۔

قد جاء کم من الله نورو کتاب مبین
یھدی به الله من اتبع رضوانه
سبل السلام و یخرجھم من الظلمات
الی النور باذنه ویھد یھم الی صراط مستقیم (۲۰)

مولانا ابوالحسن کہتے ہیں:

''دنیا کا کوئی علاج نہیں، سننے والے سن لیں، یاد کرنے والے یاد کرلیں، دنیا کا علاج صرف اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا جائے اور پھر وہ چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دل کی کھوئی ہوئی چیز ملے گی، دماغ ہفت زبان ہے لیکن دل ایک زبان جانتا ہے۔وہ ہے انصاف اور محبت کی زبان۔اس سے دنیا میں بہار آئے گی اور دنیا جنت کا نمونہ بنے گی۔''(۲۱)

انہیں امریکہ کے حوالے سے اُمید کی ایک کرن نظر آتی ہے۔وہ مسلمانوں کو درس دیتے

Marfat.com

ہیں کہ وہ مغرب اور امریکہ کو اسلام کا پیغام دیں اور آنکھیں ملا کر کہیں کہ مغرب تیرے درد کی دوا ہمارے پاس ہے۔ تیرے درد کی دوا ہمارے قرآن میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیغام میں ہے(۲۲) آؤ اسے استعمال کرو اور شفا حاصل کرو۔

سپنگر نے 1917ء میں The Dicline of the west کے نام سے کتاب شائع کی۔ اس طرح برطانوی مصنف آرنلڈ ٹائن بی نے A study of History اور Civilization of Trail کے نام سے اپنی تحقیق پیش کی تو لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈال دیا اور ان وجوہات کی نشاندہی کی جو کسی بھی تہذیب کے زوال کا سبب بنتی ہیں۔

اور The culture of dis. belief نے L. Carter اور A.N Wilson

The Dicline of Fath in West Civilization God's Funeral:-

The Death of the West 2001 Atrick Buchanan

میں یہ نعرہ بلند کیا ہے کہ مغربی تہذیب زوال پذیر ہو رہی ہے اور اس تہذیب کا خدا مر چکا ہے۔(۲۳) اپنی تہذیب میں جان ڈالنے کے لیے اب سیاست کا سہارا لیا جا رہا ہے اور تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو باور کرایا جا رہا ہے اگر تم نے اپنی تہذیب میں دراڑیں خود نہ ڈالیں تو انجام خطرناک ہوگا۔ دراڑیں ڈالنے سے مراد، جہاد کا خاتمہ اور بے حیائی کے سیلاب کے آگے رکاوٹ نہ ڈالنا ہے۔

Brink lindsay مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے:

Rote memorization of anclent texts, suppression of critical inquiry and dissent arw "The recipe for anything other than (Islamic) Civilizational decline"(۲۴)

مغرب اپنی تہذیب کی Supermacy کا دعویدار ہے، Barlusconi کہتا ہے:

we cannot put all civilizations on the same level. We must be aware of our supwrmacy, of the superiority of western civilizations".(۲۵)

مغربی تہذیب کیا ہے؟ مغربی تہذیب دولت، ذرائع رسل و رسائل، تجارت Life

Marfat.com

styleاور ٹیکنالوجی کا نام ہے۔

جس کو بچانے کے لئے بش، بلیئر اور بوائے کن (Boy kin) میدان عمل میں ہیں۔ Life styleایسا کلچر ہے جو اسلامی تعلیمات کے برعکس ہے۔ ویسٹ کو شکایت ہے کہ مسلمان اپنے کلچر کو چھوڑ کر مغربی تہذیب میں کیوں ضم نہیں ہوئے؟ ان کے نزدیک مسلمانوں کے اندر سے مذہب کی روح نکال دی جائے اور عقیدہ آخرت پر ضرب کاری لگائی جائے۔ جب فکر آخرت ختم ہوگی لوگ ان کی زبانیں، عقیدے، آرٹ اور علوم خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ کیوں کہ یہ عقیدے اور رسم ورواج نسلاً درنسلاً منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

مغربی تہذیب کے علم برداروں نے سیکولرازم کو اپنا خدا بنالیا ہے اور یہ کسی بھی مذہب خواہ وہ یہودیت ہو یا عیسائیت یا اسلام سب کے لیے خطرہ ہے۔ ابوالحسن اگر زندہ ہوتے تو وہ پکار اٹھتے کہ یہ ایسی حرکت ہے جو مسلمان کبھی بھی Allow نہیں کر سکتے۔ انہوں نے " خذ ما صفا و دع ما کدر " کا نعرہ شروع سے ہی بلند کر رکھا تھا۔ یہ Life style تو خدا کے خلاف بغاوت ہے۔ جمہوریت اور معاشی ترقی کی آڑ میں عورت کا ننگا کر دینا اگر مغربی تہذیب کا کمال اور عروج ہے تو ہمارے نزدیک یہ زوال ہے۔ یہ تو اخلاقی اور معاشرتی ڈھانچہ کی تباہی ہے۔ اس آزادی کا مطلب تو عورت کا بغیر روک ٹوک حاملہ ہونا ہے اور پھر اس آزادی کا مطلب اپنی مرضی سے حمل گرادینا، کیا دنیا اس آزادی کی متحمل ہو سکے گی؟ خدا اپنی سنت بدلا نہیں کرتا۔ وہ سنت ہے کہ اخلاقی برائیاں ہمیشہ روبہ زوال رہی ہیں۔ کیا تاریخ میں لواطت اور ناپ تول کی کمی کو زوال نہیں آیا تھا۔

یہ سب سیکولرزم کا کیا دھرا ہے۔ ویسٹرن Elite اس نظریہ کو پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ بش اور بلیئر خم ٹھونک کر اسے ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ تاہم پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے کے مصداق David Liv ingstone کا مشورہ ہے کہ جس طرح اسلام کے اندر تفرقہ بازی اور جوڑ توڑ اس کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ یہ حربہ ویسٹ کے اندر آزمایا جائے، مغربی تہذیب کے ڈھانچے کو تباہ کرنے کے لیے اس کے اندر دڑاریں ڈالنے کی ضرورت ہے۔ (۲۶)

آخر میں ہم کہہ سکتے ہیں: عالم اسلام کے موجودہ حالات کے تناظر میں مولانا کی فکری تعلیمات سے رہنمائی کی بدولت مسلمانوں کے لیے منزل کی تلاش ممکن ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ندوی، ابوالحسن، حیات وافکار کے چند پہلو، مرتب سفیر اختر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2002ء ص:23 نقطہ نظر، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، ص106

۲۔ ایضاً۔ بعد میں مولانا نے ان سے بیزاری کا اظہار کیا اور دل پھیکا ہو گیا اور عقیدت میں کمی آئی۔

۳۔ ندوی، ابوالحسن، پرانے چراغ، مجلس نشریات اسلام، کراچی کے Back Page پر کتابوں کی فہرست مل سکتی ہے۔

۴۔ ندوی، ابوالحسن، عالم عربی کا المیہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۰ ص:۱۲

۵۔ ایضاً ص:91

۶۔ ایضاً ص92

۷۔ ایضاً ص:95، یہ سبق آپ امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی دیتے ہیں

۸۔ ایضاً ص99، امریکہ سے صاف صاف باتیں، ص:49

۹۔ القرآن (توبہ)199:9

۱۰۔ ندوی، ابوالحسن، حیات وافکار کے چند پہلو، ص:39

۱۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر کے نام سے ترجمہ ہوا

۱۲۔ محمد اکرم، محمد رسول اللہ .... ایک آفاقی پیغمبر، بیکن بکس ملتان، 2002، مقدمہ

Marfat.com

۱۳۔ ندوی، ابوالحسن، پاجاسراغ زندگی، ص:12

۱۴۔ ایضاً ص:12

۱۵۔ ایضاً ص:75

۱۶۔ اس مسئلہ پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تنقیحات کا مطالعہ بھی مفید ہے

۱۷۔ القرآن (یونس) 32

۱۸۔ ندوی، ابوالحسن، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، ص:13

۱۹۔ ایضاً ص:46

۲۰۔ القرآن (المائدہ) 6:15-16

۲۱۔ ندوی ابوالحسن، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، ص:120

۲۲۔ ندوی ابوالحسن، امریکہ میں صاف صاف باتیں، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص:48

۲۳۔ Abid Ullah jan, The Dead Good, Nida-Khilafat Lahore, vol-13, No.9

۲۴۔ Thomas Fridman, Defudsing the Holy Bomb, N,y Times, 27 Nov, 2002

۲۵۔ Pravada, RU: Top Stories

۲۶۔ Abid Ullah jan, Opcit, Loc-cit

Marfat.com

''روشن خیالی اور اعتدال پسندی''

(اسلامی تعلیمات کے تناظر میں)

روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی حقیقت جاننے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ مسلم امہ کے معروضی اور انٹرنیشنل حالات کے تناظر میں آج مسلمانوں کو بہت زیادہ اتحاد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسلام اتحاد کا مذہب ہے تفریق کا مذہب نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔''

واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا[1]

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور فرقہ بندی اختیار نہ کرو''۔

اس مقالہ میں جس موضوع پر بات کی جائے گی ہے وہ ہے روشن خیالی اور اعتدال پسندی۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو اکثر مختلف لوگوں سے سننے کو ملتے ہیں کہ اسلام روشن پسندی کا دین ہے اور یہ کہ اسلام اعتدال پسندی چاہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک روشن خیال مذہب ہے اور قیامت تک کے آنے والے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کا مذہب ہے۔

لیکن سوال صرف اتنا ہے کہ روشن خیالی کا تصور یا وہ روشن خیالی جو ہمارے ہاں یورپ و امریکہ سے آئی ہے۔ اس کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے۔ جہاں تک اس کا مفہوم ہے جو یورپ سے برآمد کیا گیا ہے تو وہ ہے (فری) Free ہونا، آزاد ہونا۔ یعنی تجارت میں بھی آزادی، سیاست میں بھی آزادی معاشرے میں بھی آزادی، اور میل جول میں بھی آزادی۔

"No restriction at all"

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر مین ڈاکٹر خالد مسعود روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے

Marfat.com

بارے میں کہتے ہیں کہ

''یہ الفاظ Enlightenment اور Moderation ایک تحریک کا نام ہیں جو یورپ میں چلی تھی۔ یہ تحریک فرانس سے شروع ہوئی تھی۔ Moderation عام معنوں میں ہے اور اسی مفہوم میں صدر مشرف نے Moderation کو Define کیا ہے؟۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو وہی sense ہے۔ یعنی جدیدیت، فرقہ واریت، انتہا پسندی اور تشدد پسندی کو کس طرح Deal کرنا ہے۔ ان سے ڈیل کرنے اور علاج کے طور پر پرویز مشرف نے Moderation اور Enlightement کا تصور دیا''۔ (۲)

جہاں تک بات ہے مغرب کی تو مغرب کوئی پابندی، کوئی حدود وقیود اپنے ہاں نہیں دیکھنا چاہتا اسی لیے وہ ہمارے ملکوں میں بھی یہ چیز جائز نہیں سمجھتا اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا ہے۔ آج جو تبدیلی مغرب یا امریکہ ہمارے ہاں دیکھنا چاہتا ہے وہ ہمارے لائف سٹائل کی تبدیلی ہے اور وہ طریقہ جو شروع سے ہمارے درمیان چلا آرہا ہے اور جسے ہم نے اسلام کی بدولت سیکھا ہے وہ مغرب کو پسند نہیں۔ اہل مغرب نہیں چاہتے کہ ہماری ایک خاص طرز فکر ہو، خاص معیشت ہو، خاص تجارتی لین دین ہو، یا خاص معاشرت ہو۔

وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کی معاشرت میں، معیشت اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں میں خود کو Assimlate کرلیں یا ان میں شامل ہو جائیں۔

روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو آج اسلام میں نئے سرے سے داخل نہیں کیا جارہا یہ تو وہ پرانی شراب ہے جس کو نئی بوتل میں ڈال کر پیش کیا جارہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یورپ میں جب یہ نظریہ آیا تو اس نے یورپ کو کیا دیا؟ اگر اس نے یورپ کو فائدہ دیا ہے تو مسلمانوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے کیونکہ یورپ کے حوالے سے ایک تجربہ ہو چکا ہے یا ایک تاریخ رقم ہو چکی ہے جس کو مٹایا نہیں جاسکتا۔

"That has been written down in the books, Magazines and Encyclopadias"

Marfat.com

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر اس نظریے نے یورپ اور امریکہ کو کوئی فائدہ پہنچایا ہے تو مسلمان بھی اس نظریے کو اپنائیں لیکن اگر اس نظریے نے یورپی تہذیب کو نقصان پہنچایا ہے تو مسلمانوں کو بھی احتیاط کا دامن اختیار کرنا ہوگا۔ چنانچہ یورپی تاریخ کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ پہلا حصہ پانچویں صدی قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی تک

ایک ہزار سال کا عرصہ یعنی 500 سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل اور 500 سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد، یہ ہزار سالہ دور یونانی اور رومن فلسفہ کو Represent کرتا ہے۔

مذہب کے مقابلے میں یونان نے دنیائے انسانیت کو فکر اور فلسفہ دیا۔ ان کے بڑے بڑے فلاسفرز میں، ارسطو، سقراط، افلاطون، ارشمیدس اور فیثاغورث شامل ہیں۔ اس پانچ سو سالہ یونانی دور کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کا Interaction رومن سلطنت سے ہوا۔ پھر رومن خیالات نے مذہب کے ساتھ مل کر دنیا کو ایک نظریہ دیا۔ اس میں عیسائیت کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا۔

۲۔ دوسرا دور چھٹی صدی عیسوی سے پندرہویں صدی تک کا ہے۔ یہ بھی ایک ہزار سالہ دور ہے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ ازمنہ وسطیٰ کا دور یعنی درمیانی دور کہلاتا ہے۔ اور نعوذ باللہ آج کل کی اصطلاح میں یہ دور جہالت کا دور تھا۔ (۳)

آج کل ترقی پسند خیالات بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور یہ دور کیونکہ مذہبی تھا اس کو دور جہالت کہتے ہیں۔

۳۔ پندرہویں صدی عیسوی تا سولہویں صدی عیسوی یہ دور تحریک اصلاح مذہب، دور تنویر، روشن خیالی یا نشاۃ ثانیہ کا دور کہلاتا ہے۔

یہ دو صدیاں ہیں اس دور میں عیسائیت کی اصلاح کے لیے کچھ لوگ آگے آئے جن میں مارٹن لوتھر، زونگلی، جان کالون اور دیگر لوگ شامل ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ عیسائیت

Marfat.com

میں جو خرابیاں آ گئی ہیں یا تھیوکریسی یا پاپائیت یعنی مذہبی حکومت کی خرابیاں ہیں ان کو دور (Remove) کریں۔ لیکن اس کا نتیجہ بالکل الٹ نکلا اور مذہب بیزاری کا دور شروع ہو گیا۔ مذہب سے نفرت شروع ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کلیسا یا پوپ کا اقتدار ان دنوں اتنا زیادہ (Heavy) تھا کہ بادشاہوں کو بھی تبدیل کروانا ان کے نزدیک زیادہ مشکل کام نہ تھا۔ (۴)

جب ایک چیز اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو دوسری چیزیں اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ جس طرح ہندومت میں جب برہمن نے اقتدار حاصل کر لیا تو دوسرے طبقے نے برہمن کے خلاف نعرہ لگایا وہ یہ تھا:

"There is no God at all" یہ گوتم بدھ کی آواز تھی۔

چونکہ برہمن بتوں یا خدا کے پجاری تھے اس لیے گوتم بدھ نے کہا کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اس سے جب بھی پوچھا جاتا ہے کہ خدا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے تو وہ جواب دیتا کہ میں نہیں جانتا۔ (۵)

یہی حال عیسائیت میں ہوا۔ کہ مذہب کے خلاف تحریک چلی۔ جو دو سو سال تک مذہب بیزاری اور اصلاح مذہب یا روشن خیالی یا نشاۃ ثانیہ کے نام سے تھی۔

۴۔ چوتھا دور سترہویں صدی سے بیسویں صدی عیسوی تک ہے۔ یہ آخری دور ہے جس میں صنعتی انقلاب آیا اس دور کو عقلیت کا دور کہتے ہیں اس کے علاوہ اس دور کو سائنس کا دور یا جدید دور کہا جاتا ہے۔ آج کا دور جدید دور ہے۔ اور اس جدید دور نے دنیائے عیسائیت کو اخلاقیات سے عاری ایک ایسا نظام دیا ہے جس میں تمام تر خرابیاں جو کسی بھی نظام میں ہو سکتی ہیں وہ دنیا کے سامنے لا کر رکھ دیں۔ معاشرتی طور پر پاکیزگی کا تصور ختم کر دیا۔

یہاں ذکر کرتا چلوں کہ آخری دور میں جن دو تحریکوں نے جنم لیا۔ وہ دونوں تحریکیں مذہب بیزاری کی علامت تھیں۔ ایک تحریک، تحریک عقلیت جس کو ہم Rationalism کہتے ہیں یعنی ہر چیز کو عقل سے پرکھا جائے۔ اور یہ کہ ماوراء الطبیعات، فوق الفطرت یا معجزات پر مبنی جتنے بھی دعوے یا عقیدے ہیں۔ "They should be judged by reason" یعنی

Marfat.com

عقل کی بنیاد پر انہیں دیکھا جائے اگر عقل ان کو درست کہتی ہے تو ٹھیک اور اگر عقل ان کے خلاف ہے تو ان کو دور کر دیا جائے۔اس لیے اسے عقلیت پسند تحریک کہا گیا ہے۔یعنی ہر چیز کی اساس عقل ہے۔ چاہے نفسیات ہو، جمالیات ہو، اخلاقیات ہو، کوئی بھی چیز ہو۔اس کو عقل سے پرکھا جائے گا۔ (۶)

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عقل بھی ایک Source of knowledg ہے اور اس کے مقابلے میں وحی بھی ایک علم کا ذریعہ ہے۔عیسائیت کی بنیاد وحی تھی۔اسی طرح یہودیت کی بنیاد بھی وحی تھی تو وحی کو ایک طرف رکھ دیا گیا اور ہر چیز عقل سے پرکھی جانے لگی۔ (۷)

یہ وہ تحریک تھی جس کو یورپ نے بہت سہارا دیا اور اس کی وجہ سے مذہب بیزاری کا جذبہ بڑھتا گیا۔تحریک عقلیت کے ساتھ ساتھ یورپ نے ایک اور تحریک کو جنم دیا جس کو ہم تحریک انسانیت (Humanism) کہتے ہیں۔جس میں انسان کی برتری، انسان کی اولیت کا نعرہ لگایا گیا۔اور اس نعرہ کے پیچھے جو نظریہ تھا لذت کا نظریہ اور انسانی خواہشات کی تکمیل کا نظریہ۔

انہی دو تحریکوں نے مل کر یورپ میں روشن خیالی کے نظریے کو ہموار کیا۔روشن خیالی اور مذہب بے زاری کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا۔جس کو مذہب تبدیلی یا مذہب کا خاتمہ کہتے ہیں یعنی ان کے نزدیک (نعوذ باللہ) "God is dead" ''خدا مر گیا ہے''۔ (۸)

ڈاکٹر ظفر اقبال The Quran and Muslims میں لکھتے ہیں کہ

Humanism has made human beings the measure of all things. Hence, whatever is beyond the rational faculty of human mind, is stamped as unreliable a legac that was summarized by Muhammad Hasan Askari "A short treatise: Jadidiat ya Maghrabi gumrahion ki tarikh ka khakah".(۹)

چنانچہ نئے نظریات پیش کیے گئے ان میں فرائیڈ جیسے لوگ شامل ہوئے جنہوں نے واضح

Marfat.com

طور پر کہہ دیا کہ ایک دور جہالت کا تھا وہ ختم ہو گیا پھر مذہب کا دور آیا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب سائنس کا دور ہے۔ لہٰذا انہوں نے سائنس کو بھی ایک Evolutionary method کے طور پر متعارف کروایا۔ کہ دور جہالت میں لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ پھر جہالت کو ختم کرنے کے لیے دنیا میں مذہب وجود میں آئے۔ اب مذہب کا دور بھی ختم ہو گیا۔ اور آج کا دور سائنس کا دور ہے اور اس دور کو مذہب کے مقابلے میں تضاد کے طور پر پیش کیا گیا۔ (۱۰)

دنیائے عیسائیت میں سائنسدانوں کو پھانسیاں بھی دی گئیں۔ برونو جیسے لوگوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ گلیلیو کو مجبور کیا گیا کہ اپنے نظریات سے انحراف کر لو ورنہ ہم پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ اسی لیے سائنس کو مذہب کے مخالف سمجھ کر مذہب کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ (۱۱)

اس ساری بحث کا مطلب یہ نہیں کہ روشن خیالی یا اعتدال پسندی بری چیز ہے۔ بلکہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی مذاہب کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کا طریقہ کار مختلف ہے۔ بہر حال اسلام کے مقابلے میں یورپ اپنے خیالات و نظریات مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ ایسا کرنے میں بالکل بھی ہچکچا نہیں رہا۔ اور اسی لیے نئے نئے القابات سے مسلم امہ کو نوازا جاتا ہے کبھی بنیاد پرست تو کبھی انتہا پسند کہا جاتا ہے کبھی مسلمانوں پر دہشت گردی کا ٹھپہ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ تثلیث نظریات کی تثلیث کہلاتی ہے۔ اور مسلمانوں کو اس لیے سونپی جا رہی ہے کہ وہ دفاعی ہو جائیں اور خود کہیں کہ ''ہم تو ایسے نہیں، تم ٹھیک کہتے ہو اور ہم آپ کی بات ماننے کو تیار ہیں'' اور ان سب سے بڑھ کر اپنے نظریات کو منوانے کا ایک اور حربہ ہے جو کہ جنگ ہے۔ یعنی Carrot and stick (گاجر اور چھڑی) کا نظریہ امریکہ نے اپنایا ہوا ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کو لالی پاپ دیا جاتا ہے یعنی قرضے دیے جاتے ہیں کہ آؤ اپنی اصلاح کر لو۔ تعلیم ٹھیک کر لو پرائمری اور ہائر ایجوکیشن ٹھیک کر لو۔ یا کچھ میزائل یا جہاز خرید لو یا پل بنا لو۔ یہ قرضے یا پیسہ درحقیقت لالی پاپ یعنی Carrot ہیں۔ یہ ایسی میٹھی گولی ہے جو ہم بڑے شوق سے انکار کیے بغیر لے لیتے ہیں جہاں دولت یا پیسہ کی بات آ جاتی ہے تو ایک جنرل ویو (View) ہے کہ

Marfat.com

دولت سے انسان مرعوب ہو جاتا ہے۔

حدیث رسول ﷺ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب مسلمان کمزور ہوں گے۔ اور اس کے مخالفین ان پر ایسے جھپٹ پڑیں گے جیسے دستر خوان پر لوگ جھپٹ پڑتے ہیں۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا ہم کمزور ہوں گے ان دنوں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں کمزور نہیں ہوں گے بلکہ مادیت یا پیسے کی محبت آجائے گی تمہارا وہ رعب وہ قوت سب جھاگ کی طرح بہہ جائے گا اور حقیقت میں مسلمانوں کا رعب نہیں رہا۔ قرآن تو ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اپنا رعب قائم رکھو اپنی ہوا قائم رکھو، اس کو اکھڑنے نہ دو۔ (۱۲)

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔ (۱۳)

''اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو اگر ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

یعنی اپنے دلوں کو جوڑے رکھو تاکہ تمہارا رعب اور دبدبہ تمہارے دشمنوں پر قائم رہے۔ یہ وہ ضروری فارمولے ہیں جو ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید ہمیں دیتی ہے۔

روشن خیالی کی بدولت جو کچھ دنیائے عیسائیت نے پایا وہ سامنے ہے کہ آج مغرب والے مادر پدر آزاد ہو گئے ہیں۔ ننگے ہو گئے ہیں اور جس ننگ و عار کو اسلام ختم کرنے آیا تھا آج پھر دنیا اس ننگ میں مبتلا ہو گئی ہے۔ جب اسلام اس دنیا میں آیا تو لوگ برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ (۱۴)

روشن خیالی یا اعتدال پسندی، یا گلوبلائزیشن قسم کی چیزوں کا نقطہ صرف یہی ہے کہ مغرب والے مسلم امہ کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جیسے ہم ہیں مسلمان بھی ویسے ہو جائیں۔

ایک طرف تو ہمارے افکار کی قوت کو تبدیل کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف ہمیں کمزور

Marfat.com

سے کمزور تر دکھایا جارہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ World Trade Organizations" قائم ہوگئی ہیں بہت سی ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی وجود میں آگئی ہیں جوملکوں میں غربت ختم کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ مسلمان اس طرح ان معاشی چکروں میں گھر گئے ہیں کہ آج اگر وہ نکلنا چاہیں تو نہیں نکل سکتے۔ حکومتوں کے کتنے ہی اعلانات ہوتے ہیں کہ ہم نے کشکول توڑ دیے۔ اب ہم قرضہ نہیں لیں گے۔ اب ہم خود انحصاری کی طرف جارہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ایک قدم آگے اور دو قدم پیچھے چلے جارہے ہیں۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو زندگی کے دونوں پہلوؤں یعنی دین و دنیا کی بات کرتا ہے جبکہ مغربی تہذیب صرف دنیا کی بات کرتی ہے دوسری دنیا ہمیں ہر پہلو سے کمزور کرتی جارہی ہے۔ معاشرت اور معیشت دونوں میں ہمیں کمزور کیا جارہا ہے۔ ایک ایسا نظام مسلط ہے پوری دنیا پر جس کو ہم سرمایہ دارانہ نظام کہتے ہیں۔ (۱۵)

اس کے مقابلے میں جو اسلام کا معاشی نظام ہے جس کو اگرچہ مستشرقین نہیں مانتے اور اسے صرف چند ایک معاشی اصول کہتے ہیں اگر ان کی بات مان بھی لی جائے تو یہی چند اصول دنیا کو ایک منفرد نظام دیتے ہیں۔

جب مسلمان اپنے مذہب کے دیے ہوئے اصول نہیں اپنائیں گے نتیجہ سامنے ہے۔ سوشلزم اور کمیونزم جیسے معاشی نظام دنیا میں آئے اور فیل ہوگئے۔ کارل مارکس اور لینن جیسے لوگوں نے نظریات پیش کیے لیکن وہ نظریات اپنی موت آپ مر گئے۔ (۱۶)

لیکن اسلام کا نظریہ معاشیات جو چودہ سو سال سے سروائیو (Survive) کر رہا ہے اس میں خرابیاں ہماری اپنی کمزوریوں کے باعث پیدا ہوگئی ہیں۔ لیکن آج بھی یہ معاشی نظاموں کی نسبت بہت بہتر ہے۔

آج اگر مسلمانوں کو روشن خیالی اپنانی ہے تو انہیں پہلے اقتصاد کو ٹھیک کرنا ہوگا۔ جب تک اسلام کے دیے ہوئے معاشی اصول مغرب کے دیے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں برتری اختیار نہیں کرتے اس وقت تک یہی ہوتا رہے گا۔ اور اسلام کی اور مسلمانوں کی روشن

Marfat.com

خیالی یہی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ جو مقابلہ ہے اس میں اسلام کو کامیابی حاصل ہو۔ اسلام کا اپنا بینکنگ سسٹم منظم ہو جس پر دنیا انحصار کرے۔

مسلمانوں کی روشن خیالی یہ ہے کہ جو ہمارا سیاسی نظام ہے یا جو سیاسی اصول ہیں مشاورت کے ان کو ان Democratic اصولوں پر حاوی کرنا ہوگا جو مغرب ہمیں دیتا ہے۔ اس کے لیے اسلام کو عملی طور پر ایک بہترین لائحہ عمل پیش کرنا ہوگا۔ کیونکہ اب ایک مقابلے کی فضا ہے۔ Clash of civilization کا مسئلہ یقیناً درپیش ہے۔ (۱۷)

یورپ والے اب واضح طور پر اسلام سے مقابلہ کا نام دے رہے ہیں اگرچہ وہ ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہماری اسلام سے کوئی لڑائی نہیں ہم اسلام سے لڑنا نہیں چاہتے مگر حقیقت پوری دنیا کے سامنے ہے۔ تصادم کیسے نہیں ہے۔ تین اسلامی ملکوں، افغانستان، عراق اور فلسطین پر تو جنگ مسلط ہے در پردہ پاکستان اور ایران بھی ان کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں۔ اگر یہ تصادم نہیں تو کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تصادم کا نظریہ ہی کام کر رہا ہے۔ تاہم ان کی کوشش ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا نہ ہو۔ مسلم امہ کو اکٹھا نہ ہونے دیا جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی باور کرانا ہے کہ ہماری آپ سے کوئی جنگ نہیں ہے۔ ہم دوست ہیں یعنی ایک طرف جنگ مسلط کی ہوئی ہے دوسری طرف قرضوں کے ذریعے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ درحقیقت مسلمان اپنے معاشی نظام کی طرف توجہ نہ دینے کے باعث اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آج سرمایہ دارانہ نظام کے System تلے دب گئے ہیں۔ اسی طرح مسلمان جب تک اپنا نظام تعلیم مضبوط نہیں کریں گے دنیائے اسلام کبھی سرخرو نہیں ہوگی مزید یہ کہ مسلمانوں کا حکومتوں کی تبدیلی کا نظام درحقیقت جبر اور شہنشائیت کا ایسا نظام ہے جس میں عوام کی مرضی کا بہت کم دخل ہے۔ جب مسلم امہ کے حکمران ہی کرپٹ ہوں اور وہ پالیسیاں پیش کریں جو باہر سے درآمد ہوتی ہوں اور وہ پالیسیاں ہمیں طوطے کی طرح رٹائی جاتی ہوں تو یاللعجب! کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اسلام ایک روشن خیال مذہب ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اصل روشن خیال ہے کیا؟ اصل روشن خیالی یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اپنے دین اور مذہب کے Life

Marfat.com

Style پر چلیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سائنسی تعلیمات اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھیں۔ اور سوچ بچار کریں۔ آج مسلمانوں کو کمپیوٹر سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آج زبانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آج اگر دنیا کا مقابلہ کرنا ہے تو ہمیں ان شعبوں میں آگے بڑھنا ہوگا۔ اگر مسلمان مقابلہ نہیں کرنا چاہتے صرف اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں تو ٹھیک۔ لیکن اگر زندہ قوم کے طور پر رہنا چاہتے ہیں تو نئے علوم کو سیکھنا از حد ضروری ہے۔ ہمیں ریاضی کو سیکھنا ہے بلکہ ہر علم کو سیکھنا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر آدمی ہر علم سیکھے مگر جس میں استطاعت ہے وہ ضرور سیکھے آج جو قوم کی نسل، قوم کے بچے اگر اس تعلیم سے محروم رہے تو اس محرومی کا مطلب یہ ہوگا ان کی 70 سال کی زندگی ضائع جائے گی۔ نصاب کی تبدیلی، چیزوں کو صحیح سمجھنا، باتوں کی تحقیق کرنا، غور وفکر کرنا میانہ روی اختیار کرنا اعتدال کرنا یہ سب ہماری تعلیمات ہیں جو کہ قرآن وسنت ہمیں دیتی ہیں۔

ہمیں اپنا تعلیمی نصاب تبدیل کرنا ہوگا کیونکہ تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جو قوموں کو اوپر لے جاتی ہے۔ ترقی کے لیے دوسرے میدان بھی ہیں مگر تعلیم ایک ایسا میدان ہے جو آپ کو جلا بخشتا ہے۔

آج اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یورپ نے پندرہویں صدی میں جب اپنے ہاں یونیورسٹیاں کھولیں تو سب سے پہلے اسلامیات اور عربی کو پڑھا۔ آج بہت سے لوگ اس بات سے نا آشنا ہیں کہ یورپ میں بھی اسلامیات پڑھائی جاتی ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی، کیمبرج یونیورسٹی، سوربون یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی، ان سب کو چھ سو سال ہوگئے ہیں وہاں اسلامی علوم اور عربی کی تعلیم ہوتی ہے۔ لیکن یورپ والے ان علوم کی تعلیم صرف اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے حاصل کرتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک شاندار ماضی رہا ہے اور اس ماضی کے بعد ایک ہزار سال امت مسلمہ سوتی رہی۔ علامہ اقبال، جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہ، امام

Marfat.com

احمد رضا خان محدث بریلی، علامہ شاہ احمد نورانی، ابوالاعلی مودودی، سید قطب شہید، مولانا اشرف علی تھانوی اور دیگر کی بدولت آج امت مسلمہ میں تھوڑا سا شعور پیدا ہوا ہے لیکن مسلم امہ کو حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے۔

آج اگر مسلمان اپنے ماضی پر نظر دوڑا کر اپنے آباء واجداد کے اصول ہی سیکھ لیں تو کوئی شک نہیں مسلمان پھر سے طاقتور ہو جائیں گے۔ اور اس مقصد کے لیے مسلمانوں کو ایک لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔ دعوت دین جو کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اس کو اپنانا ہوگا۔ اور دوسری بات قول وفعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے جو کہیں اس پر عمل کریں۔ اگر ایسا ہو جائے تو بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک دور تھا جب مسلمان اخلاقی قوت تھے۔ Morality کا معیار بلند تھا۔ بڑے بڑے فلاسفرز پیدا ہوئے مثلاً ابن رشد، ابن سینا، ابن باجہ، ابن طفیل، ان فلاسفر کی بدولت بڑے نظریات سامنے آئے۔ آج مغرب صرف مادیت پرستی کا سبق دیتا ہے۔ ان کے نزدیک دنیا کی تاریخ کا مقصد بھی صرف یہی ہے کہ دنیا بہتر ہو جائے بابر بھی یہی سبق دیتا رہا۔

"بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

کہ "بابر عیاشی کر لو پھر دنیا میں کہاں آنا ہے"۔

یہی مغربی تصور ہے جو آج کل ہمارے ہاں بھی رواج پانے لگا ہے کہ عیاشی کر لیں پھر کہاں پیدا ہونا ہے یہ تحریک انسانیت ضرور ہے مگر تحریک اسلام نہیں۔ اکثر مسلمانوں کا تصور یہ ہے کہ صرف آخرت بہتر ہونی چاہیے آخرت ٹھیک ہوگی تو سب ٹھیک ہوگا یہ تصور بھی متصادم ہے اسلامی تعلیمات اور روشن خیالی کے۔ اسلام کی اصل تعلیمات یہ ہیں کہ دنیا اور آخرت صحیح صحیح چلیں۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الا خرة حسنة (۱۸)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف موت کا انتظار کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا اگر ایسا ہے تو کیا زندگی کے 50 یا 60 سال فضول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

ایحسب الانسان ان یترک سدی (۱۹)

کیا انسان یہی سمجھتا رہے کہ اس دنیا میں اُس کی کوئی ضرورت نہیں وہ صرف مرنے کا انتظار کرے حالانکہ آخرت کی بہتری کا دارو مدار بھی دنیا کی بہتری پر ہے دنیا صرف مذہبی اعمال سرانجام دینے کا نام نہیں کیونکہ مذہب میں تو ساری چیزیں شامل ہیں۔ اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا سب دین ہے قرآن فرماتا ہے: ادخلوافی السلم کافۃ (۲۰)

انسانی مساوات، حکمرانوں کی جواب دہی، شریعت کی پابندی، انصاف کی حکمرانی، معاشی و معاشرتی مساوات یہ وہ تمام رہنما اصول تھے جن کی بناء پر مسلمانوں نے ایک عرصے تک اپنا سکہ بٹھائے رکھا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مذہبی تعلیمات سے بیزاری روشن خیالی ہے یا مذہب سے بیزاری میں ترقی ہے۔ مگر وہ ترقی کم از کم آج مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اپنی گمشدہ روایات کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے عقائد، ہمارا اخلاق، ہمارا کردار درست ہو۔ اور آج جو روشن خیالی کے نام پر مسلم ملکوں کے تین بڑے شعبوں کو متاثر کیا جا رہا ہے ان میں سب سے اہم تعلیم کا شعبہ ہے۔ دوسرا میڈیا اور تیسرا قانون کا شعبہ ہے۔ ہمارے قوانین کو تنقید کے ذریعے تبدیل کیا جارہا ہے۔ میڈیا کے ذریعے ثقافتی یلغار ہے۔ جگہ جگہ کیبل آگئی ہیں۔ لوگ برہنہ ہو کر ڈانس کر رہے ہیں فلمیں لگی ہوئی ہیں اور اخلاق باختہ موویز کی دوکانیں ہیں۔ اگر ان دوکانوں پر کوئی حملہ کرتا ہے تو انتہا پسند کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی تمام خرابیاں ہیں جو ہماری معاشرت کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔

مسلم امہ کو اسلامی دائرے میں رہتے ہوئے میڈیا کا مقابلہ بھی کرنا ہے اور غلط تعلیم کا مقابلہ بھی مسلم امت کو درپیش ہے۔ اپنے قانون کی حفاظت بھی کرنی ہے اور مذہب سے بے زاری کا اظہار نہیں کرنا تو اس چیز کے لیے ایک باکردار Setting کی ضرورت ہے۔ اسلامی نصاب یا نظریہ پاکستان کے حوالے سے جو نصاب ہے اس میں تبدیلیاں لائی جارہی ہیں۔ نئے نئے بورڈ بنائے جارہے ہیں اگر کوئی دوسرے ملک سے ناچنے گانے والے آجائیں تو

Marfat.com

انہیں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔اور میراتھن ریسز کی بدولت اخلاقی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

خلاصہ بحث:

ساری بحث کا لب لباب یہ ہے کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی، جو ہمیں ہمارا مذہب دیتا ہے اور جو اسلام کی تعلیمات کے دائرے میں ہیں کو اپنانا چاہیے ایسا تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنے دین کو اچھی طرح سمجھیں گے اور وہ رہنما اصول اپنائیں گے جو اسلام ہمیں دیتا ہے۔ آج مغرب کی چالوں کو سمجھنے کے لیے روشن خیالی از حد ضروری ہے۔تعلیم کی کمی کے باعث، جو کچھ ہمارے خلاف لکھا جاتا ہے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔اگر صرف نیٹ کو ہی دیکھ لیا جائے تو اتنے اعتراضات ملیں گے کہ وقت ہی نہیں ہمارے پاس ان کے جواب دینے کا۔خالی یہ کہنا کہ یہ بکواس ہے کافی نہیں علم کا جواب علم سے دیا جاتا ہے۔جب علمی میدان میں مسلم امہ آگے ہوگی تو ہی یورپ کی چالیں ہمیں سمجھ آئیں گی۔

یورپ کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلام کی اصل (Balanced) تعلیمات کو اپنانا ہوگا اور پھر معاشی نظام درست کر کے لوگوں میں پیش کرنا ہوگا۔اپنی معاشرتی، تعلیمی، عسکری، فکری اور سیاسی تعلیمات بھی ٹھیک کرنی ہوں گی تب جا کر مسلمان روشن خیال اور اعتدال پسند ہوں گے۔

Marfat.com

مصادر و مراجع

1۔ القرآن الکریم، آل عمران:103

پچھلے ہفتے مجھے پشاور یونیورسٹی جانے کا اتفاق ہوا وہاں ایک امریکی پروفیسر لیکچر دے رہا تھا، اور جو لیکچر اس امریکی پروفیسر نے دیا اس کی مرکزی بات یہ تھی کہ امریکی قوم، پاکستانی قوم سے بہت ناراض ہے بظاہر تو ہر روز اخبارات میں یہ پڑھا جاتا ہے کہ پاکستان امریکہ کا اتحادی ہے۔ اور اس کے علاوہ عرف عام میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ پاکستان اور امریکہ آپس میں دوست ہیں۔ لیکن جو ان کی عوام ہے یا جو مادہ ان کے اندر ڈویلپ (Develop) ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کیا اور Furious کا مطلب ہے ''سخت غصّے میں'' پروفیسر صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں ناراض ہیں جب کہ آپ ہر وقت ہمیں اپنا دوست مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم آپ کی بڑی مدد کرتے ہیں۔ آپ کی خاطر ہم انے اپنے بھائی افغانیوں کو بھی چھوڑ دیا۔ عراقیوں کی بھی مدد نہیں کی تو وہ پروفیسر صاحب کہنے لگے کہ اس ناراضگی کی وجہ وہ ایٹم بم ہے جو پاکستان نے بنایا ہے۔ اور قدیر خان نے جو ایٹمی نیٹ ورک (Atomic Network) شروع کیا اور اس کو دوسرے ملکوں میں پھیلانے کا باعث بنا تو اس بات پر امریکی قوم بہت ناراض ہے۔

یہ جو ابامہ کے بیانات آرہے ہیں ان کا ایک پس منظر ہے۔ اور پس منظر یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں میں برداشت کا جذبہ نہیں ہے۔ جس کو وہ ہمارے اندر بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ اسلام برداشت کا دین ہے۔

امریکی قوم کے کہنے سے تو ہم نے اپنی تعلیمات کو نہیں چھوڑنا۔ ہم نے اپنے اندر

Marfat.com

برداشت بھی پیدا کرنی ہے، ہم آہنگی بھی پیدا کرنی ہے۔اور امن بھی پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ اسلام امن کا مذہب ہے۔

پاکستان نے جو ایٹم بم بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم بالکل بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں کہ پاکستان نے ایٹم بم بنا لیا ہے۔اب کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ پاکستان کے مقابلے میں جو ایٹم بم یورپی حکومتوں کے پاس ہیں وہ ٹیکنالوجی میں زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں۔لہٰذا اب مسلمانوں کو اسی پر اکتفا نہیں کرنا بلکہ اپنی قوم کے طور پر سوسائٹی کے طور پر اور حکومت کے طور پر آگے ہی آگے بڑھتے رہنا ہوگا۔اور اس ترقی اور کامیابی کے لیے مسلم امہ میں اتحاد، وقت کی اہم ضرورت ہے۔

2۔ خالد مسعود، ڈاکٹر، انٹرویو، سہیل وڑائچ، جنگ سنڈے میگزین، 28 اکتوبر 2007ص:13

3۔ محمد رضا خان، روشن خیالی اعتدال پسندی نشاۃ ثانیہ کے پش منظر میں، ترجمان القرآن، فروری 2007،ص 53

4۔ محمد قطب شہید، جدید جاہلیت، ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی، نومبر 1976، البدر پبلکیشنز 23 راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور،ص 37۔

5۔ صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور،ص 27

6۔ محمد رضا خان، روشن خیال اعتدال پسندی نشاۃ ثانیہ کے پس منظر میں، ترجمان القرآن، فروری 2007ص 54

7۔ صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور،ص 130

8۔ محمد قطب، جدید جاہلیت، ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی، 1976، البدر پبلیکشنز راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور،ص 12

9۔ Muzaffar Iqbal Dr. The Quran and Muslims

Marfat.com

Quantum note part II. The News International. Saturday Oct 27, 2007. P.6

10- Freud's Revolutionary Aproach to Human Personality by Kristen Beyslehner, North Western University, Website Google

www.frueds about religion.com

www.revolutionary method by frued.

(ii) Psychoanalysis and religion by J.C Popa.

11- افضل توصیف، غلام نہ ہو جائے مشرق، نگارشات ٹمپل روڈ لاہور، ص183

12- ترمذی، ابواب الفتن

13- القرآن الکریم، الانفال:46

14- مبارک پوری، صفی الرحمٰن مولانا، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور، پاکستان ص،6

آج اگر یورپ میں چلے جائیں تو ویسے ہی لوگ برہنہ ہو کر نہا رہے ہوتے ہیں۔ سپورٹس یا جمناسٹک کے اداروں میں لوگ سارا دن کھیلتے ہیں اور شام کو سب کے سب برہنہ ہو کر نہاتے ہیں وہاں کوئی ستر کا تصور نہیں کیونکہ اب ان کے نزدیک یہ چیز عار نہیں رہی۔ حالانکہ ان کا مذہب ان کو ایسی تعلیم نہیں دیتا مگر مذہب کو چھوڑ کر جو تہذیب انہوں نے اپنائی ہے یہ اسی تہذیب کا شاخسانہ ہے۔

یورپ میں کئی بیچیز (Beaches) ایسی ہیں جہاں مرد و عورت بغیر پردے کے برہنہ ہو کر ریت پر سو جاتے ہیں اور بعض بیچز (Beaches) پر تو داخل ہونے کی شرط ہی برہنہ ہونا ہے۔ تو کیا یہ روشن خیالی ہے۔ اگر یہ روشن خیالی ہے تو مسلمان ایسی روشن خیالی سے باز آئے کیونکہ مسلمان پاکیزگی اور اخلاقیات کی حدیں کم از کم اس طرح پامال نہیں کر سکتا۔

15- محمد رضا خان، روشن خیالی اعتدال پسندی نشاۃ ثانیہ کے پس منظر میں، ترجمان

Marfat.com

القرآن، فروری 2007، فروری 2007، ص، 61

16۔ محمد بختیار حسن، اسلام اور معاصر سیاسی و معاشرتی افکار، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، ص188

17۔ محمد رضا خان، روشن خیالی اعتدال پسندی، ص58

18۔ القرآن الکریم، البقرہ:201

19۔ القرآن الکریم، القیامہ:36

20۔ القرآن الکریم، البقرہ:208

Marfat.com

Marfat.com

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

(احوال و آثار اور نظریہ درویش)

پیدائش، شجرۂ نسب:

آپ کا نام مسعود، لقب فرید الدین ہے۔ آپ بمطابق ۲۹ شعبان ۵۶۹ھ ملتان کے قصبہ کھوتوال المعروف کوٹھے والا میں پیدا ہوئے۔ (۱) والد کا نام شیخ جمال الدین سلیمان تھا جو کہ بڑے صوفی بزرگ اور ملتان کے قاضی تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے چچا اور مشہور بزرگ مخدوم عبد الرشید حقانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت شیخ احمد غوث رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ جمال الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ (۲) تمام تذکرہ نگار حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے نسب سے متعلق متفق ہیں کہ آپ نسباً فاروقی ہیں، نیز مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے اجداد میں سے ہیں۔ شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

بابا فرید الدین مسعود بن شیخ جمال الدین سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ محمد احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین المعروف فرخ شاہ کابلی بن شیخ احمد بن شیخ نصر الدین بن شیخ محمود شاہ بن شیخ سامان شاہ بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ ابو الفتح بن شیخ اسحاق بن خواجہ ابراہیم بن خواجہ ادہم بن شیخ سلیمان بن شیخ ناصر بن حضرت عبد اللہ بن امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۳)

بیسویں پشت پر آپ کا شجرہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس سے پہلے

Marfat.com

چھٹے جد شیخ شہاب الدین کابلی تھے جو تاریخ میں ''فرخ شاہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ کابل کے حکمران تھے۔ بعض کتب میں انہیں ''شاہ دین'' کہا گیا ہے۔ پندرہویں پشت میں خواجہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ ۱۷ نمبر پر آنے والے خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے عالم اور بزرگ تھے۔ والدہ بی بی قرسم بھی نہایت عبادت گزار اور درجہ ولایت پر فائز خاتون تھیں۔ اُن کا شجرہ نسب حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ملتا ہے۔ (۴)

موصوفہ کی عادت مبارکہ تھی کہ رات کے پچھلے پہر جب دنیا دار خواب غفلت میں بے سدھ سو رہے ہوتے تو وہ خالق کائنات سے محو راز و نیاز ہو جاتیں۔

ابتدائی تعلیم سے لے کر اجودھن تک حالات زندگی:

ابھی کم سن تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ان کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری ان کی والدہ کے سر آن پڑی۔ والدہ نے آپ کو گاؤں کے عالم کے پاس پڑھنے کے لیے بھیجا۔ نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ سبق ایک مرتبہ یاد کرتے ہمیشہ کے لیے ذہن نشین ہو جاتا۔ اوائل عمر ہی میں کلام الٰہی جیسی بارِ امانت کو سینے میں محفوظ کر لیا۔ کم عمری ہی سے نماز کے پابند ہو گئے۔ جب ابتدائی دینی کتب ختم کر لیں تو مزید تعلیم کے لیے ملتان بھجوا دیا۔ (۵) یہاں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قدم رنجہ فرمایا۔ فقہ کی معروف کتاب ''نافع'' پڑھی۔ آپ نے بہت کم وقت میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ریاضی کی کتب ختم کر لیں۔ بچپن ہی میں ''قاضی بچہ دیوانہ'' کہلائے۔ یہیں پر قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی جنہوں نے مس خام کو کندن بنا دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ عرض کی نافع پڑھ رہا ہوں۔ پوچھا کہ اس سے تمہیں کیا نفع ہو گا؟ عرض کی! (دیکھتے ہی دل کی دنیا زیر و زبر ہوئی اور فرمایا) آپ کی نظر کیمیا اثر سے نفع ملنے کی اُمید ضرور ہے۔ جواب کی فصاحت مسافر کے دل میں اتر گئی اور پل بھر میں دلوں کے سودے ہو گئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب مرشد نے سفر کا ارادہ کیا تو مرید نے ساتھ دینے کی خواہش ظاہر کی مرشد نے فرمایا:

مسعود! علوم ظاہری کی تکمیل میں مصروف رہو، یہ علوم باطنی کی بنیاد ہے، فارغ ہو کر دہلی

Marfat.com

چلے آنا۔ انشاءاللہ دل کی مراد پوری ہوگی۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت:

اس میں اختلاف ہے کہ کس مجلس میں بیعت ہوئی۔ خواجہ حسن نظامی اور نور احمد خان فریدی کے مطابق بیعت دہلی میں ہوئی۔ (۶) جبکہ اس ضمن میں ہماری رائے اس سے مختلف ہے قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیعت اسی مجلس میں ہوئی اور تربیت کے لیے ظاہری علوم کے حصول کے بعد آنے کا حکم دیا۔ کیونکہ بیعت کرنا ظاہری علوم میں رکاوٹ نہیں البتہ روحانی تربیت کے حصول میں ظاہری علوم دینیہ کی موجودگی ضروری ہے۔ بیعت کے وقت دہلی میں خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوری، علاؤالدین کرمانی، نورالدین مبارک، شمس الدین ترک اور بہت سے طالبان عشق حقیقی جمع تھے۔ اس موقع پر روحانیت کے عظیم بزرگ خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''فرید! مرشد میں اتنی قوت ضرور ہونی چاہیے کہ جو شخص اس سے بیعت کا طالب ہو اس کے سینے کو اسی وقت ایک نظر سے آلائش دنیا سے پاک کردے اور بیعت لے کر واصل الی اللہ کردے۔ اگر مرشد میں اتنی قوت نہیں تو پیر اور مرید دونوں گمراہی میں پھر رہے ہیں''۔(۷)

یہ وہ بنیاد ہے جو بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے اندر روحانیت کی پہلی اینٹ کے طور پر رکھی گئی اور بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اس بات کی شاہد ہے کہ آپ ان دونوں کمالات کے ابتدائی دن سے آخر تک حامل رہے۔

تحصیلِ علم، مرشد کے حکم پر دہلی، ہانسی اور اجودھن میں قیام:

دہلی میں خواجہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا بہت چرچا ہونے لگا اور آپ اس دوران پندرہ دن بعد مرشد کے پاس حاضری دیتے بخلاف بدرالدین غزنوی اور شیخ احمد نہروانی، یہ ہر وقت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہتے۔ اسی دوران آپ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ اس دوران زہد و تقویٰ کی اعلیٰ منازل طے کیں اور جب آپ کا باطنی تصرف ٹھاٹھیں مار کر عوام الناس پر ظاہر ہوا تو لوگوں کا آپ کے گرد بے پناہ

Marfat.com

ہجوم رہنے لگا اور خلقت ہر وقت دیوانہ وار آپ کے گرد جمع رہتی۔ (۸)

اس حالت میں یکسوئی حاصل نہ ہوئی تو آپ مرشد کے حکم سے ہانسی تشریف لے گئے۔ جب یہاں بھی معتقدین کا ہجوم ہونے لگا اور عبادت میں خلل واقع ہوا تو آپ اجودھن تشریف لے گئے۔ یہاں کے لوگ کافی درشت مزاج تھے کوئی پرسانِ حال نہ ہوا تو لطف آ گیا۔ تنہائی و سکون میں یکسوئی کے ساتھ عبادت جیسی نعمت کے متلاشی تو تھے لہذا اس جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ (۹)

اجودھن آ کر باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی جمہوریت کے پودے کو پروان چڑھانے کے لیے ایک اقامتی یونیورسٹی قائم کی، جسے تاریخ میں ''جماعت خانہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں لنگر خانہ قائم کیا گیا جہاں پر دکھی اور مظلوم کو پناہ ملتی۔ آپ نے مختلف مذاہب، مسالک اور تمدن کے پیروکاروں میں باقاعدہ فکری رابطہ پیدا کر دیا۔ یہ جماعت خانہ اس شعر کا مصداق تھا:

پلّے کدی خرچ نہ بنھدے پنچھی تے درویش
جنہاں نوں تقویٰ رب دا یارو، اونہاں نوں رزق ہمیش

ہماری رائے یہ ہے کہ ایک طرف ہمیں ہانسی اور اجودھن میں آپ کے آنے کی وجہ تبلیغِ اسلام ملتی ہے اور یہ ایسی اٹل حقیقت ہے کہ اس کا انکار اس وجہ سے بھی ممکن نہیں کہ پنجاب کے بے شمار قبائل مثلاً سیال، راجپوت، وٹو وغیرہ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا، قاسم محمود، ص ۱۱۶۲) آپ کی بدولت اسلام میں داخل ہوئے۔ جبکہ دوسری طرف آپ کی مختلف جگہ قیام کی وجہ یکسوئی ملتی ہے۔ تو اس میں دوسری رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ ملتان میں تعلیم حاصل کر کے آپ نے قندھار، نیشاپور، بخارا، بغداد اور روم و ایران کے سفر بھی کیے ہیں۔ مکہ اور مدینہ میں حاضری دی۔ حرمین میں تین سال جاروب کشی کی۔ ہانسی میں ابھی تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ فوت ہو گئے ہیں۔ بیدار ہوتے ہی دہلی جانے کا قصد کیا۔ پہنچے تو معلوم ہوا کہ واقعی مرشد کا انتقال ہو گیا تھا اور حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ وصیت خرقہ، مصلّٰی اور دیگر تبرکات دیں اور خلافت سے متعلق

Marfat.com

وصیت بتائی۔ کچھ روز بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہیں قیام پذیر رہے۔ ایک دن ایک درویش ہانسی سے ملنے آیا اور کہا کہ ہانسی کے لوگ آپ کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے پھر ہانسی کا رخ فرمایا اور کہا کہ میرے مرشد نے جو چیز مجھے عطا کی ہے (خلافت) وہ محدود نہیں (یعنی وہ کوئی ایسی نہیں کہ دنیا سے کنارہ کر کے ایک طرف بیٹھ کر اسے محدود کر دینا ہے) یہ خلافت تو لامحدود ہے۔ (۱۰)

اجودھن میں تبلیغِ اسلام:

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ تبلیغ کی خاطر صرف پنجاب میں ہی نہیں بلکہ شمالی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچے اور لوگوں سے آپ کا برتاؤ تارک الدنیا لوگوں جیسا ہرگز نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہانسی کے لوگوں کی خواہش پر آپ دہلی سے ہانسی آ گئے اور حقیقت یہ ہے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی میں قیام نہ کرنا اور ہانسی اور دیگر علاقوں میں تبلیغ اسلام کرنا ہی سلسلہ چشتیہ کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ (۱۱)

مخالفتِ حاسدین اور انجام:

ہانسی میں قیام کے دوران شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا کر کے پاکپتن اس لیے تشریف لے گئے کہ وہ جگہ کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی مخلوق سے بھری پڑی تھی اور اس علاقے کی طرف مدت سے تبلیغ کے لیے کسی ہستی کی آمد نہ ہوئی۔ یہ علاقہ جنگلات سے گھر احشرات الارض کا مسکن تھا اور دور دور تک مشرکین کی آبادیاں تھیں۔ آپ مغرب کی سمت کریر کے درخت کے نیچے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی نظر کیمیا اور اخلاق و اعلیٰ کردار کی بدولت بے شمار مشرک مسلمان ہو کر متقی و پرہیز گار بن گئے۔ اسی دوران مخالفت بھی شروع ہو گئی۔ مگر یہاں قابل حیرت بات یہ ہے کہ مخالفت کرنے والوں میں مشرکین سے زیادہ مسلمان اور قاضی شہر بھی شامل تھا۔ مختلف حربوں سے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنانے لگے۔ چنانچہ ان لوگوں نے علماء ملتان سے فتویٰ لینا چاہا اور کہا کہ ایسا شخص جو قوالی سنتا ہے، وجد و رقص کرتا ہے اور خود کو اہل علم بھی کہتا ہے۔ تو فقہاء نے اس کا نام دریافت

Marfat.com

کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ وہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ علمائے ملتان نے یہ کہہ کر فتویٰ دینے سے انکار کر دیا کہ یہ تو علوم شریعت کا عالم نہیں بلکہ عامل ہے۔ پھر قتل کا منصوبہ بنایا گیا۔ جب لالچی شخص تیز دھار آلہ لے کر پہنچا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سجدہ میں پڑے تھے۔ فرمایا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ (اولیاء) یہاں کوئی موجود ہے؟ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی، حضور! کوئی نہیں۔ فرمایا یہاں ایک سفید رنگ کے مندرے پہنے لالچی چھپا کھڑا ہے، اسے کہو کہ اپنی آخرت خراب نہ کرے اور چلا جائے، یہ شخص میرے قتل کا منصوبہ لے کر آیا ہے۔ وہ لالچی بھاگ کھڑا ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ سب حاسد بھی آپ کے عقیدت مند بن گئے۔ (۱۲)

آپ بقیہ ساری زندگی اجودھن ہی میں رہے اور اجودھن کے لوگ آپ کے اخلاق و عادات سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ کے عقیدت مند بن گئے۔ اسی عقیدت مندی کی بناء پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دریائے ستلج کے قریب مسکن بنایا۔ کنارے کو ''پتن'' کہا جاتا ہے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے وضو و غسل کے لیے اس نالے کے ساتھ ڈیرہ بنایا۔ آپ کے مسکن کو ''پاک پتن'' پکارا جانے لگا اور یہی نام آج تک لوگوں کی زبان پر موجود ہے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کو خیر باد کہہ کر اجودھن اس لیے پسند کیا تا کہ آپ حکومتی مرکز سے دور رہیں۔ آپ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے عقد میں سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی تھی۔ لیکن کسی معاصر مؤرخ یا تذکرہ نویس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ دوسرا یہ کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا سلاطین اور امراء کی طرف جو رویہ تھا اس قسم کے رشتہ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ (۱۳)

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے تجرد کی زندگی کو پسند نہیں کیا۔ آپ نے بھرپور ازدواجی زندگی گزاری، کثیر الاولاد بھی تھے لیکن مال و منال اور اولاد کو اپنی حد میں رکھ کر ثابت کر دیا کہ صاحب اولاد ہو کر بھی خالق کائنات کے حقوق ادا کیے جاسکتے ہیں۔ اجودھن کے قاضی نے کوتوال شہر کو اپنے ساتھ ملا کر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے اہل خانہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ آپ کا بڑا صاحبزادہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکا تو اپنے بلند مرتبہ باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دکھ بھرے لہجے میں کہنے لگا:

Marfat.com

''بابا جان! آپ کے روحانی فضل وکمال نے ہمیں عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حاکم وقت کا رویہ اب نا قابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔''

یہ سن کر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا عصا زور سے زمین پر دے مارا، گویا کہہ رہے ہوں ''خس کم جہاں پاک'' یہ ضرب درویش کام کر گئی، حاکم وقت مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔

مقبولیت خاص وعام:

آدھی رات تک آپ کا دروازہ عقیدت مندوں اور ہر خاص وعام کے لیے کھلا رہتا۔ حتیٰ کہ آپ کے دین کے مخالف یعنی ہندو جوگی بھی حاضر خدمت ہوتے اور آپ کا اعلیٰ اخلاق تو اس قدر تھا کہ ہر نئے آنے والے کو اس طرح ملتے کہ گویا برسوں کے آشنا معلوم ہوتے۔ تا آخر بھی یہ آپ کی شہرت اور مقبولیت خاص وعام ہی تھی کہ برصغیر کے بے شمار علاقوں میں سلسلہ چشتیہ پوری آب وتاب سے چمک رہا ہے۔ شیخ بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے مگر انہوں نے فرمایا کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتنے اعلیٰ کردار کے مالک تھے کہ خلوت وجلوت میں ذرا برابر تضاد نہ تھا۔

عبادت وریاضت اور معمولات:

آپ نے راہِ سلوک میں بڑی محنتیں کیں۔ کنویں میں الٹا لٹک کر چلہ (چلہ معکوس) بھی کیا۔ ایک عرصہ تک صبح نماز کے بعد طویل سجدہ کرتے رہے اور شب بیداری آپ کا خاصہ رہی۔ رمضان میں ہر رات تراویح میں دو بار ختم قرآن کرتے۔ صائم الدھر تھے۔ گریہ وزاری معمول سے زیادہ کرتے۔ سادگی اور اعلیٰ اخلاق آپ کی پہچان تھی۔ طہارت و پاکیزگی فطرت ثانیہ تھی۔ ہر روز غسل فرماتے اور مخلوق پر بڑے مہربان تھے۔ آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ چالیس سال تک بندہ مسعود کو جو رب نے فرمایا وہی کیا۔ اب چند برسوں سے بندہ پر مولیٰ کا خاص انعام ہوا ہے کہ جو بندے کے دل میں آرزو پیدا ہوتی ہے۔ وہی پوری ہو جاتی ہے۔ (۱۴)

Marfat.com

’’گنج شکر‘‘ کی وجہ تسمیہ:

مختلف تذکرہ نگاروں نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ بچپن میں والدہ نماز کی پابندی کرانے کے لیے مصلے کے نیچے پڑیا شکر کی رکھ دیتی تھیں اور بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتیں کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں انہیں مصلے سے روزانہ شکر کی پڑیا ملتی ہے۔ ایک دن پڑیا رکھنا بھول گئیں جب بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھی تو شکر معمول کے مطابق پائی۔ اس بات کا جب والدہ کو پتا چلا تو مسعود کی بجائے ’’گنج شکر‘‘ پکارنے لگیں۔ جبکہ ’’اخبار الاخیار‘‘ میں درج ہے کہ سوداگر سواری پر شکر لاد کر جا رہا تھا۔ ملتان سے دہلی جب اجودھن (پاکپتن) پہنچا تو بابا رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کیا ہے؟ سوداگر نے جان بوجھ کر کہا نمک ہے۔ جب دہلی پہنچا تو دیکھا کہ شکر نمک بن گئی تھی۔ واپس اجودھن آیا اور معافی کا خواستگار ہوا تو وہ بوریاں پھر شکر بن گئیں۔ (۱۵)

جبکہ ’’سفینۃ الاولیاء‘‘ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو روزہ رکھے سات دن گزر گئے اور افطاری کے لیے کچھ میسر نہ آیا تو ساتویں روز بھوک کی شدت کی وجہ سے کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈال لیں، مگر خدا کی طرف سے وہ کنکریاں شکر بن گئیں۔ جب یہ بات خواجہ قطب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے سنی تو فرمایا:

فرید تو ’’گنج شکر‘‘ ہے۔ (۱۶)

بہر حال گنج شکر کی وجہ تسمیہ کچھ بھی ہو، گنج شکر بننے کی تاریخ یا پس منظر کچھ بھی ہو مگر ایک بات یقیناً درست ہے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والا قاری یہ بات کہے بغیر نہیں رہ پاتا کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج شکر کی طرح میٹھا تھا۔

شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت:

یہاں یہ بات بھی بیان طلب ہے کہ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ

Marfat.com

چشتیہ کو تقویت دینے والا بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سہروردیہ سلسلے کے مہتاب شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور اُن کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ ''عوارف المعارف'' کا قلمی نسخہ ہر وقت پیش نظر رہتا اور یہ آپ ہی کی بدولت ہے کہ جب ہم پڑھتے ہیں کہ سہروردی سلسلہ کی کتاب ''عوارف المعارف'' سلسلہ چشتیہ میں پڑھائی جاتی رہی تو یہ اصل میں بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت اور بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کی بناء پر تھی۔ حتیٰ کہ اپنے ایک بیٹے کا نام بھی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے ''شہاب الدین'' رکھا۔ (۱۷) جب بھی خط تحریر کرتے بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو ''شیخ الاسلام'' لکھتے۔ استفسار کرنے پر بتایا کہ لوح محفوظ پر ایسا ہی لکھا ہوا دیکھا۔ (۱۸)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جب فرید رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت نامہ حاصل کیا اور مہر تصدیق لگوانے کے لیے جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے مہر لگانے کے بعد یہ قلمی نسخہ بھی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ذوالحج ۶۲۳ھ میں بیمار ہوئے اور بیماری نے شدت اختیار کر لی مگر فرائض کے ساتھ نفلی عبادت بھی ترک نہ ہونے دی۔ محرم کی چار تاریخ کو وصیت کی اور خلافت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی۔ بعد مغرب طبیعت زیادہ خراب ہوگئی مگر عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی۔ پھر شدت بیماری سے عالم غشی میں چلے گئے۔ ذرا افاقہ ہوا تو پوچھا میں نے عشاء کی نماز پڑھی ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں! فرمایا پھر نہ پڑھ لوں۔ اسی طرح تیسری بار۔۔۔اور جواباً ارشاد فرمایا کہ دل کرتا ہے پھر پڑھ لوں۔ تیسری مرتبہ تازہ وضو کیا اور عشاء مکمل بمع وتر پڑھی اور اونچی آواز سے یاحی یاقیوم کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (۱۹)

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے مرگ سے قبل اپنا جبہ، مصلیٰ اور عصا سید محمد کرمانی جو دہلی سے تشریف لائے تھے، کو سپرد کرتے ہوئے ہدایت کی کہ یہ تبرکات نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچا دیے جائیں۔

Marfat.com

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مشن آگے بڑھانے کے لیے ۲ ربیع الاول ٦٥٦ھ کو قائم مقام نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں بنا کر رشد و ہدایت کا کام اُن کے سپرد کر دیا تھا۔

ذوق سماع اور خلفاء:

ایک روز بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو سماع کا ذوق ہوا۔ اتفاق سے اس وقت کوئی قوال موجود نہ تھا۔ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جو خط حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھیجا ہے، پڑھو۔ جونہی حمد و ثناء سے الفاظ فقیر، حقیر نحیف، ضعیف المعروف حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچے، بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ان الفاظ سے رقت طاری ہوگئی۔ ایک روز سماع کی حرمت اور حلت پر گفتگو ہو رہی تھی، فرمایا سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور لوگ ابھی اختلاف میں ہوں۔ اور فرمایا سماع ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو ایسے مستغرق ہوں کہ لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماریں تو انہیں خبر نہ ہو۔ (۲۱)

آپ کے خلفاء بے شمار ہیں چند درج ذیل ہیں: (۲۲)

(۱) شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۳ھ تا ۶۵۹ھ)

(۲) شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ (۵۷۱ھ تا ۶۶۴ھ)

(۳) علاؤ الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ (۶۱۴ھ تا ۶۶۹ھ)

(۴) شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ (۶۹۴ھ)

(۵) نصیر الدین متبنی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۷ھ تا)

(۶) بدر الدین سلیمان فرزند اکبر رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۵ھ تا ۶۶۵ھ)

(۷) حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (۶۴۳ھ تا ۷۲۵ھ)

آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں: ''راحت القلوب''، ''اسرار اولیاء''۔ اور سکھوں کی مقدس کتاب ''گرنتھ صاحب'' میں آپ کا کلام منظوم ''شلوک فرید'' اور ''بول فرید'' کے نام سے موجود ہے۔

Marfat.com

ملفوظات۔۔۔اسرارالاولیاء، راحت القلوب:

''اسرارالاولیاء'' آپ کے مرید بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیے، اس میں بائیس فصول ہیں۔ اصل میں بدرالدین اسحاق آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات لکھ لیتے تھے اور انہیں پھر ایک ترتیب سے منظر عام پر لایا گیا۔ اسرارالالیاء میں اسرار الٰہی اور اس ضمن میں واقعات، عابدوں کی اقسام، اقسام توبہ، تلاوت قرآن کی فضیلت، کمبل، صوف، خرقہ وکلاہ کا ذکر، خوف ورجا، محبت الٰہی، عداوتِ دنیا، بزرگوں سے عقیدت، درویشی، کشف وکرامات وغیرہ کے موضوعات پر بڑی بحث ہے۔ (۲۳)

''راحت القلوب'' خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کی۔ اس میں مجالس کی تقسیم ہے۔ اس میں پچپس مجالس ہیں۔ پندرہ رجب ۶۵۵ھ بدھ تا دو ربیع الاول ۶۵۶ھ عرصہ پر مشتمل یہ مجالس خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیں۔ اس میں درویشی، میز بانی، مرید کرنے کا طریقہ، بیان سلوک، عالم معرفت، ترک دنیا، عدل فاروقی رحمۃ اللہ علیہ، کرامات اولیاء، شب معراج کا ذکر، فضیلت رمضان وشب قدر، فضیلت ذوالحج، فضیلت دورد پاک اور بے شمار مواقع پر پڑھی جانے والی مجرب دعاؤں کے مضامین ملتے ہیں۔ انتہائی رقت انگریز دعائیں اور پرخلوص اندازِ تبلیغ آپ کے ان ملفوظات میں واضح ملتی ہے: (۲۴)

کلامِ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ ''شلوک فرید رحمۃ اللہ علیہ''، ''بول فرید رحمۃ اللہ علیہ'' کا نمونہ:

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو پنجابی زبان کا پہلا شاعر گردانا جاتا ہے۔ ان کا تعلق سولہویں صدی کے شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ، سترہویں صدی کے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اٹھارہویں صدی کے بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور بیسویں صدی کے میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ پنجابی صوفیانہ شاعری کا آغاز آپ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ عربی، فارسی پر بھی عبور رکھتے تھے مگر تبلیغ کے لیے مقامی زبان کو پسند فرمایا۔ پنجابی زبان میں اس لیے شاید شعر کہے کہ یہاں کے لوگوں کے دل

Marfat.com

میں گھر کرے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس قدر مقبول ہوا کہ سکھوں کے مذہبی لٹریچر ''گرنتھ صاحب'' میں بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کو ''شلوک فرید''، ''بول فرید'' کے نام سے شامل کیا گیا۔ ان کے ۱۳۰ اشعار اس کتاب میں شامل ہیں۔ ذیل میں چند نمونے کلام فریدؒ رحمۃ اللہ علیہ سے درج ہیں۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا موضوع تصوف و اخلاقیات ہے۔ ذات کی پہچان، اصلاح نفس، عبادت، عاجزی وغیرہ کا درس ملتا ہے۔ اپنی شاعری میں نہ صرف اس دور کی تصویر کشی کی بلکہ معاشرے کو بدلنے کی تجویزیں بھی دیں۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے شلوک پڑھ کر اس دور کی طبقاتی کشمکش کا بھی پتہ چلتا ہے جس کا اس معاشرے میں چلن ہو چکا تھا۔

فرید !! کالے مینڈھے کپڑے کالا مینڈا ویس
گناہیں بھر یا میں پھراں ، لوک کہیں درویش
رکھی سکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی
فریدا ! دیکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جی
فریدا ! جے تو عقل لطیف ، کالے لکھ نہ لیکھ
اپنے گریوان میں، سرنیواں کر دیکھ
فریدا ! کوٹھے منڈپ ماڑیاں ، ایت نہ لائیے چت
مٹی پئی آلولو یں کوئی نہ ہوسی مِت
فریدا ! من میدان کرٹوئے ٹبے لاہ
اگے مول نہ آوسی دوزخ سندی بھاہ
فریدا ! میں نوں مار کے منج نکی کر کے کٹ
بھرے خزانے رب دے جو بھاوے سو لٹ
اٹھ فریدا وضو ساج، صبح نماز گزار
جو سر سائیں نہ نیوے سو سرکپ اتار
فریدا ! بے نماز کتیا ایہہ نہ بھلی ریت

Marfat.com

کدی چل نہ آیوں پنجے وقت مسیت
فریدا ! چار گوائیاں ہنڈ کے، چار گوائیاں سم
لیکھا رب منگیا توں آیوں کیہڑے کم
فریدا ! روٹی میری کاٹھ دی لاون میری بھکھ
جنہاں کھادی چوپڑی گھنے سہن گے دُکھ

(یہاں چوپڑی روٹی سے مراد وہ مرغن غذائیں ہیں جو دوسروں کا استحصال کر کے جائز و ناجائز طریقے سے انسان حاصل کرتا ہے۔)

فریدا ! رتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئی
جوتن رتے رب سیوں تن تن رت نہ ہووے (۲۵)

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اجودھن کو پاک پتن بنایا۔ پاک پتن نے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو شلوک اور بہشتی دروازہ دیا۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری عوام دوست شاعری تھی۔ وہ شاہی دربار سے دور اور عوام سے قریب رہے۔ انہوں نے ہر سطح کے لوگوں سے خطاب کیا لیکن جنگلوں میں بوریا نشینی کو پسند کیا۔ فیض لکھتا ہے کہ میں پنجابی میں اس لیے نہیں لکھ سکتا تھا کیونکہ اس طرح ماڈل ٹاؤن چھوڑ کر کچی بستیوں میں رہنا اور زمین پر بیٹھنا پڑتا ہے۔

افضل حیدر کہتے ہیں: ''آج کے مسائل کا حل فکر فرید رحمۃ اللہ علیہ کو عام کرنے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔'' کیونکہ فکرِ فرید رحمۃ اللہ علیہ کا اہم پہلو انسان دوستی ہے۔ بابا جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے تین سو سال بعد ہیومین ازم (انسان دوستی) کی بنیاد پر تحریکوں نے مغرب میں جڑ پکڑی لیکن حقیقت سے دیکھا جائے تو بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہی اس تحریک کے بانی ہیں۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری اور کلام کی طاقت دیکھیے کہ یہ کلام گرو گرنتھ کا حصّہ بن گیا۔ گرونانک کے علاوہ وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا حق ادا کیا۔ اس کے علاوہ شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ، سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ، وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ، میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ سب اہل دل حضرات اپنی اپنی فکر کی پیاس بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بجھاتے رہے۔

Marfat.com

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ درویش:

بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف اسلام کا پرچار کرنے والے عظیم مبلغِ اسلام تھے تو دوسری طرف مسلمان ہونے والے لوگوں کے لیے بہترین تربیت کرنے والے عظیم صوفی بزرگ۔ آپ کی تعلیمات کا کچھ حصہ آج بھی کتابی شکل میں موجود ہے۔ آپ کے بائیس لیکچرز کو خواجہ بدرالدین اسحٰق نے قلمبند کیا اور تقریباً پچیس کو خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند کیا۔ اگر بغور ان خطبات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بات جو تمام لیکچرز میں حاوی نظر آتی ہے۔ وہ ہے ان کی تربیت کے راہنما اصول۔ راہِ سلوک میں سفر کرنے والے ہر سالک کو "درویش" کا نام دیتے ہیں اور ان کی تربیت کے لیے ہر اچھی بات کر کے درویش کو اس پر عمل کرنے کے لیے اکساتے ہیں۔

درویش کی تعریف میں فرماتے ہیں درویشی کا معنی قناعت ہے کہ جو کچھ درویش کے پاس آئے وہ راہِ خدا میں لٹا دے۔ اربابِ طریقت نے زکوٰۃ کی تین اقسام بیان فرمائیں۔ زکوٰۃ شریعت چالیس درہم میں سے پانچ (۲۷) درہم راہِ خداہ میں لٹا دے۔ دوسری زکوٰۃ طریقت چالیس درہم ہوں تو پانچ پاس رکھے اور باقی راہ خدا میں خرچ کر دے۔ تیسری زکوٰۃ حقیقت چالیس درہم ہوں تو سب کے سب راہ خدا میں لٹا دے۔ (۲۸)

فرمایا: درویشی پردہ پوشی ہے۔ درویش مخلوق کی پردہ پوشی کرے آنکھیں اندھی کر لے تا کہ لوگوں کے عیب نہ دیکھ سکے، کان بہرے کر لے تا کہ لغویات سننے سے بچ جائے۔ زبان گونگی کر لے تا کہ غلط بات نہ کرے، پاؤں ایک جگہ رکھے تا کہ بری جگہوں پر نہ جا سکے۔ (۲۹)

فرمایا جو درویش دنیا کی طلب میں رہتا ہے یا دنیاوی محبت کو دل میں جگہ دیتا ہے۔ وہ طریقت کا مرتد ہے۔ بلکہ امیروں کی ہم نشینی سے بھی درویش بچے کیونکہ صحبتِ اغنیاء، درویش کے لیے زہرِ قاتل ہے کہ جب دنیاداروں کی صحبت میں بیٹھے گا تو دنیاوی محبت خدا کی محبت سے دور کر دیتی ہے۔ (۳۰)

درویشی تو یہ ہے کہ متاع سوائے ایک ٹوٹے گھڑے کے کچھ نہ ہو۔ رات دن اپنا محاسبہ

Marfat.com

ہواور توکل علی اللہ ہو۔ کیونکہ محاسبہ میں دل کی اصلاح ہوتی ہے جب تک درویش کا دل منافقت ،کینہ، حسد، تکبر، بغض، غصہ، ریاکاری اور دنیاوی محبت سے پاک نہ ہو، وہ درویش ہو ہی نہیں سکتا۔ (۳۱)

درویشی میں آنے سے پہلے سچے دل سے توبہ اور عبادت میں لگن کو بنیاد قرار دیتے ہیں بلکہ مرید کرنے سے پہلے ہی مرید کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کرنا مرشد کے لیے ضروری تصور کرتے ہیں اور مرشد کے پاس آنے سے قبل ہی مرید سچے دل سے توبہ کرے۔

دوسرا یہ کہ درویش ہر لحہ یادالٰہی سے اپنے دل کو منور رکھے اور احکامات خداوندی کی بجا آوری میں شوق رکھے۔ اہلِ سلوک کبھی یادالٰہی سے غافل نہیں ہوتے اور جب یادالٰہی سے غفلت ہو تو اپنے کو مردہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ (۳۲)

درویشی میں خرقہ کی اہمیّت:

درویشی میں خرقہ خاص اہمیّت کا حامل ہے۔ خرقہ سنت انبیاء واولیاء ہے۔ خرقہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا جب وہ آتش نمرود میں جانے لگے۔ پھر حضور اکرم ﷺ کو معراج کی رات عطا ہوا۔ خرقہ اصل میں وہ لباس ہے جو درویش (نہایت سادہ کپڑے) پہنتے ہیں۔ فرمایا کہ خرقہ کا حق دار صرف وہی ہے جو ہر وقت محبت الٰہی سے سرشار ہے، جو دنیاوی آلائشوں سے پاک رہے، زنگ آلود باطن پر خرقہ پہننا بھی بہت بُرا ہے۔ فرمایا کہ خرقہ پہننا بہت آسان ہے مگر اس کے لوازمات پورے کرنا بہت مشکل ہے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ خرقہ اصل میں وہ حلیہ بنانا ہے جو کہ درویش وصوفیا کا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں بھی صوفیاء کی طرح ظاہر وباطن رکھنا یہ مشکل ہے۔ اسی لیے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اس کو لوازمات پر اتنا زور دیتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ فرشتے دو درویشوں کو آگ کے لباس پہنا کر جہنم لے جا رہے ہیں۔ اس بزرگ نے عرض کی یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا یہ پیر اور مرید ہیں۔ اس پیر نے مرید کو خرقہ عطا کیا مگر مرید نے خرقہ کا حق ادا نہ کیا۔ (۳۳)

Marfat.com

کمبل اور اس کے لوازمات:

درویشی میں آجانے کے بعد دوسرا بڑا مقام کمبل کو دیتے ہیں جو شیخ کامل اپنے مرید کو دیتا ہے۔اس کا اہل بھی وہی مرید ہوسکتا ہے جس میں دنیاوی آلودگیوں کا ذرا سا شائبہ بھی نہ ہو۔ فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے وصال کے وقت اپنا کمبل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کیا۔ یہ کمبل اصل میں راہِ سلوک پر چلنے والوں کو مرشد کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے جب توبہ کی تو ان کے مرشد نے انہیں کمبل عطا کیا۔ جب سے کمبل کندھے پر ڈالا اس کے بعد چالیس سال تک ان کو کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا اور فرماتے تھے کہ جب سے کمبل لیا ہے ہر وقت محاسبہ کرتا رہتا ہوں اور اسی فکر میں کبھی ہنسنا نصیب نہیں ہوا۔ فرمایا کہ جب آدمی کمبل اپنے اوپر لے لے تو دولت مندوں اور دنیاداروں سے دور ہو جائے اور جو ایسا نہ کرے اس سے یہ لباس ہی چھین لینا چاہیے۔ (۳۴)

طاقیہ (ٹوپی) بطورِ خلافت اور اس کی اہمیت:

صوفیاء طاقیہ یعنی چار کونوں والی سفید ٹوپی کو بڑی اہمیّت دیتے ہیں۔ بالخصوص اصحاب چشتیہ، بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں ٹوپی چار کونوں والی ہی ہو۔ اس کا حق دار مرشد کامل صرف اسے بنائے جو دنیا سے بیزار، دولت مندوں اور امراء کی ہم نشینی سے کوسوں دور اور صدقِ صدیق رضی اللہ علیہ، عدلِ فاروق رضی اللہ عنہ، حیاءِ عثمان رضی اللہ عنہ، زُہدِ علی رضی اللہ عنہ کا حامل ہو۔ طاقیہ کے چار کونوں کا مطلب ہے کہ ایک کونہ شریعت کا، دوسرا کونہ طریقت کا، تیسرا کونہ معرفت کا اور چوتھا کونہ حقیقت کا۔ لہٰذا اس کا حق دار وہی ہے کہ جو ان چاروں باتوں کا اہل ہو۔ (۳۵) فرمایا کہ جو ٹوپی پہن کر اس کا حق ادا نہ کرے گا وہ اس دنیا میں بے سکون اور آخرت میں ذلیل ہوگا۔

عشق کو درویش کی اصل منزل قرار دیتے ہیں اور درویش کا آخری مقام حصولِ عشق الٰہی ہے۔ فرمایا کہ منصور نے جب شراب عشق پی تو بے خود ہوگیا اور نعرہ ''اناالحق'' بلند کر دیا۔ اگر وہ جواں مرد ہوتا تو شرابِ محبت پی کر آپے سے باہر نہ ہوتا۔ اے درویش! تو ایسا نہ ہو بلکہ اپنے

Marfat.com

پیشِ نظران مردانِ عشق و محبت کو رکھ جو کہ شراب محبت کے لاکھوں دریا نوش کر گئے مگر کوئی علامت ظاہر نہ ہونے دی۔ محبت الٰہی کے دعویٰ دار تب منزل پائیں گے جب محبت میں ثابت قدم رہیں اور وقت کے ساتھ محبت بڑھائیں۔ عشقِ الٰہی ایسی منزل ہے کہ جب بندہ اس کو حاصل کر لے تو ہر منزل اس کے آگے ہیچ ہے۔ عاشق تو ایسا ہو جو ہر آن محبوب کی طرف نظر رکھے۔ ایک درویش جو عشق الٰہی کی دولت سے مالا مال تھے، مناجات کرتے کہ اے اللہ! اگر تو نے کل قیامت کے دن مجھے آگ میں جھونکا تو میں تیرے عشق کی ایسی آہ نکالوں گا جو دوزخ کی آگ کو ختم کر دے گی۔ (۳۶)

خلاصہ:

یہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ درویشی ہے۔ آپ اپنے مریدین کو ایک درویش بنا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور درویشی میں آپ جن باتوں پر بڑا زور دیتے ہیں۔ ان میں درویش دنیا کی محبت سے پاک ہو ظاہر شریعت کا آئینہ دار ہو، باطن مخالفِ حق کدورتوں سے پاک وصاف ہو، یادِ الٰہی میں منہمک، دنیاداروں، دولت مندوں سے دور، انفاق فی سبیل اللہ کا اعلیٰ نمونہ، عشق حقیقی کا طالب علوم شریعۃ کا عالم ہو۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سہل انداز سے اور دورِ حاضر سے ہم آہنگ کر کے اس طرح پیش کی جائیں کہ ہر پڑھنے والا ان کی تعلیمات پر عمل کر سکے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ داراشکوہ شہزادہ، سفینۃ الاولیاء، مترجم محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۱۳۲۔

۲۔ فریدی، نوری احمد خان، تذکرہ بہاؤ الدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ (بارانِ طریقت)، قصر الادب نور محل، شجاع آباد ملتان، ۱۹۵۴ء، ص ۸۲۔

۳۔ نظامی، عابد، مقدمہ مترجم راحت القلوب، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۱۴۷۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۷

۵۔ فریدی، نور احمد خان، تذکرہ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ (بارانِ رحمت)، ۱۹۵۴ء، ص ۱۴۷

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۷۔ نظامی عابد، مقدمہ مترجم راحت القلوب، ص ۱۹

۸۔ معین الدین مولانا خطیب اجمیر، تذکرۃ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۰

۹۔ فریدی نور احمد خان، تذکرہ بہاء الدین زکریا (بارانِ رحمت)، ص ۱۵۱

۱۰۔ معین الدین مولانا خطیب اجمیر، تذکرۃ خواجہ معین الدین اجمیری، ص ۲۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۹، ۳۰

۱۲۔ نظامی عابد، مقدمہ مترجم راحت القلوب، ص ۲۵ تا ۲۷

Marfat.com

۱۳۔ نظامی، خلیق احمد پروفیسر، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، نگارشات ایڈیشن، ص۱۶۷
مزید دیکھیے سید افضل حیدر، فرید، نانک، بلھا، وارث، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص۱۲

۱۴۔ نظامی عابد، مقدمہ مترجم راحت القلوب، ص۳۴

۱۵۔ ایضاً، ص۲۰

۱۶۔ داراشکوہ شہزادہ، سفینۃ الاولیاء، ص۱۲۳

۱۷۔ فریدی نور احمد خان، تذکرہ بہاؤالدین زکریا (یارانِ طریقت)، ص۱۵۱

۱۸۔ امیر خورد، سیر الاولیاء، ص۸۲، بحوالہ اسرار الاولیاء، ص۴۸

۱۹۔ نظامی عابد، مقدمہ مترجم راحت القلوب، ص۳۳

۲۰۔ داراشکوہ شہزادہ، سفینۃ الاولیاء، ص۱۳۲

۲۱۔ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ خواجہ، راحت القلوب، مترجم ملا واحدی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص۱۲، ۳۲

۲۲۔ نظامی عابد، مقدمہ مترجم راحت القلوب، ص۳

۲۳۔ بدرالدین اسحاق خواجہ، اسرار الاولیاء، مترجم اعظم سعیدی، ضیاء الدین پبلی کیشنز کراچی، ص۲۰۶ تا ۲۰۸ خلاصہ

۲۴۔ نظام الدین اولیاء خواجہ، راحت القلوب، مترجم ملا واحدی، ص۵۵ تا ۱۷۵

۲۵۔ رزاق شاہد، لہراں بہراں، انسان دوست پبلشرز ملتان، ۱۹۹۴ء، ص۲۷۶ تا ۲۷۹

۲۶۔ قاسم محمود سید اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی، ۱۹۸۴ء، ص۱۱۶۲

۲۷۔ شریعت میں تو چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ ہے مگر صوفیاء چالیس درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ کہتے ہیں

۲۸۔ نظام الدین اولیاء، راحت القلوب، مترجم ملا واحدی دہلوی، ص۵۶

۲۹۔ ایضاً، ص۵۹

Marfat.com

۳۰۔ ایضاً، ص ۶۷

۳۱۔ بدرالدین اسحاق، اسرارالاولیاء، ص ۱۱۷

۳۲۔ راحت القلوب، ص ۱۲۱

۳۳۔ اسرارالاولیاء، ص ۱۰۲

۳۴۔ اسرارالاولیاء، ص ۱۱۵

۳۵۔ اسرارالاولیاء، ص ۱۵۴، ۱۵۵

۳۶۔ اسرارالاولیاء، ص ۳۶

Marfat.com

فوائد الفواد کا خصوصی مطالعہ

اسلامی تصوف چوتھی صدی ہجری تک مختلف مراحل طے کرتا ہوا ایک اہم موضوع کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ابونصر سراج کی اللمع فی التصوف، ابوبکر کلاباذی کی التعرف لمذھب اہل التصوف اور ابو طالب المکی کی قوت القلوب جیسی تصوف پر جامع کتابیں مرتب ہو چکی تھیں۔ اس کے علاوہ تصوف کی مشہور کتابوں میں طبقات الصوفیہ از ابو عبدالرحمٰن السلمی، حلیۃ الاولیاء از ابونعیم الاصبہانی، الرسالہ القشیریہ از امام قشیری، کشف المحجوب از علی بن عثمان ہجویری، طبقات الصوفیہ از عبداللہ ہروی، تذکرۃ الاولیاء از فرید الدین عطار، عوارف المعارف از سہروردی، الفتوحات المکیہ از ابن عربی اور فوائد الفواد از خواجہ نظام الدین اولیاء، قابل ذکر ہیں (۱) اس مقالہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی تصنیف فوائد الفواد کا ایک جائزہ پیش کیا جانا مقصود ہے۔

یہ دور علمی ترقی کا دور تھا۔ ہندوستان کی پہلی کتاب ''سدھانت'' کا عربی میں ترجمہ ہو چکا تھا اور اسے السند (ہند) کا نام دیا گیا تھا۔ عالم و فاضل لوگ موجود تھے لیکن انہوں نے اشاعت اسلام کیلئے خاص کچھ نہ کیا۔ فوائد الفواد کے مصنف کے دور میں جن مزید مشہور کتب متداول کا حوالہ دیا جا سکتا ہے ان میں مقامات حریری اور مشارق الانوار خاص مقبول تھیں۔ سیاسی طور پر یہ دور خاندان غلاماں اور خاندان خلجی کے زیر اثر تھا۔ یہ وہ دور تھا کہ کھوکروں کا ظلم و تعدی زوروں پر تھا۔ سندھ میں خودمختار حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اچ اور ملتان میں قدرے سکون تھا۔ صوفیاء کی تصانیف میں داتا گنج بخش کی کشف المحجوب نمایاں تھی۔ علاوہ ازیں حمید الدین ناگوری کے مکتوبات مشہور ہوئے۔ (۲)

Marfat.com

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (محبوب الٰہی) کے حالات زندگی:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

''اے وہ کہ تیری آتش فراق نے دلوں کو کباب کر دیا ہے تیرے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو ویران کر کے رکھ دیا ہے۔''

آپ کا اسم مبارک محمد اور لقب محبوب الٰہی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا بعد ازاں آپ کے دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب اپنے اہل و عیال سمیت بدایوں تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کے نانا نیک اور متقی شخص تھے چنانچہ بادشاہ وقت نے انہیں بدایوں کا قاضی مقرر کیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین بدایوں میں 27 صفر 636ھ/09 اکتوبر 1238ء میں پیدا ہوئے۔ پانچ برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ جو کہ عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں اس نے دریتیم کو آغوشِ محبت میں پالا۔ آپ نے مولانا علاؤ الدین اصولی سے فقہ (قدوری) پڑھی۔ دہلی جا کر شمس الملک، شمس الدین دامغانی سے مقامات حریری کا مطالعہ کیا۔ مولانا کمال الدین اور مولانا احمد تبریزی سے درس حدیث لیا۔ مختلف مشاہیر سے علم ہئیت علم فقہ و اصول، علم تفسیر اور علم ہندسہ میں مشق حاصل کی۔ (۳)

جب آپ دہلی آئے تو اتفاقاً حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں مکان لیا۔ اس سے بابا فرید کی محبت میں اضافہ اور پابوسی کا شوق اجاگر ہوا۔ چنانچہ آپ نے اجودھن کا رختِ سفر باندھا۔ حضرت بابا کے پاس ساڑھے سات ماہ تک رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ان دنوں مولانا بدر الدین اور شیخ جمال الدین ہانسوی جیسی ہستیاں بھی اس درگاہ میں تربیت حاصل کر رہی تھیں۔ (۴)

ایک دفعہ آپ پیر و مرشد کی خدمت میں تنہا تھے بابا فرید کچھ اشعار پڑھتے اور سر مبارک

Marfat.com

سجدہ میں لے جاتے۔ خواجہ نظام الدین نے اپنا سر قدموں پر رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا جو مانگتے ہو مانگو، خواجہ نے استقامت طلب کی جو آپ نے عنایت فرمائی اور خلافت عطا کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھے علم و عقل اور عشق بخشا ہے جس میں یہ تین صفتیں ہوں وہ خلافت کے لائق ہے اور فرمایا جس سے قرض لو اسے جلد واپس کرو۔ دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی کوشش کرو بابا نے آخری ملاقات کے بعد فرمایا تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی۔ پھر نصیحت فرمائی کہ حصول کے لیے برابر مجاہدہ کرتے رہنا۔ بابا نے وقت وفات اپنا عصا اور خرقہ جو قطب الدین بختیار کاکی سے ملا تھا، مولانا بدرالدین کے ذریعہ خواجہ صاحب کو دہلی بھجوا دیا۔ (۵)

اپنے مرشد سے رخصت ہو کر خواجہ صاحب دہلی آ گئے، اپنے شیخ کے حکم کے مطابق دہلی میں روحانی تسخیر، خلقِ خدا کی خدمت، تربیت و ہدایت، اسلام کی تبلیغ و اشاعت، تعمیر و اصلاح شروع کردی۔ اس وقت منگولوں نے یورشوں سے پریشان کر رکھا تھا دہلی میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی بخارا سے بغداد تک اسلام کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ علماء و فضلاء وہاں سے بھاگ کر ہندوستان آ رہے تھے، دہلی سے باہر ایک بستی غیاث پورہ میں آپ رہنے لگے یہی بستی بعد میں نظام الدین اولیاء مشہور ہوگئی۔ مسلسل عسرت و تنگدستی، بے سرِ و سامانی کے عالم میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مصائب کے دنوں میں بھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ آہستہ آہستہ شہزادگان حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگے پھر ایسا وقت بھی آیا کہ ہزاروں آدمی دونوں وقت دسترخوانوں پر موجود ہوتے لوگ کھاتے اور تبرک ساتھ لے جاتے۔

حضرت نظام الدین اولیاء جذب و محبت عشق و وارفتگی میں بلند ترین مقام پر فائز تھے وہ جانتے تھے کہ ان تمام نعمتوں اور کمالات کا سرچشمہ شریعت اور سنت رسول کی اتباع ہے۔ ان کی تمام زندگی شریعت محمدی کا اعلیٰ نمونہ تھی اسی (80) سال کی عمر تک نماز باجماعت کا اہتمام فرماتے رہے۔

Marfat.com

سلسلہ چشت کے مشائخ نے ابتداہی میں طے کرلیا تھا کہ سلاطین سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے نہ ان کے درباروں میں جائیں گے سلطنتوں کے انقلاب کا خانقاہوں پر کوئی اثر نہ ہوا خواجہ صاحب نے بھی اپنے بزرگوں کے اس مسلک پر عمل کیا۔ غیاث الدین بلبن کے بعد سلطان کیکباد بادشاہ بنا اس کے بعد جلال الدین خلجی پھر اس کا بھتیجا علاؤالدین خلجی برسر اقتدار آیا۔ ایک مرتبہ علاؤالدین خلجی نے ملاقات کا خیال ظاہر کیا تو نظام الدین اولیاء نے جواب دیا میرے گھر کے دو دروازے ہیں اگر سلطان ایک دروازے سے داخل ہوگا تو میں دوسرے سے باہر نکل جاؤں گا۔

My house has two doors, if the Sultan enters one door, I will leave by the other.(۶)

علاؤالدین کے بعد قطب الدین تخت نشین ہوا۔ اس نے خواجہ صاحب کے مخالفت کی مگر جلد ہی خسرو خان نے اسے قتل کردیا خسرو خاں کو غیاث الدین تغلق نے قتل کر کے تخت سنبھالا۔ مگر خواجہ صاحب ان حالات میں کسی کے مداح نہ تھے آخر کار ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء کو انتقال ہوگیا آپ کی نماز جنازہ شاہ رکن الدین العالم نے پڑھائی تھی۔(۷)

علمی فضیلت:

آپ نے علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا۔ اسی کمال کے باعث آپ علماء وفضلاء کے طبقے میں نظام الدین بحاث اور محفل شکن کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ آپ نے تمام علوم ظاہری یعنی فقہ، حدیث، تفسیر، کلام، معانی، منطق حکمت، فلسفہ، ہئیت، ہندسہ، لغت، ادب اور قرأت میں کمال حاصل کیا۔ ساتوں قرأت کے ساتھ آپ نے قرآن شریف یاد کیا۔ دہلی پہنچ کر آپ نے مولانا کمال الدین محدث سے مشارق الانوار کی سند حاصل کی آپ نے اپنے پیرو مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں اجودھن رہ کر قرآن

Marfat.com

شریف کے چھ پارے پڑھے تین کتابیں اور بھی پڑھیں جن میں سے ایک میں قاری اودھ بھی سامع تھے ان کتابوں کے علاوہ آپ نے عوارف کے چھ باب بھی پڑھے۔

مجذوب سے ملاقات:

ایک روز آپ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پرانوار پر حاضر ہوئے وہاں ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی آپ نے ان مجذوب سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے دعا کریں کہ وہ قاضی ہو جائیں۔ مجذوب نے جواب دیا:

''نظام الدین قاضی ہونا چاہتے ہو اور میں تم کو دین کا بادشاہ دیکھتا ہوں۔ تم ایسے مرتبے پر پہنچو گے کہ تمام عالم تم سے فیض لے گا۔''(۸)

اسی طرح ایک دن آپ نے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل سے بھی عرض کیا کہ وہ ان کے قاضی بننے کے واسطے دعا فرمائیں حضرت نجیب الدین نے حضرت محبوب الٰہی کو مخاطب کر کے فرمایا:

تم انشاء اللہ قاضی نہ ہو گے بلکہ ایک ایسی چیز ہو گے کہ جس کو میں جانتا ہوں۔

زندگی میں کایا پلٹ:

آپ رات جامع مسجد میں بسر کرتے تھے ایک روز جب صبح ہوئی تو مؤذن نے مینار پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ الم یأن للذین آمنو ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ

''کیا مومنوں کے واسطے وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے واسطے جھک جائیں۔''(۹)

حضرت محبوب الٰہی نے جب یہ آیت سنی تو آپ کے اوپر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کے حال میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہوئی آپ کا سینہ انوار الٰہی کی تجلیوں سے معمور ہو گیا۔ دنیا کی محبت جاتی رہی اب آپ کی دنیاوی مراد، تمنا یا آرزو نہ رہی۔(۱۰)

Marfat.com

آپ فقر کو دولت پر ترجیح دیتے تھے۔ اپنے بچپن کے حالات یاد کر کے خوش ہوتے۔ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو آپ کی والدہ ماجدہ فرمایا کرتیں "ہم اللہ کے مہمان ہیں"۔ (۱۱)

تاہم اپنے لنگر کو چلانے کیلئے آپ "فتوح" قبول کرتے تھے۔ اس کا ذکر ذیل میں آئے گا۔

فوائد الفواد: (ملفوظات شیخ نظام الدین اُولیاء)

فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز کے ملفوظات عالیہ پر مشتمل پانچ جلدوں میں کتاب ہے۔ اسے امیر حسن علاء سجزی معروف بہ خواجہ حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند کیا ہے۔ امیر حسن حضرت شیخ کی محفل میں حاضر ہوتے تو شیخ اپنے مریدوں کی اصلاح کے لئے جو کچھ فرماتے امیر موصوف اُسے قلمبند کرتے جاتے حضرت شیخ کی یہ محفلیں ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جاری رہیں۔ ان ملفوظات کا تعلق تزکیہ نفس سے ہے ان ملفوظات کے فوائد الفواد جو کہ تصوف کی مشہور ترین کتب میں سے ایک ہے، میں قلمبند کیا گیا۔ (۱۲)

The malfuzat were the discourses, or, better still, the table talks, sessions of much talks could be held at any time when the saint was free for sessions (Majalis). Hasan sijzi called at Sh, Nizamuddin Awliya's jamat khana on fridays.

اس کتاب کا انداز یہ ہے کہ علاؤالدین سجزی اپنے مرشد خاص، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ قدم بوسی کے بعد عرض نیاز ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ مختلف کرامات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حکایات کے ذریعہ مریدین کو اسلامی آداب زندگی سکھاتے ہیں۔ خواجہ صاحب جیسا کہ ذکر ہوا ایک جید عالم تھے، ارشادات کئی مریدوں نے جمع

Marfat.com

کیے ان میں افضل الفواد امیر خسرو دہلوی کے ہاتھوں قلمبند ہوئی۔ درر نظامی کو شیخ علی نے مرتب کیا۔ انوار المجالس کو خواجہ محمد نے، تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار کو خواجہ عزیز الدین صوفی نے مرتب کیا۔ (۱۳) لیکن علاؤ الدین سجزی کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ انہوں نے فوائد الفواد کو تصوف اور معرفت حقیقی پر ایک عمدہ کتاب کے طور پر پیش کیا یہ سیرت، تاریخ اور احوال مشائخ کو عمدہ طریقہ سے پیش کرتی ہے۔

فوائد الفواد کی تحریر بڑی جاذب اور ادبی حسن کی مالک ہے۔ یہ امیر کے جمالیاتی ذوق کا مظہر ہے۔ فوائد الفواد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ امیر حسن کو خواجہ صاحب کی جلوتوں اور خلوتوں میں خصوصی موقع ملا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ خواجہ کے افکار، خیالات، ارشادات، ملفوظات اور محاورات سنے۔ فوائد الفواد کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ حضرت سلطان مشائخ نے انہیں ملاحظہ کیا جہاں جہاں امیر حسن علاء سجزی نے خالی جگہ چھوڑ دی تھی اُسے پر کیا۔ محمد یوسف گورایہ لکھتے ہیں کہ "فوائد الفواد تصوف کے سلسلہ چشتیہ کے طریق تزکیہ نفس کے حقائق و معارف کا انمول نمونہ ہے"۔ (۱۴)

فوائد الفواد کا اصل فارسی متن ۱۹۶۶ء میں محکمہ اوقاف کے تعاون سے شائع ہوا۔ اس کی علمی و دینی اور تبلیغی افادیت و اہمیت کے پیش نظر اب محکمہ اوقاف نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا۔

اس کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصہ میں مختلف مجلسوں کے ذریعے ملفوظات، ارشادات ۔۔۔۔۔ ملتے ہیں۔ ان مجلسوں کی تعداد درج ذیل ہے۔

پہلی جلد	۳۴ مجلسیں
دوسری جلد	۳۸ مجلسیں
تیسری جلد	۱۷ مجلسیں
چہارم جلد	۶۷ مجلسیں

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ سقراط کو افلاطون سے بہتر کوئی شاگرد نصیب نہیں ہوا اور نہ ہی افلاطون کو سقراط سے بہتر کوئی استاد ملا، سقراط کے حسین افکار کو افلاطون نے جس خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے اس پر دنیا کا ادب عالیہ ہمیشہ فخر کرے گا یہی حال شیخ طریقت نظام الدین اولیاء اور اُن کے شاگرد خاص امیر حسن علاء سجزی کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فوائد الفواد کو اصحاب معرفت اور ارباب ذوق نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ ''الفاظ کی متانت اور معانی کی لطافت اپنے کمال پر ہے۔''(۱۵)

فوائد الفواد میں حضرت شیخ کی پاکیزہ زندگی کا عکس ملتا ہے۔ جو عوام الناس کی عقیدت کا محور و مرکز تھی اور جہاں بادشاہ وقت بھی اپنی حاضری باعث سعادت سمجھتا ہے۔ اس طرح یہ کتاب خاندان خلجی کے دور کی معاشی، معاشرتی اور سماجی زندگی کی عکاسی پیش کرتی ہے۔ فوائد الفواد اُس دور کے انسان کو معنوی بیماریوں، حسد، بغض، نفرت اور لالچ پر قابو پانے کی تلقین کرتی ہے۔ عکاسی کے حوالے سے اس کا مہا بھارت اور رامائن ہندوستان کی دو مشہور رزمیہ نظموں سے تقابلی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ کتاب نہ صرف نظام الدین اولیاء کے فرمودات بلکہ دیگر صوفیاء کرام جو بڑی حیثیت کے مالک ہیں کے اقوال بھی درج کرتی ہے برصغیر کے معروف صوفیا معین الدین چشتی، خواجہ بختیار کاکی، شیخ فرید الدین گنج شکر اور یہاں تک کہ امام غزالی، شہاب الدین سہروردی کے خیالات و فرمودات کے لئے یہ کتاب ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

خواجہ کی تعلیمات میں، کسب حلال، صبر و تحمل، خدمت خلق، ترک دنیا اور قناعت پر زور ہے۔ آپ حرام و حلال کے فرق کو سمجھنے پر زور دیتے۔ آپ ترک دنیا اور توکل پر اصرار کرتے۔ کبھی بادشاہوں کے پاس نہ جاتے۔ آپ نے اپنے ایام (1265 تا 1325) زندگی کا ایسا نمونہ پیش کیا جو چشتی سلسلہ میں ایک اہم مقام کا حامل ہے۔ انہیں خدا کی ذات پر مکمل بھروسہ

Marfat.com

تھا۔وہ ہر سیاسی دباؤ برداشت کر سکتے تھے۔وہ دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کرتے اور اسے اونٹ کی لد (Dung) کے برابر قرار دیتے۔وہ کہتے کہ انسان کو اللہ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو زندگی کی کم از کم ضرورت ہے وہ تو ان کو مل کر رہے گی۔

ترک دنیا:

نظام الدین فرماتے ہیں۔ترک دنیا یہ نہیں کہ کوئی شخص کپڑے اتار کر برہنہ ہو جائے۔ مثلاً لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ وہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے، البتہ جو کچھ اُس کے پاس آئے اُسے خرچ کرتا رہے، جمع نہ کرے اُس کی طرف راغب نہ ہو اور دل کو کسی چیز سے وابستہ نہ کرے آپ نے ترک دنیا کے بارے ایک حکایت سنائی کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سوئے ہوئے آدمی کے سر پر جا کر کھڑے ہوئے آپ نے اس سوئے ہوئے آدمی کو آرام سے کہا اٹھو! خدا کی عبادت کرو اُس آدمی نے جواب دیا کہ میں نے خدا کی وہ عبادت کی ہے جو سب عبادتوں سے بہتر ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم نے کونسی عبادت کی ہے اُس نے کہا کہ میں نے دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔اس موقع پر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جو شخص تھوڑے سے رزق پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گیا، اللہ تعالیٰ اُس کے تھوڑے سے عمل پر راضی ہو گیا۔بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا سے اس طرح جاتا ہے کہ اس کی کوئی چیز یہاں نہیں ہوتی، نہ درہم نہ دینار پس بہشت میں اُس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوگا۔[۱۶]

فتوح:

حضرت نظام الدین اولیاء اپنے لنگر خانہ کو چلانے کیلئے فتوح کو قبول کرتے۔اس سلسلہ میں ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا فتوح قبول کر لینے چاہیں۔آپ نے کہا ہاں ایک دفعہ حضور ﷺ نے کہا: جب کوئی چیز تمہیں دی جائے جسے تم نے مانگا نہ ہو تو اسے قبول کر لینا

Marfat.com

چاہیے۔ یہ حدیث عوارف المعارف جو کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف ہے اور کتاب اللمع جو ابونصر سراج کی تصنیف ہے میں موجود ہے۔ (۱۷)

سوال یہ ہے کہ یہ رقم کہاں خرچ ہوتی۔ ایک تو مصرف ان کا لنگر خانہ تھا دوسرا مصرف ریاض الاسلام لکھتے ہیں:

Sh. Nizamuddin Awliya used to give such persons amount that suited to individual needs. He also had a deeply felt sympathy with the homeles the poor and the indigent (miskinan wa darweshan) of the city of Dell who often go to sleep hungry and starved, near mosques and shops.(۱۸)

شیخ نظام الدین کی اپنی کوئی فیملی نہ تھی تاہم وہ اپنے بھائیوں پر اس رقم سے کچھ خرچ کر دیتے تھے۔ اپنے بھانجے رفیع الدین ہارون سے بہت پیار تھا انہیں ایک دفعہ گھوڑا بھی اس ذریعہ آمدنی سے دیا۔ انہوں نے اس رقم کو تقسیم کرنے کیلئے حسام الدین ملتانی کو مقرر کیا تھا۔ تاہم یہ بات بھی مسلم ہے کہ فوائد الفواد میں بہت کم اس موضوع پر لکھا گیا ہے حالانکہ جتنی رقم جماعت خانہ کو موصول ہوتی تھی اس کا مقابلہ کسی اور شیخ کی خانقاہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

ریاض الاسلام لکھتے ہیں:

Sh. Nizamuddin was in reciept of very large quantities of Fatuh, but this fact has been left out by the compilers of Fawaid-ul-Fuwad for reasons which are not clear.(۱۹)

Marfat.com

قلب

حضور قلب کا مطلب قلب کا خلق سے بے تعلق ہو کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا۔ اس مفہوم کو سمجھنے کے لیئے حکایتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

منفی حکایت

ایک دفعہ حسن افغانی علیہ الرحمۃ گلی میں جارہے تھے ایک مسجد کے پاس پہنچے مؤذن نے تکبیر کہی، امام آگے بڑھا اور لوگ اُس کے پیچھے جماعت میں کھڑے ہوگئے خواجہ حسن بھی مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ جب نماز مکمل ہوگئی لوگ فارغ ہو کر چلے گئے تو خواجہ حسن امام کے قریب گئے اور اُس سے کہا اے امام! تم نے نماز شروع کی تو میں تمہارے پیچھے صف میں تھا تم نماز کے دوران دہلی گئے وہاں لونڈی غلام خریدے، وہاں سے واپس آگئے کہ لونڈی غلاموں کو خراساں لے گئے وہاں سے تم ملتان لوٹے اور پھر مسجد میں آگئے میں تمہارے پیچھے مارامارا پھرتا رہا آخر یہ نماز کیا ہے؟

مثبت حکایت

خواجہ کریم ایک بزرگ دہلی میں کتابت کرتے تھے انہوں نے دنیا کے مشاغل سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور واصلان حق میں شامل ہوگئے۔ ایک دفعہ وہ دروازہ کمال کے باہر مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ان دنوں میواتیوں نے شورش برپا کررکھی تھی اور کوئی شخص شام کے وقت اس دروازے کے اس پار اور اُس طرف نہیں جاسکتا تھا۔ خواجہ کریم نماز میں مصروف تھے اور اُن کے دوست دروازے میں کھڑے انہیں آواز دے رہے تھے کہ جلدی سے شہر میں آجاؤ۔ دروازے کا دربان بھی شور مچا رہا تھا۔ خواجہ کریم نے اپنی نماز پورے حضور قلب سے تمام کی اور پھر اندر آگئے لوگوں نے اُن سے کہا کیا آپ نے ہماری آوازیں نہیں سنی تھیں؟ کہنے لگے نہیں۔

Marfat.com

لوگوں نے کہا عجیب بات ہے ہم نے اتنا شور مچایا آپ ہماری آواز ہی نہیں سنی۔ کہنے لگے عجیب بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص نماز میں مشغول ہو اور پھر وہ کسی کا شور بھی سن لے۔ اس پر لوگوں کو گمان ہوا کہ حضور قلب شاید حالت سکر کا دوسرا نام ہے آپ نے فرمایا:

حالت سکر (sukar) وہ کیفیت ہے جب جمال شوق کے مشاہدہ سے عقل معطل ہو جاتی ہے۔ یہ حیرت و وحشت، بے خودی اور مدہوشی کی حالت ہے۔ صحو (sahw) یہ ہے جب عارف، غیب سے احساس کی جانب سفر کرتا ہے یعنی واپس آتا ہے۔ (۲۰)

Abu Nasar in his book Kitab Al-Luma states, "It is well known that a Sufi was either in a state of 'sahw'(sobriety) for Sukar (spirtual intoxication). The majority of sufies preferred to stay in the sahw state. Sh. Nizamuddin was of the view that sometimes saints in a state of sukr say something, but the one who is perfect never gives away seerah, he decleared sahw (sobriety) to be a higher state than sukr (intoxication)" (۲۱)

وِلایت اور وَلایت کا فرق

وِلایت یہ ہے کہ شیخ رندوں کو خدا تک پہنچائے اور انہیں آداب طریقت کی تعلیم دے۔ اس طرح جو معاملہ خلق اور شیخ کے درمیان ہوتا ہے اُسے وِلایت کہتے ہیں۔

جو معاملہ شیخ اور حق کے درمیان ہوتا ہے اُسے وَلایت کہتے ہیں اور یہ خاص ہے جب شیخ

Marfat.com

اس دنیا سے رحلت کرتے ہیں تو اپنی وِلایت اپنے ساتھ لے جاتے ہیں لیکن جہاں تک وَلایت کا تعلق ہے شیخ جسے چاہے اُسے دے دیتا ہے۔ اگر وہ نہ بھی دے تو بھی روا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ خود وہ وِلایت دوسرے کو دیتا ہے۔ البتہ وہ وِلایت جو اُس (شیخ) کے پاس ہوتی ہے وہ ساتھ لے جاتا ہے۔ (۲۲)

مسلک قدریہ

شیخ الاسلام کے مریدوں میں سے ایک مرید یوسف نامی تھا۔ ایک دفعہ اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا میں کئی سال سے خدمت میں ہوں۔ ہر شخص جو آتا ہے حضرت کی بخشش سے فیض یاب ہو جاتا ہے ہونا یہ چاہیے تھا کہ میں ان سب سے پہلے فیض یاب ہوتا۔

آپ نے ایک بچے کو بلایا اور اپنے لیے ایک اینٹ لانے کو کہا بچہ گیا سالم اینٹ لے آیا۔ اس بچے کو پھر کہا اس مرید یوسف کے لئے اینٹ لاؤ بچہ گیا اور آدھی اینٹ لے آیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا اب میں اس کا کیا کروں تمہاری قسمت میں جس قدر ہے وہ تمہیں مل گیا ہے۔ (۲۳)

کرامات (محیر العقول واقعات)

تصوف بمقابلہ فلسفہ:

ایک دفعہ ایک فلسفی خلیفہ وقت کی خدمت میں حاضر ہوا اور فلسفہ پر گفتگو شروع کی انہوں نے حرکت کی تین قسمیں بیان کیں۔

طبیعی حرکت: (Natural Movement) ایک چیز خود اپنی طبیعت سے حرکت کرے، پتھر پھینکو وہ لازماً زمین پر گرے گا۔

حرکت ارادی: (Voluntary Movement) ایسی حرکت کہ ایک چیز اپنی مرضی

Marfat.com

اور ارادے سے حرکت کرے۔

قصری حرکت:(Compulsive Movement) کوئی دوسری چیز کسی چیز کو حرکت میں لائے۔

فلسفی آسمان کی حرکت کو طبعی قرار دینے پر بضد تھا۔ شہاب الدین سہروردی جو اس موقع پر تشریف لے آئے تھے نے کہا کہ یہ حرکت قصری ہے یعنی اسے کوئی اور حرکت میں لاتا ہے۔ شیخ نے فلسفی کو آسمان کی طرف متوجہ ہونے کے لئے کہا اس طرح جب اس نے آسمان کی طرف توجہ کی تو شیخ کی دعا کی بدولت انہوں نے ایک فرشتہ دیکھا جو آسمان کو گھما رہا تھا۔ (۲۴)

فوائد الفواد کا مطالعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے صوفیاء کے خیالات کو متکلمین کے مقابلے میں بہتر قرار دیا ہے۔ انہوں نے کئی موقعوں پر علم الکلام کا ناقدانہ جائزہ لیا۔

مثال ملاحظہ ہو: کافر اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب جنت میں ہوگا یا جہنم میں؟ انہوں نے کہا کہ ''مذہب حق یہ ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اس لئے کہ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی وہ پرستش کرتے ہیں وہ ان کے معبود ہیں اور ان کا یہ عقیدہ مستقل کفر پر مبنی ہے اور چونکہ ان کا یہ عقیدہ مستقل کفر پر مبنی ہے پس ان کا عذاب بھی مستقل ہوگا لیکن کبیرہ گناہ کے مرتکب ہمیشہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی حالت میں نہیں رہتے۔ جس وقت وہ گناہوں کے ارتکاب سے فارغ ہوتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا تھا وہ غلط تھا ٹھیک نہ تھا پس چونکہ کبیرہ گناہ کرتے وقت ان کی جو اعتقادی کیفیت ہوتی ہے وہ مستقل و مستحکم نہیں ہوتی لہٰذا اُن کا عذاب بھی اسی طرح مستقل اور دائمی نہیں ہوگا۔

ریاض الاسلام اپنی کتاب "Sufism in South Asia" میں لکھتے ہیں:

"To many of readers it is heretical to doubt the veracity of the story recounted by Sh. Nizamuddin Awliya."(۲۵)

Marfat.com

معتزلہ کا عقیدہ باطل ہے:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء معتزلی عقائد کے سخت خلاف تھے ایک دفعہ تفسیر کشاف کے مصنف کے عقیدے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ افسوس کہ کشاف کا مصنف اس قدر علوم کا حامل تھا مگر اُس کا عقیدہ باطل تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا ایک چیز کفر ہے ایک بدعت اور ایک معصیت، پس بدعت زیادہ سنگین ہے معصیت سے اور کفر زیادہ سنگین ہے بدعت سے اور بدعت کفر سے نزدیک ہے۔ معتزلہ جادو سے انکاری ہیں مگر شیخ جادو کے اثر کو درست قرار دیتے تھے۔ (۲۶)

مذہبی رواداری:

جس مذہبی رواداری کی تلقین شری کرشن نے بھگوت گیتا میں دی جس کا اظہار شیخ محی الدین عربی نے اسلام اور دیگر مذاہب کو ایک پلڑے میں رکھ کر بتلایا اور جس کو مولانا روم نے ایک قصے کی شکل میں پیش کیا۔ ان خیالات کا اظہار حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی کیا۔ مجلس مورخہ ۲۲ ربیع الاول میں امیر حسن سجزی لکھتے ہیں حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ ایک ہندو ہے اور کلمہ پڑھتا ہے خدا کی واحدانیت کا قائل ہے اور رسول کی رسالت کا لیکن جب مسلمان اُس کے ہاں جاتے ہیں تو وہ خاموش ہو جاتا ہے اُس کی عاقبت کیا ہوگی حضرت شیخ نے فرمایا یہ معاملہ اُس کے اور خدا کے درمیان ہے۔ اگر خدا چاہے گا تو معاف کر دے گا اور اگر چاہے گا تو سزا دے گا۔ (۲۷)

اخلاقی تعلیمات:

۱۔ آپ اخلاق و عمل کو معیار شیخ سمجھتے۔ شیخ قطب الدین کاکی کے اصل بیٹے شیخ فرید الدین گنج شکر کو سمجھتے۔

Marfat.com

فرماتے کہ صوفی شیخوں نے اپنے بیٹوں کو خلافت نامہ دے کر تصوف کو خاندانی ذریعہ معاش بنالیا۔

۲۔ شیخ کو خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہونا چاہیے۔

۳۔ جو بغیر مانگے ملے اُس کو حاصل کرنا چاہیے اس کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش جائز نہیں۔

۴۔ انسانی تعلقات کی بنیاد سادہ اصولوں پر ہو، نیکی کے بدلے نیکی اور برائی کے بدلے بھی نیکی، فرمایا: اگر تم معاف کردو تو بہتر۔ مجلس ۱۰ جمادی الاول، ۱۴ء میں فرمایا اگر ایک شخص نفس انسانی سے پیش آتا ہے تو دوسرے کو روح انسانی سے پیش آنا چاہیے۔ نفس کی فطرت دشمنی ،غوغا اور نفرت ہے، قلب میں سکون رضا اور محبت ہے۔ اعتراض ہوتا ہے کہ اس اصول امن و محبت وعفو پر کوئی سماج قائم نہیں ہوسکتا۔ لیکن دیکھا جائے تو ہندوستان کے اس دور میں فوائد الفواد لکھی گئی بے شمار لڑائیاں ہونے کے باوجود اتنا خون نہیں بہایا گیا جتنا بیسویں صدی میں انسانی جانوں کا بہایا گیا اور اُس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔ (۲۸)

نظام الدین اولیاء کا فخریہ انداز:

سیّد گیسودراز لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاء اور ایک نوجوان لڑکے کے درمیان گفتگو ہوئی جس میں نظام الدین اولیاء کا فخریہ انداز موجود ہے۔

مکالمہ:

شیخ نظام الدین اولیاء: اے لڑکے آپ کیوں چلا رہے ہیں؟

نوجوان: میرا باپ گنہگار انسان تھا مجھے فکر لاحق ہے کہ پتہ نہیں قبر میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہوگا۔

شیخ نظام الدین اولیاء: کیا وہ میرا مرید تھا؟

Marfat.com

نوجوان: مجھے معلوم نہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء: کیا وہ کبھی مجھ سے ملاقات کرنے آیا؟

نوجوان: مجھے معلوم نہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء: کیا اس کی مجھ پر نظر پڑی؟

نوجوان: مجھے معلوم نہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء: کیا وہ کبھی غیاث پور سے گزرا؟

نوجوان: ہاں وہ یہاں ایک دفعہ کسی کاروبار کے سلسلے میں آیا تھا۔

شیخ نظام الدین اولیاء: یہ اس کی بخشش کیلئے کافی ہے۔ مجھے اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔ (۲۹)

شیخ نظام الدین اولیاء اور جلالی طبیعت:

یہ امر مسلم ہے کہ فوائد الفواد میں کسی ایسے جلالی قصہ کا ذکر نہیں ہے جو شیخ نظام الدین اولیاء سے متعلق ہو۔ تاہم فوائد الفواد میں ایسے دو قصوں کا ذکر ہے جن میں غصہ اور جلال پایا جاتا ہے ایک قصہ شیخ اجل شیرازی سے منسوب ہے اور دوسرا شیخ عزیز کرخی سے متعلق ہے۔ تاہم اگر خیر المجالس جو چشتی سلسلہ سے متعلق ہے کا مطالعہ کیا جائے تو دو قصے مذکور ہیں جن میں ایک شیخ فرید الدین گنج شکر سے متعلق ہے اور دوسرا شیخ نظام الدین اولیاء سے متعلق ہے۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ ان قصوں کا ذکر فوائد الفواد میں کیوں نہیں کیا گیا۔ کیا ایسا جان بوجھ کر کیا گیا یا سہواً ہو گیا ہے اس کا جواب معلوم نہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء کی جلالی طبیعت کا تذکرہ خیر المجالس میں یوں ہے کہ ایک مرتبہ عماد فردوس کے دو بیٹوں نے شیخ کے خلاف کوئی قابل اعتراض بات کی اس پر انہیں دریائے جمنا میں ڈبو دیا گیا۔ (۳۰) (کرامت کی بدولت) اگر سیر الاولیاء کا مطالعہ کیا جائے تو یہ قصہ رکن

Marfat.com

الدین فردوسی کے بیٹوں کے حوالہ سے ہے۔ (۳۱)

عشق مجازی

صوفی ملفوظات میں خدا کی محبت تو اپنی جگہ موجود ہے لیکن انسانوں سے محبت کا تذکرہ بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ایسے تذکروں سے دراصل خدا سے محبت کی طرف اشارے ہوتے ہیں۔ فوائد الفواد میں جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ مثالی ہے۔ بحث جاری تھی کہ اللہ کا ولی جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا: موت کے وقت ولی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کوئی سو رہا ہو اور جب وہ جاگ جائے تو اپنے بستر پر اپنے محبوب کو پائے۔ ایسے میں اس کی خوشی کی انتہا کیا ہوگی۔ (۳۲)

اسی طرح فوائد الفواد میں دو ایسے تذکرے اور موجود ہیں کہ ایک شہزادی کسی درویش کی محبت میں مبتلا ہو گئی۔ شہزادی نے درویش کو کہا کہ ملاقات کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ ساتھ والی مسجد میں عبادت کرنا شروع کر دے یہاں تک کہ اس کا تقویٰ عام ہو جائے اس طرح وہ اپنے والد سے درویش سے ملنے کی اجازت لے گی۔ ایسا ہی ہوا جب شہزادی درویش سے ملنے گئی تو اس نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ وہ یاد اللہ میں محو ہو چکا تھا۔ اس طرح عبداللہ بن مبارک جن کا تعلّق خراسان سے تھا کے متعلّق ایک اور واقعہ درج ہے کہ وہ ساری رات ایک عورت سے محبت کی باتیں کرتا رہا صبح جب اذان ہوئی تو اسے پتہ نہ چلا کہ یہ رات کی اذان ہے یا صبح کی۔ اس پر وہ شرمسار ہوئے اور توبہ کی مذکورہ بالا دونوں واقعات بیان کرنے کا مقصد فوائد الفواد میں درج ہے کہ کس طرح عشق مجازی، عشق حقیقی میں تبدیل ہو گیا۔ (۳۳)

شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے ایک مرید کو جو کہ ایک عورت کی محبت میں گرفتار تھا، آزاد کرایا۔ میر خورد کرمانی، خواجہ نظام الدین کے حوالہ سے ایک حدیث درج کرتے ہیں کہ اگر ایک فرد کسی انسان کی محبت میں گرفتار ہو وہ اس کا تذکرہ نہ کرے اور خاموش محبت کی حالت میں

Marfat.com

مر جائے ایسے میں وہ شہید ہوگا۔

معرفت:

ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاء سے کسی نے معرفت کی بابت سوال کیا آپ نے بایزید بسطامی کے حوالے سے کہا کہ ایک شخص آپ (بسطامی) کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے معرفت کا راستہ دکھادیں۔ شیخ نے حکم دیا اسے کھانا کھلایا جائے اس نے کھانا کھایا اور چلا گیا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، تیسرے دن میں ایسا ہی ہوا اس شخص نے کہا میں معرفت چاہتا ہوں آپ مجھے کھانا کھلا کر فارغ کر دیتے ہیں۔ بسطامی نے جواب دیا معرفت ٹوٹے ہوئے دل کو آرام پہنچانے کا نام ہے یہی فلسفہ نظام الدین اولیاء کا تھا۔ (۳۵)

خلاصہ بحث:

حضرت شیخ حقیقت پسند صوفی اور ولی اللہ تھے۔ انہوں نے اپنے فرمودات کی بدولت معاشرے کی برائیوں کو جڑ سے اکھیڑنے کی سعی بلیغ کی۔ انہوں نے اپنی تلقینات کے ذریعے معاشرے کی سماجی برائیوں کا علاج کیا۔ ایک بات بڑے افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ جو برائیاں شیخ کے زمانے میں انسانوں میں موجود تھیں، وہی برائیاں آج ہمارے معاشرے میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں مثلاً نفاق، مکر وفریب، بغض، حسد، رشوت، مال و دولت کی محبت، نام ونمود کی ہوس، لوٹ کھسوٹ، غرضیکہ برائیوں کا ایک امتناہی سلسلہ ہے جو کہیں ختم ہونے کو نہیں آتا۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ شیخ کے فرمودات آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح کہ اُن کے زمانہ میں تھے۔ انسانی روح میں انقلاب برپا کرنے کے لئے زندگی میں ایک پاکیزہ نصب العین کی ضرورت ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت شیخ خود بھی پہنچے اور دوسروں کو پہنچانے کے لئے ہمہ وقت سرگرداں رہے۔ فوائد الفواد اس لحاظ سے ایک عمدہ کتاب ہے۔ اس کے علاوہ شیخ کے دوسرے ملفوظات جو افضل الفوائد اور راحۃ المحبین کے نام سے امیر

Marfat.com

خسرو نے جمع کیے تھے کا مطالعہ بھی از حد ضروری ہے۔ درر نظامی میں جو ملفوظات موجود ہیں انہیں آپ کے شاگرد علی جاندار نے جمع کیا اب ان کا ترجمہ محمد یٰسین نے کیا ہے۔

ان تمام ملفوظات کا یکجا مطالعہ محبوب اولیاء کے نظریات پر مکمل روشنی ڈالتا ہے۔ آپ درویش صفت انسان تھے۔ اللہ سے لو لگانے والے اور مخلوق خدا سے محبت کرنے والے تھے۔ آپ نے اپنے ملفوظات کی بدولت لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا اور ایک ایسا معاشرہ ترتیب دیا جو انسانوں کی روحانی بالیدگی کا مظہر تھا۔ آپ کی تعلیمات آج بھی چشتیہ رکھتی ہیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ فوائد الفواد تصوف کی ایک اہم اور عمدہ کتاب ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ نظام الدین اولیاء۔فوائد الفواد، مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ترجمہ محمد سرور، علماء اکیڈمی اوقاف، لاہور، 1972ص 6(اداریہ)

2۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1982، ص 118,117,31

3۔ عظیمی، مشتاق احمد، یاران طریقت، مکتبہ عظیمیہ، اردو بازار لاہور، 143,1995

4۔ ایضاً۔

5۔ عظیمی، مشتاق احمد، خانقاہی نظام، مکتبہ عظیمیہ، اردو بازار، لاہور، 194,2003

6۔ کرمانی، میر خورد، سیرالاولیاء، ایران پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف پرشین سٹڈیز، اسلام آباد، 1972، ص 145

7۔ واسطی، ڈاکٹر سید زاہد علی، سو بڑے مسلمان، عالمی ادارہ اشاعت، ملتان، ص 159

8۔ شارب، ظہورالحسن ڈاکٹر، دہلی کے بائیس خواجہ، مطبوعات لوح و قلم، 122,1964

9۔ القرآن، (الحدید) 16:57

10۔ جامی نفحات الانس، لاہور، 350

11۔ عبدالحق، اخبار الاخیار، دہلی 1332ھ، ص 58۔ کرمانی، میر خورد، سیر الاولیاء، ایران پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف پرشین سٹڈیز، اسلام آباد، 1978، ص 123

12- Riazul Islam, Sufism in South Asia, Oxford University press, Karachi, 2002, P:4, Also see,

Marfat.com

Fawaid-ul-Fuwad by Amir Hussan Sijzi, Edited by M. Latif Malik, Lahore, 1966, 5,6,7,8,10,13,14,17.

13۔ نظام الدین اولیاء، فوائد الفواد، مرتبہ حسن نظامی، مترجم محمد سرور، علماء اکیڈمی، اوقاف لاہور، 1393/1979، 6 (اداریہ)

15۔ اخبار الاخیار، ص 101

16۔ فوائد الفواد، ص 58-59

17۔ عوارف المعارف، ص 299، کتاب اللمع، ص 258

18۔ سیر الاولیاء، ص 138-139 Also see note 12

19۔ فوائد الفواد، ص 119

20۔ ایضاً، ص 63

21 یہ اصطلاحات ابو نصر سراج کی کتاب اللمع میں موجود ہیں۔ See Also, Carl W.Ernst, Words of Esctacy in Sufism, Suny Press, Albany, USA, 1985, P:12

22۔ ایضاً، ص 66

23۔ ایضاً، ص 131

24۔ ایضاً، ص 165

25۔ ص 25

26۔ محمد حبیب، حضرت نظام الدین اولیاء حیات و تعلیمات، پروگریسو بکس، اردو بازار لاہور، 1984-179

27۔ حضرت نظام الدین اولیاء، ص 164

28۔ فوائد الفواد، 219

29۔ جوامع الکلم، ملفوظات سید گیسو دراز، جمع کردہ سید اکبر حسینی، مخطوطہ برٹش میوزیم نمبر

Marfat.com

252، بحوالہ ریاض الاسلام، صوفی ازم ان ساؤتھ ایشیاء، ص 40

30۔ خیر المجالس، ملفوظات نصیر الدین چراغ، جمع کردہ سماد قلندر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 1959، ص 40

31۔ کرمانی سید محمد بن مبارک، سیر الأولیاء، ایران پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف پرشین سٹڈیز، اسلام آباد، ص 157

32۔ ایضاً ص 79,78

33۔ ایضا 229,231

See also, Mehmet Akar, Ocean of Parables, English Edition, Islamabad, P:4

34۔ سیر الأ لیاء، ص 91-490

35۔ اشتیاق حسین قریشی، درر نظامی میموریل آرٹیکل آف قریشی کراچی، 1994، ص 241-42

36۔ ریاض الاسلام، ص 34

37۔ فوائد الفواد میں ان اصطلاحات کا ذکر ملتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

جبری شادی

(شریعت اسلامیہ کی روشنی میں)

برطانیہ، امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں ایشیا اور افریقہ سے گئے ہوئے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے، ان میں بہت سے خاندان تو دو تین نسلوں سے بھی زیادہ عرصے سے وہاں مقیم ہیں، ان کی اولادیں جو مسلمان ہیں وہاں کی تعلیم و تربیت اور نشوونما کی وجہ سے ان ملکوں کی نسبت اُن ملکوں سے زیادہ رغبت رکھتی ہیں جہاں سے ان کے والدین ترک وطن کر کے یہاں آئے تھے، ان لڑکوں اور لڑکیوں کے مزاج، طور طریقے تقریباً سارے کے سارے مغربی ممالک کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، اپنی زندگی کے جیون ساتھی بھی وہاں سے ہی چننا پسند کرتی ہیں۔

ان کے والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بچی کا رشتہ مسلمان ممالک جہاں ان کے رشتہ دار رہائش پذیر ہیں کریں، اس کی بڑی وجہ وہاں کے معاشرے کی آزاد فضا اور پھر اس آزاد فضا سے پیدا ہونے والے مسائل ہیں کیونکہ وہاں بچپن ہی سے لڑکے اور لڑکیاں سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں اور چونکہ ان ممالک میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے لہٰذا ایسے گھروں سے آنے والے بچوں کے اخلاق بھی شروع سے بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر وہاں تعلیم اور نصاب اس کی رہی سہی کسر پوری کر دیتے ہیں یہاں تک ہی معاملہ نہیں عملی زندگی میں بھی بہت سے والدین ایسے ہیں جن کے شادی سے پہلے بھی کچھ بچے ہوتے ہیں جنہیں ٹومی Tomy بچے کہا جاتا ہے۔ والدین بوڑھے ہوتے ہیں ان کی بہوویں انہیں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتیں۔ لہٰذا انہیں ان کی اپنی اولادیں Old houses (بوڑھوں کی خاطر مدارت

Marfat.com

کرنے والے سنٹرز) میں پہنچا آتی ہیں۔

ان تمام مسائل کو دیکھ کر والدین شاید ہی اپنی اولاد کے لئے وہاں سے جیون ساتھی پسند کرنا چاہیں گے۔ اکثریت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا داماد یا بہو مسلم ممالک خاص طور پر ہندوستان، پاکستان، ایران وغیرہ سے ہو۔ وہ اپنے بالغ عاقل بچوں کو انہیں اپنا قدیم وطن دکھانے یا سیر و تفریح کرانے کے لئے ان ممالک میں لاتے ہیں اور لڑکی لڑکے کی پسند ناپسند کا خیال رکھے بغیر یا ان کی عدم رضا اور جبر و اکراہ سے انہیں زد و کوب کر کے اور انہیں مختلف قسم کی دھمکیاں دے کر انہیں یہاں شادی کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں یہاں کے لڑکوں کو شوہر تسلیم نہیں کرتیں اور واپس جا کر کونسلر سے رجوع کرتی ہیں۔ حکومت برطانیہ نے ایک رپورٹ مرتب کروائی ہے اور ان واقعات کا سخت نوٹس لیا ہے۔ پریس میں ایسے واقعات آنے سے مسلمانوں اور اسلامی معاشرے کو زبردست زک پہنچی ہے۔ اس کے نتیجے میں آزادی نسواں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسلام میں آزادی رائے اور عورتوں کے حقوق اس حد تک پامال کئے جاتے ہیں کہ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود کسی ناپسندیدہ شخص کے نکاح میں رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ (۱)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مقالہ اس مسئلہ کے حل کی جانب ایک قدم ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ترک وطن پر کیوں مجبور ہوتے ہیں۔

ترک وطن کی وجوہات

ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کی وجوہات یہ ہوسکتی ہیں:

(1) اپنے ملک میں کسی مناسب ملازمت کا نہ ملنا یا اپنے ملک میں وہ جو کاروبار کرنا چاہتے ہیں، اس کے وسیع امکانات کا نہ ہونا اور دیار غیر میں اس کی ملازمت یا کاروبار کی ترقی کے زیادہ مواقع کی موجودگی۔

(2) عدم تحفظ کا احساس یا کسی بھی وجہ سے قید و بند کا شکار ہونا یا اس کا امکان بھی انسان کو

Marfat.com

بیرون ملک سفر پر مجبور کرتا ہے۔

(3) غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے اپنا وطن ترک کرنا۔

(4) اپنے خاندان یا کمیونٹی پر رعب جمانے کے لئے کہ ہم باہر Settle ہیں اور زیادہ مہذب ہیں۔

(5) تعلیم کے حصول کے لئے باہر جانا اور وہاں کی رنگینیوں سے متاثر ہو کر مستقل رہائش اختیار کر لینا۔اس کے علاوہ اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں جن کا ذکر بہر حال غیر ضروری ہے۔تاہم کیا ترک وطن ضروری ہے؟

ترک وطن کی شرعی حیثیت

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام میں ان درج وجوہات کی بنا پر اپنا مسلم ملک چھوڑنا جائز ہے یا نہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

(هوالذی جعل لكم الارض ذلو لا فامشوا فی منا كبها و كلوا من رزقه واليه النشور) (۲)

''وہ ایسی ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا اب تم اس کے راستوں میں چلو اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔''

اپنے مسلمان بھائیوں پر رعب جمانا جائز نہیں ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔اگر اپنے ملک میں ضروریات پوری ہو رہی ہیں تو اپنے آپ کو خواہشات و منکرات میں ڈالنے کا خطرہ مول نہ لیا جائے تو اچھا ہے اور اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ بیرون ملک جانے کی صورت میں ایمان کو خدشات لاحق ہو سکتے ہیں تو ایسی صورت میں جانا ناجائز ہو جاتا ہے بصورت دیگر جائز ہے۔اس سلسلہ میں مسلمانوں کو کیا مسائل پیش آسکتے ہیں ذیل میں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

بیرون ملک مسلمانوں کو درپیش مسائل

پاکستانیوں کو دوسرے ممالک میں جن مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

Marfat.com

(الف) جز وقتی مسائل

(ب) کل وقتی مسائل

(الف) جز وقتی مسائل

i- رہائش

ii- کھانا

iii- لباس

i- رہائش کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے لیکن جب کاروبار چل نکلے یا ملازمت مل جائے تو رہائش کا مسئلہ بہتر انداز سے حل ہو جاتا ہے۔

ii- کھانا کھانے کا مسئلہ شروع میں درپیش ہوتا ہے بعدازاں موجود پاکستانی بھائیوں سے مشورہ کر کے اپنے طور پر بھی کھانا تیار کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح حلال گوشت اور حلال چیزیں ملنا ممکن ہو جاتی ہیں۔

iii- وہاں کی کمیونٹی کے مطابق شروع میں وہاں کے لباس کی چونکہ عادت نہیں ہوتی اس لئے مسئلہ ہو سکتا ہے لیکن بعد میں ان کے لباس کو جائز حدود کے اندر اختیار کیا جائے۔ ستر پوشی کا خیال ضروری ہے کیونکہ یہ بہرحال اسلامی ضرورت ہے۔

(ب) کل وقتی مسائل

ان مسائل کا تعلّق زیادہ تر اولاد سے ہے۔

i- تربیت

ii- تعلیم

iii- شادی

i- تربیت اولاد

بچہ معصوم ہوتا ہے اس پر اپنے گھر اور ماحول کا اثر بہت جلدی پڑتا ہے غیر مسلم معاشرہ ہر

Marfat.com

قسم کی حدود و قیود سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اگر ممکن ہو تو ایسے علاقہ میں رہائش رکھنی چاہیے جہاں زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہو تا کہ بچے پر اچھی کمیونٹی کے اچھے اثر پڑیں جن کی روشنی میں بچہ اچھا انسان ثابت ہو۔

ii- جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو اسے زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے والدین اسے مختلف اداروں میں داخل کرواتے ہیں۔ غیر مسلم اپنے نصاب کے مطابق اپنے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ان ممالک کی تعلیمی پالیسیاں اُن کے اپنے افکار کی ترویج کے لئے بنائی جاتی ہیں اس لئے غیر مسلم ممالک میں رہائش رکھنے والے لوگ اپنے طور پر اپنے بچوں کو اسلام کے احکام ،اصول ،فرائض ،عبادات اور حلال وحرام کی پہچان کا بندوبست خود اپنے طور پر کریں تا کہ مادی دنیا کے خیالات کے پختہ ہونے کی بجائے اسلامی خیالات بچے میں پختہ ہوں۔

iii- شادی

یہ مسئلہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے جس سے ہر فیملی کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے بعض والدین جو غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر ہیں وہاں کی تہذیب کے برے اثرات سے اولاد کو بچانے کے لئے پاکستان یا ہندوستان میں اپنے بچوں کی شادی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ غیر مسلم معاشرہ مادر پدر آزاد معاشرہ ہے مرد وعورت کا آزادانہ میل جول اور عورت کا حق طلاق مسئلے کو سنگین بنا دیتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دو معاشروں میں اتنی عدم مطابقت ہو تو کیا غیر مسلم ممالک کے لوگوں سے اپنے بچوں کی شادیاں کر دینی چاہئیں یا نہیں۔ اس بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے۔

(ولا تنکحوا المشرکت حتی یومن) (۳)

''اور مشرکین سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں''۔

اسی طرح ایک اور جگہ قرآن میں اس طرح بھی آیا ہے:

(لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن) (۴)

''نہ وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لئے حلال

Marfat.com

ہیں''۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم کا نکاح غیر مسلم سے بالکل جائز نہیں ہے اور اس لالچ میں کیا جانے والا نکاح کہ لڑکا بعد میں مسلم بن جائے گا بھی ناجائز ہے۔ اب ہم جبر کو استعمال کرنے کے لئے ولایت کے معنی پر غور کریں گے۔

ولایت کے معنی

(1) ولایت کے ایک معنی محبت ونصرت کے ہیں:

(ومن يتول الله و رسوله والذين امنو افان حزب الله هم الغالبون) (۵)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے تو یقین جانیے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی''۔

(2) ولی بمعنی ''قرب'':

(والمؤمنون والمؤمنت بعضهم اولياء بعض) (۶)

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد ومعاون اور دوست ہیں''۔

ولایت کے معنی قوت اور غلبہ کے بھی آتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے صاحب غلبہ و اقتدار کو والی کہا جاتا ہے۔

(3) فقہاء کی اصطلاح میں ولایت کا مفہوم:

(القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على اجازة احد) (۷)

''یعنی دوسرے کی اجازت پر توقف کے بغیر کسی تصرف پر بذات خود قادر ہونا''

ایسا تصرف کرنے والے کو ولی کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں بھی اس مفہوم میں لفظ ولی کا استعمال ہوا ہے۔

(فليملل وليه بالعدل) (۸)

''پس اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے''۔

(4) نابالغ اور مجنون کی مصلحتوں کی رعایت اور ان کے حقوق کی حفاظت تا کہ ان

Marfat.com

کے عاجز وضعیف ہونے کی بناء پر ان کے حقوق ضائع نہ ہونے پائیں ولی کی ضرورت ہوتی ہے۔

(5) شریعت اسلامیہ میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے:

''کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا''۔ (۹)

اس کی دو صورتیں ہیں:

(i) ولایت اجبار:

ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو۔

(تنفیذ القول علی الغیر شاء الغیر ام ابی) (۱۰)

''یعنی دوسرے پر قول کو نافذ کرنا چاہیے دوسرا چاہے یا نہ چاہے''۔

(ii) ولایت استحباب:

ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔

قرآن سے ثبوت ولایت

اب ہم ولی کی ولایت کے لئے قرآن سے استدلال لیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عباد کم وامائکم) (۱۱)

''تم میں سے جو مرد عورت مجرد ہوں ان کا نکاح کردیا کرو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی''

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا) (۱۲)

''اور مشرکین سے (اپنی بیٹیوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں''۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں خطاب اولیا سے ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ نکاح کی ذمہ داری ان کے سپرد ہے نہ کہ عورتوں کے ذمے جن کا نکاح ہو رہا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

(الرجال قوامون على النسآء بما فضل الله بعضهم على بعض وبمآ انفقوا من اموالهم)(۱۳)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں''۔

اس فضیلت کی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر حاکم، منتظم اور نگران بنایا ہے یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے محض مردوں کو اس وجہ سے بھی دی ہے کہ مرد عورتوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔ مہر دیتے ہیں اور دیگر نفقات بھی کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(واذا طلقتم النسآء فبلغن اجلهن فلا تعضلو هن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا وبينهم بالمعروف)(۱۴)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو پھر انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ معروف طریقہ پر باہم رضامندی سے معاملہ طے کریں''۔

یہاں لفظ العضل استعمال ہوا ہے اس کے معنی ہیں نکاح سے روکنا، قید کرنا اور تنگ کرنا مطلب یہ ہے کہ طلاق بائن کی عدت گزر جانے کے بعد جبراً اور کرہاً نکاح کرنے سے نہ روکو۔ تفسیر صاوی میں ہے کہ اس آیت میں یا تو ان شوہروں سے خطاب ہے جو عدت گزر جانے کے بعد بھی اپنی مطلقہ عورتوں کو نکاح ثانی سے جبراً روکتے ہیں یا یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو ولی ہوں اور اپنے کسی مفاد کی غرض سے نکاح سے روکتے ہیں یا نکاح ہو چکا ہو اور شوہر کے پاس نہ جانے دیتے ہوں یا شوہروں سے اور باقی اولیا سے یہ خطاب مشترک ہے یا عام طور پر کل آدمیوں سے ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اولیا عورتوں کو شوہروں کے انتخاب سے روکتے ہیں اور روکنا اسی کی طرف سے ممکن ہے جس کے اختیار میں شئی ممنوع ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح کا اختیار ولی کو ہے نہ کہ عورت کو۔

Marfat.com

احادیث نبوی ﷺ سے ثبوت ولایت

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں چند احادیث اس بات کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔

(قال رسول اللہ ﷺ لانکاح الا بولی)(۱۵)

''رسول اللہ نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے''۔

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے:

(عن عائشة ان رسول الله قال: ایما امراة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل، فان دخل بها فلها المهر بما استعمل من فرجها فان اشتجرو افالسطان ولی من لا ولی له)(۱۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے پھر اگر اس سے (مرد نے) مباشرت کی تو اس مباشرت کو حلال کر دینے کی بناء پر عورت کے لئے مہر ہے اور اگر اولیا کے درمیان نزاع ہو جائے تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں''۔

ایک اور حدیث میں بھی اس طرح اس بات کی تائید ملتی ہے۔

(عن ابی هریرہ قال قال رسول الله ﷺ لاتزوج المراة المراة ولا تزوج المراة نفسها فان الزانية هی تزوج نفسها)(۱۷)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور عورت خود اپنا نکاح بھی نہ کرے کیونکہ زانیہ اپنا نکاح خود کرتی ہے''۔ لیکن ان روایات کا محمل احناف کے نزدیک نابالغہ ہے۔ بالغہ لڑکی کا کفو میں کیا ہوا نکاح ہو جائے گا۔

کیا جبراً نکاح درست ہے؟

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ڈرا دھمکا کر، زدوکوب یا پاسپورٹ ضائع کر دینے کی دھمکی سے یا غیر معمولی دباؤ یا زبردستی دستخط کروانا جیسے اقدام نکاح کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں یا نہیں۔

Marfat.com

جبری نکاح کے خلاف ابن حزم الظاہری یوں لکھتے ہیں:

(نکاح المکرہ فمن حکم بامضاء نکاح مکرہ فحکمہ مردود ابداً، والواطی فی ذلك النکاح زان)[۱۸]

''زبردستی نکاح کا مسئلہ یہ ہے کہ جو بھی زبردستی نکاح کو جائز قرار دے گا اس کا حکم ہمیشہ مردود قرار پائے گا اور اگر کوئی شخص زبردستی نکاح کر کے مجامعت کر لے گا تو وہ زبردستی نکاح کی وجہ سے زانی قرار پائے گا''۔

المحلی میں احکام الاکراہ کے عنوان کے تحت اس طرح درج ہے:

قال ابو محمد:

(فمن حکم بامضاء نکاح مکرہ اوطلاق مکرہ او عتق مکرہ فحکمہ مردود ابداً والواطی فی ذلك النکاح و بعد ذلك الطلاق وبعد ذلك العتق ان تزوج المطلقة والمعتقة زان یحد و یرجم ان کان محصنا ویجلد مائة ویضرب عاما ان کان غیر محصن)[۱۹]

''یعنی جو شخص زبردستی نکاح یا زبردستی طلاق یا زبردستی لونڈی آزاد کرائے گا تو اس کا حکم ہمیشہ کے لئے مردود ہوگا زبردستی کرنے والا زانی قرار پائے گا اور محصن ہوگا تو اسے رجم کیا جائے گا غیر محصن ہو تو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطن کیا جائے گا''۔

ابن حزم کہتے ہیں:

''ہر شخص اس کا ذمہ دار ہوگا جو اس نے خود کیا ہو۔ قرآن سے ثابت ہو گیا کہ بالغہ کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی رضا کے نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں بہت سے آثار صحیحہ بھی مروی ہیں۔ مثلاً جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ بیٹی کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کر دی تو نبی کریم ﷺ نے خاوند بیوی میں تفویق کرا دی''۔[۲۰] لیکن یہ غیر مقلد حضرات کا مؤقف ہے۔ احناف کے نزدیک مکرہ کی طلاق و نکاح ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح

قعقاع بن ثور کا نکاح ولی کی مرضی کے بغیر ولی کی غیر موجودگی میں ہوگیا۔ باپ جب گاؤں سے واپس آیا تو معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع سے پوچھا کہ کیا اس نے بیوی سے صحبت کی ہے اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے اس نکاح کو درست قرار دیا۔

(سلام و جریر عن عبدالعزیز بن رفیع عن ابی سلمة بن عبدالرحمن قال جاء ت امراة الی النبی ﷺ فقالت : یارسول الله ان عم ولدی خطبنی فرده ابی وزوجنی وانا کارهة قال: فدعا اباها فساله عن ذلك فقال ابوها انکحتها ولم آلوها خیراً، فقال رسول الله ﷺ لا نکاح اذهبی فانکحی من شئت) (۲۱)

''سلام اور جریر عبدالعزیز بن رفیع سے، ابوسلمة بن عبدالرحمٰن سے، روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور بولی کہ میرے بیٹے کا چچا میرے لئے رشتہ لایا۔ لیکن میرے والد نے انکار کردیا اور پھر کسی اور سے نکاح کردیا جو مجھے پسند نہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اس کے باپ کو بلایا اور اس سے پوچھ گچھ کی۔ باپ نے کہا کہ میری نیت سوائے خیر اور بہتری کے کچھ نہ تھی۔ اس لئے نکاح کردیا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ نکاح نہیں ہے عورت سے کہا کہ جاؤ جس سے چاہو نکاح کرلو''۔

والدین کا حق ولایت

بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ شریعت نے اولیا کو جو تصرف کا اختیار دیا ہے وہ والدین کو بچوں کی تربیت اور دین سے محبت پیدا کرنے میں اختیار کرنا چاہیے نہ کہ نکاح میں جبر کیا جائے۔ اگر تعلیم و تربیت درست ہوگی تو یہ مسئلہ درپیش نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں مختلف احادیث وروایات وارد ہوئی ہیں انہیں جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

(لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن) (۲۲)

Marfat.com

''ثیبہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے''۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابوسلیمان رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ کم سن بیٹی کا نکاح بلوغ سے پہلے باپ یا دادا جہاں چاہے کرسکتا ہے چاہے کنواری ہو یا ثیبہ۔ جب بالغ ہو جائے تو لڑکی جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے او باپ یا کسی اور ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں اسی طرح کسی اور کے لئے جائز نہیں کہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرے چاہے لڑکی کنواری ہو یا اس کا قبل ازیں نکاح ہو چکا ہو۔ (یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو)

ابن حزم لکھتے ہیں:

''ثیبہ صغیرہ لڑکی کا کوئی شخص نکاح نہیں کرسکتا حتی کہ وہ بالغ ہو جائے چاہے اس کا کنوارہ پن زبردستی گیا ہو یا اس کی رضامندی سے ختم کیا ہو بذریعہ حرام یا حلال''۔ (۲۳)

موطأ امام مالک میں مذکور ہے:

(الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستاذن نفسها واذنها صماتها) (۲۴)

''ثیبہ اپنے معاملہ میں ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور بکر (کنواری) سے اس کے معاملہ میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے''۔

(عن عائشة ان امرأة دخلت علیها فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیه لیر فع بی خسیسته وانا کارهة قالت اجلسی حتی یأ تی النبی ﷺ فجاء رسول الله ﷺ فد عاه فجعل الامر الیها فقالت یا رسول الله! قد اجزت ماصنع ابی ولکن اردت ان اعلم النساء من الا مرشی ء) (۲۵)

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کردیا تا کہ میرے ذریعہ اس کی خست کو دور کرے جبکہ میں اسے پسند نہیں کرتی۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس کے والد کو بلا بھیجا اور عورت کو اختیار دیا، عورت

Marfat.com

نے کہا یارسول اللہ میرے والد نے میرا جو نکاح کر دیا ہے اسے میں برقرار رکھتی ہوں میں دراصل یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا عورتوں کو اپنے نکاح کا حق ہے"۔

اس حدیث میں عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار دیا گیا۔

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہوئی ہے:

(ولکنی اردت ان اعلم النساء ان لیس للاباء من الامر شیء)(۲۶)

"لیکن میں نے چاہا کہ میں لڑکیوں (عورتوں) کو بتادوں کہ نکاح کے معاملہ میں باپوں کا کوئی دخل نہیں"۔

جن احادیث میں ولی کی ولایت کا ذکر ہے ان کی تخریج یوں کی گئی ہے:

(عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال ایما امراة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل فان دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فان اشتجرو السلطان ولی من لا ولی له)(۲۷)

"اس حدیث کو کمزور کرنے والی بات یہ ہے کہ اکثر طرق میں ابن جریج خود کہتے ہیں کہ میں زہری سے ملا تو انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا۔ اس کا ایک راوی ابن جریج ہے جس کے بارے میں علماء رجال نے کلام کیا ہے اس کی روایت معنعن ہے کتاب المدلسین کے مطابق ابن جریج مدلس تھا اس کی بعض روایات نامقبول ہیں۔

(عن عبد الله بن احمد حدثنی ابی ثنا معمر بن سلیمان ثنا حجاج بن ارطاة ، عن الزهری ، عن عروة عن عائشة ، عن النبی ﷺ قال لا نکاح الا بولی والسلطان ولی من لاولی له)(۲۸)

اس حدیث کے راوی الحجاج بن ارطاة کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک اور روایت میں آیا ہے:

(عن ابن عبد الخالق أنبأنا عبدالرحمن ابن احمد أنبانا محمد بن عبدالملک ثنا الدار قطنی ، ثنا ابو ذر احمد بن محمد قال ثنا احمد بن الحسین بن عبدالنسائی ، ثنا محمد بن یزید بن سنانه ثنا ابی عن هشام بن عروه عن ابیه

Marfat.com

عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ لا نکاح الا بولی، شاھدی عدل) (۲۹)

اس سند میں دو راوی باپ اور بیٹا دونوں ضعیف ہیں۔ اس میں راوی ابوموسیٰ کا نام ہی نہیں لیا گیا دونوں منقطع طریق پر روایت ہوئی ہیں لہٰذا یہ روایات منقطع ہیں کچھ روایات ایسی ہیں جن میں نبی ﷺ نے اولیا کے نکاح کو جب بیٹیوں کی رضامندی کے بغیر کیا ہو، رد کر دیا اور لڑکیوں کو نکاح کرنے کی اجازت دی۔

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے:

''یزید بن ہارون نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن اسحاق نے حجاج بن السائب بن ابی لبابہ نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ایک لڑکی (خذام) کی ابی لبابہ سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر باپ نے انکار کر دیا اور بنی عوف میں ایک آدمی سے شادی کر دی اس کی مرضی کے خلاف۔ پس معاملہ نبی ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کو اپنا فیصلہ کرنے کا زیادہ حق ہے مزید حکم دیا کہ لڑکی کی خواہش پوری کرو۔ پس لڑکی نے ابولبابہ سے نکاح کر لیا اور پھر لڑکی سے ابوالسائب بیٹا پیدا ہوا''۔ (۳۰)

لڑکی کے اپنے کیئے گئے نکاح کی اہمیّت

عاقلہ بالغہ عورت کے لئے اپنا نکاح خود کرنا اور دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل بنانا درست ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ظاہر الروایہ میں مروی قول اور امام زفر کے قول کے مطابق یہ نکاح اگر چہ ولی کی مرضی کے بغیر ہو مطلقاً صحیح ہوگا کیونکہ اصل یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اسے اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق ہے اور جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں اس کو اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق نہیں اس نکاح پر طلاق و میراث وغیرہ کے احکام مرتب ہوں گے۔

عورت کو حق ہے کہ اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر کر لے اور اگر اس نے ایسا اقدام کیا تو عقد منعقد اور صحیح ہوگا اور عورت ایسا کرنے سے گنہگار نہ ہوگی بعض کے نزدیک ایسی صورت میں اس نے سنت نبوی کی مخالفت کی کیونکہ سنت نبوی میں نکاح کو ولی کی رضا سے

Marfat.com

مربوط کر دیا گیا ہے لہٰذا ولی ہی سے نکاح کرانے کا مطالبہ کیا جائے گا تاکہ عورت بے شرم نہ سمجھی جائے۔

اگر ولی نے عورت سے اپنی پسند سے کی گئی شادی سے اتفاق کیا تو سنت نبوی کا تحقق ہو گیا اور عقد صحیح اور بابرکت ہوا۔ کیونکہ اس میں نکاح کے تمام ارکان شرائط اور آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ولایت اجبار کا تنقیدی جائزہ

اب ہم ان مجبوریوں کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں جن کے تحت باپ اپنے لڑکے اور خاص طور پر اپنی بیٹی کا نکاح بالجبر کرتا ہے۔

i- جس ملک میں وہ مقیم ہوتا ہے اس میں لڑکی کا کفو نہیں ملتا۔

ii- باپ کو یہ خوف ہے کہ لڑکی اپنا نکاح کسی لادین، یہودی، مجوسی یا کسی عیسائی وغیرہ سے کر لے گی۔

iii- معاشرے کے بااثر لوگوں کی طرف سے اپنی لڑکی کے بارے میں خطرہ محسوس کرتا ہے۔

اگر باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح خود کسی لڑکے کے ساتھ کر دیا جو اس کا کفو ہے اور مہر مثل مقرر ہوا ہے تو درست ہے اسی طرح اگر لڑکا غیر کفو ہے لیکن مہر مثل مقرر ہوا ہے تو باپ کا کروایا ہوا نکاح اگر بالجبر بھی کروایا گیا تو جائز ہے کیونکہ باپ نے لڑکی کے مصالح کا مکمل خیال رکھا ہے اس وقت لڑکی بالغہ باکرہ ہونے کے باوجود بھی صغیرہ یا مجنونہ کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ جس طرح صغیرہ نکاح کے مصالح سے واقف نہیں ہوتی اسی طرح یہ لڑکی بھی اپنے دین اور مذہب کے بارے میں مصالح سے واقف نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ لاابالی پن نہ صرف اس کی اپنی ذات بلکہ اس کے خاندان اور اس کی آنے والی نسل کے لئے بھی نقصان دہ ہوں گے۔

اولاد کو سمجھانے کے لئے اسلام سب سے پہلے پیار و محبت کا طریقہ اپنانے پر زور دیتا ہے بوقت ضرورت رعب اور مجبوراً والدین کو جبر کی اجازت دیتا ہے لیکن اس میں اولاد کے مصالح

Marfat.com

کو اولیت دی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر بالغہ اپنا نکاح خود کرے تو اس سے معاشرے میں خوبیاں اور خامیاں پیدا ہو جانے کا کیا امکان ہے۔

اکثر اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لڑکیاں اپنی مرضی سے شادی کرتی ہیں ان کی شادی کا انجام ٹھیک نہیں ہوتا۔ شاید مرد اور عورت ایک دوسرے سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر لیتے ہیں اور جب کوئی فریق کسی توقع پر پورا نہیں اترتا تو یہاں سے لڑائی جھگڑے کی ابتداء ہو جاتی ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لڑکیاں چونکہ گھر سے باہر کے ماحول سے اتنی واقف نہیں ہوتیں تو کچھ آوارہ اور ناکارہ لوگوں کے جھانسے میں آجاتی ہیں اور ان کا اصل اور مکروہ چہرہ اس وقت سامنے آتا ہے جب ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ اس صورت میں لڑکی کو مجبوراً ایسے شخص سے شادی کرنا پڑتی ہے جو ہر قسم کی برائیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جس کام کی ابتداہی بدبختی سے ہو تو اس کا انجام کیسے اچھا ہو سکتا ہے؟ چند لڑکیوں کو اس طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بہت سے شادی شدہ مرد اپنے آپ کو غیر شادی شدہ ظاہر کر کے لڑکی کو اپنے جال میں پھنسا کر اپنی پہلی بیوی کے ساتھ ساتھ اس دوسری کی زندگی بھی اجیرن کر دیتے ہیں۔

جب ایک لڑکی کوئی ایسا قدم اٹھاتی ہے تو معاشرے میں نہ صرف اس کو بلکہ اس کے ساتھ اس کے خاندان کو بھی لوگ اچھا نہیں سمجھتے یوں وہ صرف اپنے لئے بلکہ پیچھے رہ جانے والے بہن بھائیوں کے لئے طعن و تشنیع کا نشانہ بنتی ہے اس صورت میں اکثر والد، بھائی یا خاندان کا دوسرا اس لڑکی کو اور جس کے ساتھ اس نے یہ شادی کرنے کا قدم اٹھایا ہوتا ہے دونوں کو مار ڈالتے ہیں یوں قتل ہونے والے لڑکے کے خاندان اور لڑکی کے خاندان کی دشمنی شروع ہو جاتی ہے۔

اسلام کے اصول میں حقوق و فرائض کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جو والدین کے فرائض ہیں وہ اولاد کے حقوق ہیں اور جو اولاد کے فرائض ہیں وہ والدین کے حقوق ہیں والدین کے

Marfat.com

بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما و قل لهما قولا كريما) (۳۱)

''یعنی انہیں اف تک نہ کہو اور اسی طرح انہیں نہ جھڑ کو اور ان کے لئے پیاری بات کہو''۔

گویا جب والدین کو اف تک بھی کہنا جائز نہیں ہے تو یہ کیسے جائز ہے کہ جس بات سے وہ ناراض ہوں وہ کی جائے۔ جیسے آنحضور ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے والدین ہی تمہاری جنت اور وہ ہی دوزخ ہیں''۔

یعنی ان کی رضا اور خوشی میں اولاد کی آخرت کی کامیابی ہے نیز آنحضور ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جو اپنے بیٹے کو لئے ہوئے تھا اور اس کا بیٹا اپنے مال میں سے اپنے باپ کو کچھ نہیں دیتا تھا۔ آپ ﷺ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اس کے باپ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ: (انت و مالک لأبیک) ''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے''۔

اسلام کی پوری تاریخ کے کسی دور میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ شریعت نے معاشرہ کے مروجہ احکام و مراسم یا مرغوبات و مالوفات کے بارے میں شمشیر بے نیام ہو کر فیصلہ کیا ہو بلکہ پہلے اس نے روح پھونکی اور نقشہ میں اتارا پھر اپنے سانچہ میں ڈھال کر قبول کر لیا۔ خلاصہ یوں ہوا:

i- ثیبہ (صغیرہ ہو یا کبیرہ) آئمہ کا اتفاق ہے کہ ولی اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔

ii- صغیرہ باکرہ کا نکاح ولی اپنی مرضی سے کرا سکتا ہے۔

iii- لیکن باکرہ بالغہ کا نکاح بعض آئمہ کی رو سے ولی اپنی مرضی سے کروا سکتا ہے جبکہ بعض آئمہ کی رو سے ولی اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو ان میں" والبکر تستامر "اور" والبکر تستاذن" اور " الایم احق بنفسها والبکر تستامر " کے الفاظ ہیں۔ ایسی اکیلی عورت کو کہتے ہیں جو بیوہ یا طلاق یافتہ ہو اگر عورت کو اپنے بارے میں سارا فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تو اس میں "والبکر" کو الگ کیوں کیا جاتا بکر سے مراد ایسی لڑکی ہے جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشورہ کس سے لیا جاتا ہے؟ تو اس کا یقیناً جواب یہ ہوگا

Marfat.com

جو اہل ہو مشورہ دینے کا۔ اب اگر فرض کریں کہ مشورہ قبول نہیں کرنا تو لازمی طور پر سوال ابھرتا ہے کہ مشورہ لیا ہی کیوں گیا۔ قرآن میں مردوں کے بارے میں آیا ہے۔

(الرجال قوامون علی النسآء)[۳۲]

قوام کا مطلب ہے نگران، سہارا، معاون، مددگار، لہٰذا مرد عورت کے لئے معاون مددگار ہو۔ عورت کمزور ہے چونکہ وہ اپنا زیادہ وقت گھر میں اور چند افراد کے ساتھ گزارتی ہے جو کہ اس کے ساتھ مخلص اور اس کے معاون ہوتے ہیں۔ نیز عورت کو ناقص العقل بھی کہا گیا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ کم عقل ہے یا اس کے دماغ میں کوئی خرابی ہے بلکہ اس کا Vision ہی محدود ہے تو وہ لوگوں کے بارے میں زیادہ وسیع تجربہ بھی نہیں رکھتی اس لئے ولی اس کے ساتھ معاونت کرے گا۔

بعض لوگ نکاح کو بیع وشراء سے تعبیر کرتے ہیں لیکن بیع وشراء میں انسان کچھ وقت کے بعد فارغ ہو جاتا ہے نکاح کا معاملہ بیع وشراء اور اجارہ ورہن سے ہٹ کر ہے۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے:

لہٰذا اس معاملے کو اس شخص کے ہاتھوں انجام تک پہنچنا چاہیئے جس کا تجربہ ہو جو لڑکی اور لڑکا دونوں کے مصالح کو پیش نظر رکھ کر نیک نیتی سے اس معاملے کو انجام دے۔ ولی کی ولایت کی بحث میں خاص طور سے اس کے اختیارات وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ولی کو جو اختیارات حاصل ہیں ان میں سب سے زیادہ مقدم افہام وتفہیم کا ہونا ہے۔ جو معاملات بگڑیں یا جو باتیں سامنے آئیں بجائے اس کے کہ ان کو قوت وطاقت اور حکومت و عدالت کا سہارا لے کر حل کیا جائے انہیں آپس میں افہام وتفہیم کے ذریعے حل کیا جانا چاہیے۔

ایک مسئلہ

قرآن میں عورت کے اپنے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

(فاذا بلغن اجلھن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف)[۳۳]

آیت کے بموجب اپنی ذات کے متعلق عورت کے اقدام کے جواز کا ثبوت ہو رہا ہے

Marfat.com

اور درمیان میں ولی کی کوئی شرط نہیں ہے لیکن اگر صحت عقد کے لئے ولی کی شرط عائد کردی جائے تو اس سے آیت کے وجوب کی نفی لازم آئے گی۔

اگر یہ کہا جائے کہ آیت میں اپنی ذات کے متعلق عورت کے اقدام سے مرد کا ازدواجی زندگی اختیار کرنا ہے اور عورت کے سلسلے میں کوئی عقد اس کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگا اس کے جواب میں کہا جائے گا یہ بات دو وجوہ سے غلط ہے۔ اول یہ کہ لفظ کا عموم ازدواجی زندگی اختیار کرنے یا نہ کرنے دونوں کو شامل ہے دوم ازدواجی زندگی کو پسند کر لینے سے اپنی ذات کے متعلق کوئی قدم اٹھانے کا مفہوم حاصل نہیں ہوتا یہ مفہوم تو عقد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر نکاح کے احکام متعلق ہوتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ

عقد نکاح کے اولین مقاصد عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان مقاصد میں کوئی ولی اس کا شریک نہیں مثلاً جماع کی حلت، نفقہ اور سکنیٰ کا وجوب اور اس طرح کے دوسرے مخصوص حقوق جو اس عقد کے نتیجہ میں عورت کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے معاملات میں اصل یہ ہے کہ مقاصد وہ شخص انجام دے جو ان اصلی مقاصد سے متعلق ہو۔

لیکن ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اگر ولایت ضروری ہوتی تو اس کی خصوصیات آنحضور ﷺ بتا دیتے کہ اس کے اندر یہ یہ خوبیاں ہونی چاہئیں۔ نیز اس موقع پر یہ بھی سوال کیا جاتا ہے کہ تمام آئمہ باپ کو ولی مجبر مانتے ہیں اور عدم موجودگی میں دادا یا بھائی۔ فرض کریں باپ دادا کی عدم موجودگی میں دو جڑواں بھائی ہیں تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اگر آنحضور ﷺ نے صرف باپ دادا یا بھائی کسی کو بھی ولی مخصوص نہیں کیا کیونکہ تمام انسان فانی ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر کسی کا باپ، دادا، بھائی وغیرہ ہوں۔ فرض کریں ارضی وسماوی آفات یا جنگوں میں کسی کے تمام ولی فوت یا لاپتہ ہوگئے ہوں تو پھر ایسی لڑکی کے بارے میں کیا کیا جائے گا؟ اس پر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ سلطان اس کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہیں ہے فرض کرتے ہیں کہ وہاں پر کوئی بادشاہ نہیں ہے یا بادشاہ ہے تو

Marfat.com

بہت دور ہے اس تک جانے کے لئے زادراہ نہیں تو اس وقت وہ لڑکی کیا کرے؟ کیا اس کی شادی نہیں ہونی چاہیے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ استثنائی صورتیں ہیں اور ان استثنائی صورتوں میں شریعت کے استثنائی اصول وقواعد کا اطلاق ہوگا تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ قانونی ہدایات، انسانی مصالح اور معاشرتی ضرورتوں کے لئے ہوتی ہیں۔

ولی کے بارے میں عام طور پر یہ خیال ہے کہ باپ و دادا ایک طرف تو اپنی اولاد کے حق میں انتہائی شفیق اور سچے خیر خواہ ہوتے ہیں دوسری طرف وہ جہاں دیدہ، پختہ کار اور صاحب نظر بھی ہوتے ہیں اسی لئے ان سے یہی توقع رکھی جاسکتی ہے کہ اپنے لخت جگر کے مستقبل کے بارے میں اہم ترین فیصلہ کرتے وقت کم اندیشی اور کوتاہ نظری سے کام نہیں لیں گے اور مخلصانہ وخیر خواہانہ ذمہ داری کا حق پوری طرح ادا کریں گے۔ بلاشبہ اس خیال میں خاصا وزن ہے لیکن یہ وزن اتنا زیادہ بھی نہیں ہے کہ اس خیال یا رائے کو ایک دائمی کلیہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے، کم از کم آج کے دور کا تجربہ اور مشاہدہ تو اس نظریہ کی پوری پوری تائید نہیں کرتا زوال کے مارے ہوئے مسلم معاشرے میں کتنے ہی افراد ایسے مل سکتے ہیں جو اپنی نابالغ لڑکی کو نکاح کے نام پر فروخت کررہے ہوتے ہیں۔

اس بارے میں ایک سوچنے کا نقطہ یہ بھی ہے کہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت نے اپنے آپ کو آنحضور ﷺ کے لئے اپنے نفس کو ھبہ کیا تھا۔ اس وقت آنحضور ﷺ نے اس کے ایک مرتبہ کہنے پر کچھ جواب نہ دیا پھر دوسری مرتبہ بھی آپ ﷺ خاموش رہے اور تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا پھر ایک صحابی نے کہا کہ اگر آپ ﷺ نکاح نہیں کرنا چاہتے تو مجھ سے نکاح کردیں تو آپ ﷺ نے اس سے مہر میں کچھ دینے کے لئے کہا کہ اگرچہ لوہے کا چھلا ہی کیوں نہ ہو اس وقت آپ ﷺ نے اس عورت کے اس عمل کو ناپسند کرکے اسے غلط نہیں کہا۔ اگر آپ ﷺ اس وقت اس کے اس عمل کو قبول کرلیتے تو اس سے معاشرے میں بہت بڑی خرابی پیدا ہونے کا خطرہ تھا اس طرح کھلے عام زنا کا دروازہ کھل جاتا اور کوئی بھی اس کام کو غلط نہ سمجھتا۔ چونکہ اسلام پاکیزہ مذہب ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور اپنے تمام معاملات میں اس پاکیزگی کو تمام لوگوں کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے لہٰذا عقد نکاح میں بھی

Marfat.com

اس پاکیزہ گی کو حاصل کرنا لازم اور واجب ہے۔

ہم اپنے موضوع کو تین نقاط میں سمٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

i- ولی کے لحاظ سے

ii- مولی علیہ کے لحاظ سے

iii- فقہا اور عرف کے لحاظ

i- ولی کے لحاظ سے

کسی زمانے یا ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ولی اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرنے لگے یعنی باپ اپنی بالغ یا نابالغ اولاد کی مصلحت کے خلاف کام کرنے لگے تو اس اقدام کو روکنے کے لئے فقہا نے باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کے لازم ہونے کے لئے چند شرطیں لگائی ہیں کہ باپ دادا مالی معاملات میں غیر امین نہ ہوں فاسق اور لاپرواہ نہ ہوں۔ اسے فقہا کی اصطلاح میں معروف بالسوء سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی موجودگی سے ولی کا حق ولایت ختم ہو جائے گا۔

ii- مولی علیہ کے لحاظ سے

عاقلہ بالغہ کے تصرفات کی صحت کو ثابت کرنے والی اہلیت ہی اس کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ دیگر معاملات کی طرح عقد نکاح کو بھی انجام دے سکے۔ لیکن اگر وہ اپنے دین و مذہب کی دی گئی رعایتوں سے تفاوت کرنے لگے تو اس کی اجازت اسلام ہرگز نہیں دیتا۔ اگر مذہب اسلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ پانچ چیزوں ہی کی حفاظت پر زور دیتا ہے جس میں دین، جان و مال، عقل اور نسل ہیں۔

جب لڑکی غیر مسلم معاشرہ میں کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتی ہے جس سے اس کے درج شدہ پانچ مصالح میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچتا ہو تو یہ اس کا فیصلہ نابالغ یا مجنون کے کئے گئے فیصلہ کی مانند ہوگا اور اس پر ولایت اجبار لاگو ہوگی جس طرح نابالغ اور مجنون اپنے مصالح کو نہیں سمجھتا اس طرح یورپ میں رہنے والی عورت جس کا کفو نہ مل رہا ہو اور

Marfat.com

اس پر تمام فقہا ولایت اجبار کے قائل ہیں لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے غیر مسلم معاشرہ کے برے اثرات سے بچانے کے لئے ولی کے بالغہ باکرہ کے کرائے گئے جبری نکاح کو بھی درست تسلیم کیا جائے گا کیونکہ فقہ کا ایک اصول یہ بھی ہے:

(مامن عام الاوقد خص عنه البعض)(۳۴)

یقیناً زندگی میں بعض لوگوں کو حالات کی ایسی صورت کا سامنا بھی کرنا ہوتا ہے کہ وہ خلاف قانون کوئی کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا اولاد کے مصالح کے لئے اگر والدین کو ان کے جبراً نکاح کروانے کا اقدام بھی کرنا پڑے (جو بعض فقہا کی رو سے اگر نص کے خلاف ہے) تو بھی جائز ہے کیونکہ اسلام میں اضطراری حالات میں نصوص کو ترک کرنے کی اجازت ہے اس لئے والدین کے اس اقدام سے شریعت کے مصالح خمسہ (دین، جان، مال، عقل، نسل) میں سے دین اور نسل کی حفاظت مقصود ہے۔

اس فیصلے میں منطق یہ بھی ہے کہ فرض کریں اگر لڑکی کو دھمکی کے تحت نکاح پر مجبور کیا گیا ہے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس نے زندگی اور موت میں سے کسی ایک کو ترجیح دی ہے یعنی ترجیح سے پہلے اس نے جینے اور مرنے کے بارے میں سوچا ہے اور سوچ کر کیا گیا فیصلہ اس کی مرضی کا ہے اور مرضی اس کا اذن ہے جسے قبول کیا جائے گا اور اس سے نکاح کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

iii- فقہا اور عرف و عموم کے لحاظ سے

مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک لڑکی خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی ولی کے واسطہ ہی سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ ابن قدامہ نے جمہور کے نقطہ نظر کو ان الفاظ میں واضح کیا:

(ان النکاح لا یصح الا بولی ولا تملك المرأة تزویج نفسها ولا غیر ها، ولا توکل غیر ولیها فی تزویجها فان فعلت لم یصح النکاح)(۳۵)

اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہتر ہے کہ ولی کی رائے یا اس کی اجازت لے لی

Marfat.com

جائے اور ولی ہی عقد نکاح کو انجام دے تا کہ عورت بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو اور عرف و دستور کے خلاف بھی نہ ہو۔

عرف وعموم کے لحاظ سے

عرف وعموم کی رو سے دیکھا جائے تو شروع سے اولیاء ہی اپنے بچوں کے نکاح کا انعقاد کرتے آئے ہیں اسے زمانے میں عزت ووقار اور خوشی اور مسرت کا باعث سمجھا جاتا ہے لیکن اگر لڑکی کو خود اپنا نکاح کر لے اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا اسلام میں اس عرف وعموم کا لحاظ رکھا جاتا ہے جس سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔ عرف وعموم کی بنا پر کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی۔ البتہ اس سے کلام کا مفہوم متعین ہوتا ہے نیز شرعی احکام کا انطباق کرنے میں مدد ملتی ہے اور معاملات کی نت نئی شکلوں کو ان کے رائج ہونے کی بناء پر اباحت ورخصت اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ کسی پر ظلم وزیادتی نہ ہوتی ہو۔ ایک غیر اسلامی ریاست میں رہنے والے مسلمان کو سیاسی، معاشرتی، معاشی مسائل کے سلسلہ میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ قابل عمل اور مبنی بر مصالح صورتیں اختیار کی جائیں

مجموع الفتاوی میں ہے:

(ثم ان مانهى عنه لسد الذريعه جائز للمصلحة الراجحة)

’’جو چیز سد ذریعہ کی غرض سے ناجائز قرار دی گئی ہیں وہ مصلحت راجحہ کے لئے جائز ہو جاتی ہیں‘‘

حاصل بحث

مغربی ممالک کے غلط ماحول میں پرورش پانے والی اولاد اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مصالح خمسہ (دین، جان، مال، عقل اور نسل) کو سمجھ کر فیصلہ کرے۔ بلکہ وہ جنسیاتی ماحول کے آلودہ سیلاب میں بہہ کر جذباتی فیصلے کر سکتی ہے اور جذبات کی رو میں بہہ کر کئے گئے فیصلے اکثر پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں۔

فقہ کے درج شدہ اصول کے تحت والدین کی ولایت جو سد الذریعہ کی غرض سے ناجائز

Marfat.com

تھی اب اس میں اولاد کی مصلحت راجحہ کی موجودگی سے وہ جائز قرار پائے گی اور والدین کے جبراً کرائے گئے نکاح کو جائز اور صحیح تسلیم کیا جائے گا۔

دوسرے الفاظ میں مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے والدین خصوصی حالات میں اگر اپنی بیٹی کا جبری نکاح کر دیں تو یہ درست ہوگا۔ اس میں حالات و زمانہ کو سامنے رکھنا ہوگا۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) یہ رپورٹ BBC کے کئی پروگرامز میں نشر ہو چکی ہے۔

(۲) القرآن (الملک) ۶۷:۱۵

(۳) القرآن (البقرہ) ۲:۲۲۱

(۴) القرآن (الممتحنہ) ۶۰:۱۰

(۵) القرآن (المائدہ) ۵:۵۶

(۶) القرآن (التوبہ) ۹:۷۱

(۷) عینی، علامہ بدر الدین، البنایہ شرح ہدایہ، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد، کتاب النکاح، ص۲

(۸) القرآن (البقرہ) ۲:۲۸۲

(۹) بحوالہ نمبر ۷

(۱۰) زحیلی، وھبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان، ۱۹۹۵ء، ج:۲، ص ۱۷۹

(۱۱) القرآن (النور) ۲۴:۳۲

(۱۲) القرآن (البقرہ) ۲:۲۲۱

(۱۳) القرآن (النساء) ۴:۳۴

(۱۴) القرآن (البقرہ) ۲:۲۳۴

(۱۵) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، ج:۱، ص ۱۶۳

(۱۶) ....ایضاً..........

(۱۷) ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، پیر محمد کتب خانہ کراچی ۱۹۸۴ء، کتاب

Marfat.com

النکاح باب لا نکاح الا بولی، ج:۱، ص۱۸۸۲

(۱۸) ابن حزم ابو محمد علی احمد، المحلی، مطبعۃ الامام قاہرہ، احکام الاکراہ، ج:۸، ص۳۳۵

(۱۹) .... ایضاً ....

(۲۰) ابن حزم ابو محمد علی احمد، المحلی، مطبعۃ الامام قاہرہ، احکام الاکراہ، ج:۹، ص۳۴۱

(۲۱) ابن ابی شیبۃ ابی بکر عبداللہ، المصنف، ادارہ القرآن العلوم اسلامیہ کراچی، ۱۹۸۶ء

(۲۲) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۷۲ء، باب استیذان الشیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت

(۲۳) حوالہ سابق (المحلی، ابن حزم)، احکام النکاح، ج:۹، ص۴۵۹

(۲۴) مالک بن انس، موطا امام مالک للنشر والتوزیع القادسیہ الکویت

(۲۵) نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، مطبعہ مصطفیٰ حلبی مصر، ۱۳۸۳ھ، کتاب النکاح، باب البکر یزوجها ابوها وهی کارهة، ج:۲، ص۶۹

(۲۶) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، ج:۱، ص۱۶۳

(۲۷) .... ایضاً ....

(۲۸) .... ایضاً ....

(۲۹) .... ایضاً ....

(۳۰) .... ایضاً ....

(۳۱) القرآن (الاسراء) ۱۷:۲۳

(۳۲) القرآن (النساء) ۴:۳۴

(۳۳) القرآن (البقرہ) ۲:۲۳۴

(۳۴) الدبوسی، ابی زید عبداللہ بن عمر بن عیسیٰ، تاسیس النظر، المطبعۃ الادبیہ، مصر

(۳۵) ابن قدامہ، المغنی، بحوالہ سابق

(۳۶) ابن ہمام، فتح القدیر، ص۳۷، ۲۵۵

Marfat.com

مابعد جدیدیت اور مہابیانیہ (Metanarrative) پر تشکیک

(اسلامی تعلیمات کے تناظر میں)

مابعد جدیدیت (Postmodernism) کیا ہے؟

مابعد جدیدیت اصل میں انگریزی اصطلاح Postmodernism کا اردو متبادل ہے۔اسے مختصراً Pomo بھی لکھا جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت آج کے دور کا فلسفہ، ترقی یافتہ معاشروں کا عقیدہ، طرز زندگی اور معاشرتی صورت حال کا نام ہے۔

مابعد جدیدیت کا لفظی معنی ہے، جدیدیت کی تحریک (Modernism) کے بعد! مغرب میں جدیدیت کی تحریک کے ردعمل میں برپا ہونے والی فکری تحریک یا معاشرتی رجحان کو مابعد جدیدیت کہا جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت کی اصطلاح کا استعمال ابتدا میں تنقیدی نظریہ میں استعمال ہوا، اور بعد میں اس سے مراد ادب، ڈرامہ، آرٹس، آرکی ٹیکچر، ڈیزائن، مارکیٹنگ اور بزنس وغیرہ میں ترقی وارتقا کی سمت مراد لی جانے لگی۔حتی کہ بیسویں صدی کی اختتامی دہائیوں میں یہ اصطلاح تاریخ، قانون، کلچر اور مذہب کی وضاحت کے لیے بھی استعمال ہونے لگی۔ مابعد جدیدیت جمالیاتی، ادبی، سماجی اور سیاسی فلاسفی بھی ہے جو معاشروں اور اداروں کی تبدیلیوں اور ارتقا کے عمل کو موضوع بحث بناتی ہے۔Wikipedia کے مطابق:

" Postmodernism is an acsthetic, literary, politicalor

Marfat.com

social philosophy, which was the basis of the attempt to describe a condition, or state of being, or something concerned with changes to institutions and conditions as postmodernity."(۱)

ترجمہ: مابعد جدیدیت ایک جمالیاتی، ادبی، سیاسی یا سماجی فلسفہ ہے جو کہ دراصل اس کوشش کا نام ہے جو حالات یا اداروں کی تبدیلی سے متعلق ہے۔

دوسرے لفظوں میں مابعد جدیدیت فکری اور ثقافتی مظہر کا نام ہے۔ The compact oxford English Dic. کے مطابق:

" A style and concept in the arts characterized by distrust of theories and ideologies."(۲)

ترجمہ: آرٹس میں ایسا سٹائل اور تصور جو نظریات وعقائد پر بے اعتقادی کا اظہار کرتا ہے۔

مابعد جدیدیت ایک پیچیدہ صورت حال ہے جس نے روشن خیالی، آزادی، جنس، اخلاقیات، مذہب سماجیات، بلکہ زندگی کے بیشتر گوشوں کو نئے اور متنوع مباحثہ (Discourse) سے ہمکنار کیا ہے۔ فکر انسانی کا ایک نہایت ہی اہم عمل اپنے ہی مقدمات اور موضوعات پر تنقید کرنا ہے۔ چنانچہ مابعد جدید مفکرین نے ان مسائل اور مفروضات کا تنقیدی جائزہ لیا جن سے جدید فکر ترکیب پائی تھی۔ جدیدیت (Modernism) کے علم بردار عقل اور سائنس کے ذریعے آفاقی قدروں (Universal values) کو متعین کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مابعد جدید مفکرین نے ان سے اختلاف کر کے سچائی کو اضافی اور حقیقت کو موضوعی ٹھہرایا اور پیچیدہ انسانی صورت حال کو ہر عقلی نظام کی گرفت سے آزاد قرار دیا۔ جدیدیت نے مذہب اور روایت کے بخیے ادھیڑے تھے مگر مابعد جدیدیت نے جدیدیت کو ہی رد کر دیا اور نظریہ اضافیت پیش کیا۔ مابعد جدیدیت سچائی، اخلاقی قدر، حسن، ذوق وغیرہ کا تعلق

Marfat.com

انفرادی پسند و ناپسند اور حالات (Context) سے جوڑتی ہے۔ یعنی ایک ہی بات کسی مخصوص مقام پر یا مخصوص صورتوں میں سچ اور دوسری صورتوں میں جھوٹ ہو سکتی ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ، جنہوں نے مابعد جدیدیت کے مباحثہ کو اردو ادب سے روشناس کرایا ہے، لکھتے ہیں:

"مابعد جدیدیت کا تصور بھی زیادہ واضح نہیں ہے۔ مابعد جدیدیت تھیوری سے زیادہ صورت حال ہے یعنی جدید معاشرے کی تیزی سے تبدیل ہوتی ہوئی حالت، نئے معاشرے کا مزاج، مسائل، ذہنی رویے یا معاشرتی و ثقافتی فضا، یا کلچر کی تبدیلی جو بحران (Crisis) کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد جو ذہنی فضا بننی شروع ہو گئی تھی اس کا بھرپور اظہار لاکاں، دریدا، التھیوسے، فوکو، بارتھ اور لیوتار جیسے مفکرین کے یہاں ملتا ہے۔ نظریاتی اعتبار سے دیکھیں تو مابعد جدیدیت "بت ہزار شیوہ ہے"۔ (۳)

پروفیسر نارنگ بھی مابعد جدیدیت کو بت ہزار شیوہ قرار دے کر کوئی سکہ بند تعریف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اصل میں ہم اس بات کے عادی ہیں کہ کسی بھی علمی یا فکری اصطلاح کی متفقہ قسم کی تعریف ہونی چاہیے اور گزشتہ فکری تحریکات مثلاً روشن خیالی، افادیت پرستی، عقلیت پرستی اور جدیدیت وغیرہ کی باقاعدہ طے شدہ تعریفات ہیں لیکن مابعد جدیدیت کی اس طرح کی کوئی باقاعدہ تعریف نہیں ملتی کیونکہ یہ کوئی تھیوری نہیں بلکہ بعض مفکرین کے نزدیک انٹی تھیوری ہے۔

جین فرینکوس لیوٹارڈ بھی مابعد جدیدیت کو تھیوری نہیں بلکہ صورتحال (Condition) قرار دیتا ہے۔ اس کی کتاب کا نام ہے: The Postmodern: A Report on Knowledge: اس کتاب کے آغاز میں وہ لکھتا ہے:

" The status of knowledge is altered as the postindustrial age and cultures enter what is known as the

Marfat.com

postmodern age." (۴)

ترجمہ: علم کی نوعیت تبدیل ہوگئی ہے کیونکہ معاشرے مابعد صنعتی دور میں داخل ہو گئے ہیں اور ثقافتی مابعد جدید دور میں۔

لیوٹارڈ مابعد جدیدیت کو کوئی نظریہ یا تھیوری قرار نہیں دیتا بلکہ عصر حاضر کی صورتحال کو مابعد جدیدیت کہتا ہے۔ اس کے نزدیک ثقافتی تبدیلی کی وجہ سے علم قابل فروخت شے بن گیا ہے اور معاشرے ڈیجیٹل (Digitalise) ہو گئے ہیں۔

جدیدیت کے علم برداروں نے اپنے نظریات پر جس شدت سے اصرار کیا تھا اور اپنے نظریات کے نفاذ کے لیے جس طرح طاقت اور حکومت کا استعمال کیا تھا اس نے فکری جبر کی وہی صورت حال پیدا کر دی، جو عہد وسطیٰ کے یورپ میں مذہبی کلیسا نے پیدا کی تھی۔ اور جس کے ردعمل میں جدیدیت کی تحریک پیدا ہوئی تھی۔ اس سختی کا لازمی نتیجہ شدید ردعمل کی صورت میں ظاہر ہوا اور یہی مظہر (Phenomenon) مابعد جدیدیت کہلاتا ہے۔ مابعد جدیدیت کی متفقہ تعریف تو سامنے نہیں آسکی لیکن اس بات پر تقریباً تمام مفکرین کا اتفاق ہے کہ مابعد جدیدیت، جدیدیت کے ردعمل میں ظہور پذیر ہوئی۔

لہٰذا مابعد جدیدیت دراصل ان افکار کے مجموعے کا نام ہے۔ جو جدیدیت کے بعد اور اکثر اس کے ردعمل میں ظہور پذیر ہوئے۔ اس کے علم بردار نہ تو کسی منظم نظام فکر کے قائل ہیں اور نہ منظم تحریکوں کے! اس کے مفکرین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مابعد جدیدیت کسی نظریے کا نام نہیں ہے بلکہ اس عہد کا نام ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور ان کیفیتوں کا نام ہے جو اس عہد کی امتیازی خصوصیات ہیں کیونکہ اس موضوع پر بے شمار کتب لکھی جا چکی ہیں اور مباحث چھیڑے جا رہے ہیں اور اس کے دعاوی کے حق میں دلائل کے انبار جمع کیے جا رہے ہیں۔ اس لیے دنیا ان کے خیالات کو نظریہ حیات (Ideology) یا طرز زندگی ماننے پر مجبور ہے۔

اس مقام پر اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ اکثر امور میں مابعد جدید مفکرین میں

Marfat.com

اتفاق رائے بھی نہیں ہے اور علمی حلقوں میں یہ اصطلاح مختلف معنوں میں استعمال ہوتی رہی ہے۔اس لیے بھی اس کی تعریف بیان کرنا مشکل ہے۔لیکن اکثر خیالات ان میں مشترک بھی ہیں اور یہی فکر ان کا امتیاز ہے۔

مابعد جدیدیت کے اہم مفکرین

مابعد جدیدیت کی فکر کو پروان چڑھانے میں جن مغربی مفکرین نے اہم کردار ادا کیا ان کے نام یہ ہیں: رولاں بارتھ (Roland Barth 1915-1980)، چارلز جینکس (Charles Jencks)، لیوٹارڈ (J-F Lyotard 1924-1998)، ژاک دریدا (Jacques Derrida 1930-2004)، مشل فوکو (Michel Foucault 1926-1984)، ژین بادریلا (Jean Baudrillard 1928) وغیرہ۔

مہابیانیہ پر تشکیک (Incredulity toward Metanarrative):

لیوٹارڈ، جس کا اس فکر کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے وہ کہتا ہے:

" I define postmodernism as incredultiy towards metanarratives."(۵)

ترجمہ: میرے نزدیک مابعد جدیدیت کا مطلب عظیم بیانات پر عدم یقین ہے۔

یہ میٹا نیریٹو کیا ہے؟ پہلے اس کی تھوڑی سی وضاحت ہو جائے۔ یہ مابعد جدیدیت کی فرنٹ لائن یا بنیادی اصطلاح ہے اسے Masternarrative اور Grandnarrative بھی کہا گیا ہے۔ میٹا (Meta) یونانی لفظ ہے جس کا معنی مابعد، ورا (Beyond) اور علاوہ ہے۔ جس طرح Metaphysics اور Meta Language وغیرہ۔ جب یہ کسی لفظ کے ساتھ بطور سابقہ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد ایک نظری فریم ورک نظریہ یا تھیوری ہوتا ہے۔ یہ فریم ورک یا تھیوری دراصل اس موضوع کی

Marfat.com

تجرید(Abstract) ہے، جس کا مطالعہ تھیوری کرتی ہے۔ مثلاً میٹا فزکس سے مراد فزکس کی وہ ابتدائی (First order) تھیوری ہے جو مابعد الطبیعیات کا مطالعہ کرتی ہے اسی طرح میٹا ٹیریٹو سے مراد وہ نظری فریم ورک یا First order نیریٹو ہے جو بیانیے کا مطالعہ کرتی ہے۔ گویا میٹا ٹیریٹو، بیانیے سے متعلق وہ بیانیہ ہے جو مختلف بیانیوں اور بیانیاتی نظام کا تجزیہ کرتا ہے اور بیانیوں کی اصل سے ہمیں آگاہ کرتا ہے۔ واضح رہے کہ میٹا ٹیریٹو مین بیانیے کا مفہوم وہی ہے جو سب پہلے رولاں بارتھ اور پھر لیوٹارڈ نے اسے دیا ہے۔ انہوں نے بیانیے کو ادبی صنف کی محدودیت سے نکال کر ایک ساخت اور نظام قرار دیا جو متعدد علوم، کلامیوں اور نظریوں میں کارفرما ہے۔ لیوٹارڈ نے مہا بیانیے کی منطقی وضاحت کی بجائے اسے جدیدیت کے بیانیوں کے تناظر میں واضح کیا ہے۔ وہ اولاً کہتا ہے کہ مابعد جدید صورت حال تمام مہابیانیوں پر شبہ کرتی ہے وہ تمام مہابیانیے جو جدیدیت نے تشکیل دیے تھے۔ جدیدیت کے مہابیانیوں میں سائنسی عقلیت کو کلی انسانی ترقی کا باعث قرار دینا، ڈارون کے نظریہ ارتقا کو انسانی نوعی ارتقا کا کلی نظریہ سمجھنا فرائڈ کے نفسی ماڈل کو کلی انسانی نفسی ماڈل ٹھہرانا اور مغربی تاریخ کی ادوار بندی یعنی زوال روما، دور مظلمہ، نشاۃِ ثانیہ، روشن خیالی اور جدیدیت وغیرہ۔

مابعد جدیدیت کے حامی کہتے ہیں کہ درج بالا مہابیانیے جو جدیدیت نے عالمگیر سچائیوں کی صورت میں پیش کیے، کھلا فریب تھا۔ وقت نے ان خود ساختہ حقیقتوں کا جھوٹ واضح کر دیا ہے۔ جدیدیت نے چونکہ اشتراکیت کو بھی عالمگیر صداقت یا مہابیانیہ (Metanarrative) کے طور پر پیش کیا تھا اور اکثر مابعد جدیدی مفکر اشتراکی تھے۔ روس کی افغانستان میں ہزیمت اور ماسکو کی گلیوں میں کمیونزم کی بساط کا لپیٹا جانا، ایسی چوٹ تھی جو ان سے برداشت نہ ہوئی اس لیے مابعد جدید مفکرین کے ہاں یہ جملہ ضرب المثل بن گیا:

"If Marx isn't true then nothing is" (۶)

ترجمہ: اگر مارکس (کی فکر) صحیح نہیں تو کچھ بھی درست نہیں۔

Marfat.com

لہٰذا مابعد جدید مفکرین نے ہر قسم کے مہابیانیہ کو رد کرنے میں ہی عافیت سمجھی ہے۔ مابعد جدید مفکرین کے نزدیک تصور جہاں (World view) سچائی کی پیداوار نہیں ہوتا بلکہ لوگوں نے اپنے من پسند خیالات کو عالم گیر سچائیوں کے طور پر دنیا پر مسلط کیا ہے۔ اس لیے یہ مفکرین عالم گیر اصول و اخلاق کے طور پر پیش کی جانے والی کسی بھی تھیوری کو ماننے سے انکاری ہیں۔

مابعد جدیدیت کے ماننے والے سائنس کو بھی حتمی سچائی کی حیثیت سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چونکہ ان کے نزدیک سائنس بھی اپنے دعوے ثابت کرنے میں ناکام رہی ہے۔ لیوٹارڈ لکھتا ہے:

"In the first place, scientific knowledge does not represent the totality of knowledge; it has always existed in addition to, and in competition and conflict with, another kind of knowledge, which I call Narrative........"(۷)

ترجمہ: پہلی بات تو یہ کہ سائنسی علم ہی کامل علم کی نمائندگی نہیں کرتا، یہ ہمیشہ اضافی بلکہ مقابلہ کی حالت میں رہا ہے دوسری قسم کے علم کے ساتھ جسے میں "بیانیہ" کہتا ہوں۔

یعنی لیوٹارڈ سائنسی علم کو، عقائد کے علم (جسے وہ بیانیہ کہتا ہے) سے برسر پیکار سمجھتا ہے۔

Encyclopedia of Faith and Reason کا مقالہ نگار رقم طراز ہے:

" Postmodernism is largly a reaction to the assumed certainty of scientific, or objective efforts to explain reality. In essence, it stems from a recognition that reality is not simply mirrored in human understanding of it, but rather is constructed as the mind tries to understand its own particular and personal reality. For this reason, postmodernism is highly skeptical of explanations which claim to be valid for all

Marfat.com

groups, cultures, traditions or races, and instead focuses on the relative truth.

Postmodernism is "post" because it denies the existence of any ultimate principles and it lacks the optimism of there being as scientific, philosophical or religious truth, which will explain everything for everbody."(8)

ترجمہ: مابعد جدیدیت صداقت کے تیقن کی کوششوں (سائنسی ہوں یا خارجی) کے خلاف ردعمل ہے۔ صداقت محض انسانی فہم کی انعکاسی نہیں ہے بلکہ انسانی ذہن اپنے لیے خود سچائیاں تخلیق کر لیتا ہے۔ اس لیے مابعد جدیدیت ہر اس تشریح و تفہیم پر شبہ ظاہر کرتی ہے جو تمام کلچرز، معاشروں، روایات اور نسلی گروہوں کے لیے آفاقی ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس کے بجائے یہ اضافی صداقتوں پر یقین کرتی ہے۔ مابعد جدیدیت اسی لیے ''مابعد'' ہے کہ یہ ''صداقت مطلق'' کے وجود کا انکار کرتی ہے۔ اور سائنسی، فلسفیانہ اور مذہبی صداقتوں پر یقین نہیں رکھتی جو آفاقی ہونے کی دعوے دار ہیں۔

مابعد جدیدیت ہر تاریخی عہد اور مظہر کو مقامی (Localize) تسلیم کرتی ہے۔ آفاقیت کی بجائے اضافیت، مابعد جدیدیت کا اہم مقدمہ ہے۔

مابعد جدیدیت، میٹا ٹیریٹو کے نام پر ہر عقیدہ، نظریہ آفاقی صداقت کو شک و شبہ کی کسوٹی پر پرکھتی ہے اور پھر رد کر دیتی ہے۔ مابعد جدیدیت کے مدعی کہتے ہیں کہ آفاقی صداقتیں، محض اساطیر (Myths) ہیں جو ''صداقت'' کی مختلف شکلوں کو قانونی درجہ دینے (Legitimise) کے لیے تراشی جاتی ہیں۔

مابعد جدید مفکرین (لیوٹارڈ، رولینڈ بارتھ وغیرہ) کا یہ کہنا کہ ''یہ دور میٹا ٹیرٹیو کے خاتمہ کا اعلان کرتا ہے اور مابعد جدیدیت ہر طرح کے مہابیانیہ کا رد کرتی ہے۔'' یہ اعلان یا دعویٰ بھی تو مہابیانیہ (Metanarrative) کے زمرے میں آتا ہے۔ مہابیانیہ کے رد کا یہ دعویٰ بھی تو ایک

Marfat.com

مہابیانیہ ہے اور استبعاد (Paradox) ہے۔ ان کا یہ دعویٰ دودھاری تلوار ہے جس سے وار کرنے والا بھی محفوظ نہیں۔

Jurgan Habermas مابعد جدیدیت کے اس دعویٰ کو جھوٹے کی الجھن (Paradox Liar's) قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"Lyotard's incredulity towards metanarratives could be said t be self-refuting and Liar's paradox (this statement is false). One is skeptical of universal narratives such as truth, knowledge, right or wrong, then there is no bases for believeing the truth that metanarratives are being undermined."(۹)

ترجمہ: لیوٹارڈ کی مہابیانیوں پر تشکیک کو خود اپنی تردید اور جھوٹے کی الجھن (یعنی یہ بیان غلط ہے) کہا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی عالمی صداقتوں مثلاً علم، صحیح یا غلط کے بارے میں ہی متردد ہے تو اس کی (اس تشکیک کی) صداقت پر یقین کرنے کی کوئی بنیاد نہیں۔ کیونکہ اس طرح تو مہابیانیہ کا مقام کم ہو جاتا ہے۔ یعنی ہیبر ماس کہتا ہے کہ لیوٹارڈ کا مہابیانیہ کا رد کا دعویٰ: خود اپنی نفی کرتا ہے اور جھوٹے کے سچ کی طرح ہے جس پر یقین نہیں ہوتا۔ اگر آفاقی صداقتوں پر ہی یقین نہ ہو مثلاً سچائی، علمی نظریہ، غلط، درست وغیرہ تو پھر تسلیم شدہ حقائق کو کمزور کرنے والی بات ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ مابعد جدیدیت کا یہ دعویٰ کہ دنیا میں کسی سچائی کا سرے سے وجود نہیں ہے، ایک غیر منطقی دعویٰ ہے۔ اس دعویٰ میں بہت بڑا منطقی نقص ہے۔ یہ کہنا کہ ''سچ ہے کہ دنیا میں کوئی سچ نہیں'' ایک بے معنی بات ہے دنیا میں کوئی سچ نہیں''! یہ بذات خود دعویٰ اور ایک مہابیانیہ ہے اگر اس کو درست مان لیا جائے تو سب سے پہلے اس کی ضرب خود اسی بیان پر پڑے گی اور یہ بیان جھوٹا قرار پائے گا۔

مشہور امریکی سکالر رچرڈ ٹارنز (Richard Tarnas) کہتا ہے۔

"The paradox of the postmodern position is that,

Marfat.com

in placing all principles under the scrutiny of its skepticism, it must realize that even its own principles are not beyond questioning. Postmodernism cannot on its own principles ultimately justify."(۱۰)

یعنی رچرڈ ٹارنز بھی یہی سوال اٹھاتا ہے کہ مابعد جدیدیت کا یہ تضاد ہے کہ تمام اصولوں کو تشکیک وتردید کے ترازو میں تول کر، اس کے اپنے اصول بھی شک وتردید سے بالا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مابعد جدیدیت اپنے اصولوں کی بنیاد پر اپنے آپ کو ہی ثابت نہیں کر سکتی۔

عملی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ آج بھی لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں مذہبی، معاشی، سماجی اور سیاسی صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں اور میٹا نیریٹو پر اعتماد باقی ہے اگر یقین نہ ہو تو ہر سال لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر لوگ حج کا اجتماع کیوں منعقد کریں۔ ہندو ''کنبھ میلہ'' کیوں منائیں اور مغرب میں بھی تو بنیاد پرست عیسائی تنظیمیں لاکھوں کی تعداد میں ممبر شپ رکھتی ہیں۔ دنیا میں کثرت سے آج بھی جمہوری حکومتیں منتخب ہوتی ہیں۔ اسلامی معاشروں میں ''اسلامی لہر'' کیا مہابیانیہ کے رد کا اعلان کرتی ہے یا مذہبی صداقتوں پر یقین وتصدیق کا؟

منطقی اور ریاضیاتی نقص کے علاوہ اس فکر کے عملی اثرات بھی نہایت بھیانک برآمد ہوئے ہیں اور مزید ہو سکتے ہیں! مثلاً مغربی معاشروں میں سحاق اور لواطت کی ثقافت (Lesbian and Gay culture) کو قانونی اور سماجی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا خاندان کا ادارہ معدومیت کی حدوں کو چھو رہا ہے۔ اس بات کا ان کے مفکرین اور حکومتوں کو بھی شدید احساس ہے لیکن وہ اسے روک نہیں سکتے، کیونکہ ان کے مخصوص تہذیبی و سماجی تناظر میں ایسا کرنا درست ہے ان کی ثقافت اس بات کی اجازت دیتی ہے اس لیے وہ غیر قانونی اور غیر فطری رشتہء ازدواج (Without wedlock partnership) اور (Non monogamous partnership) کو قانوناً روکنے کے بجائے تحفظ فراہم کرتے ہیں اور اس طرح باہمی رضامندی سے جنسی تعلق کے جو بھیانک نتائج مغربی معاشروں میں برآمد ہوئے ہیں محتاج بیان نہیں۔ اسی طرح سچائی اضافی ہے اور دنیا میں کوئی قدر آفاقی نہیں

Marfat.com

ہے اور سچائیاں مقامی تہذیب وثقافت کی پیداوار ہیں تو سوال یہ ہے کہ کس بنیاد پر مثلاً نازی ازم یا فاشزم کو غلط قرار دیا جائے گا۔ یا طالبان کی پرامن حکومت کو کس بنیاد پر برباد کر دیا گیا؟ آخر نازی ازم یا طالبان کی حکومت بھی تو ان قوموں کے اتفاق رائے کا نتیجہ تھی۔ اس طرح کسی جیب کترے کو کس طرح جیب کاٹنے سے یا بھکاری کو بھیک مانگنے سے منع کیا جائے گا؟ حالانکہ وہ اس کام کو بطور پیشہ (Profession) اپنائے ہوئے ہیں اور ہر جیب کترا اور بھکاری جس مخصوص تہذیبی پس منظر میں پروان چڑھتا ہے وہ انہیں ان کے اس عمل کو ایک ناگزیر حقیقت کے روپ میں ہی دکھاتا ہے۔

معروضی اور زمینی حقائق کا تقاضا ہے کہ سچائی کی اضافیت کے نظریے کو مان لینے کے بعد اس دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ جب کچھ حقائق پر عالمی / آفاقی اتفاق رائے نہ ہو اور انہیں قطعی حقائق کے طور پر قبول نہ کیا جائے اس وقت تک تمدن کی گاڑی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جہاں کچھ باتوں پر اختلاف رائے تمدن کو رنگارنگی اور تنوع بخشتا ہے وہیں کچھ باتوں پر اتفاق (Consensus) تمدن کو استحکام عطا کرتا ہے۔ اس لیے اتفاق اور اختلاف دونوں کی ضرورت ہے۔

مہابیانیہ پر تشکیک اور سچّائی کی اضافیت: اسلامی تعلیمات کے تناظر میں:

آفاقی صداقتوں کا رد اور سچائی کی اضافیت، اسلامی نقطہ نظر سے ایک باطل نظریہ ہے۔ انسان کو دیگر مخلوقات پر جس خصوصیت کی وجہ سے فوقیت دی گئی ہے وہ عقل ہے۔ اور اسلام نے عقل کے جائز مقام کو تسلیم بھی کیا ہے۔ لیکن اسلام اس بات کا قائل ہے کہ عقل انسانی کے ذریعے مستنبط حقائق یقیناً اضافی (Relative) ہیں اور شک وشبہ سے بالا نہیں ہیں۔ اس حد تک مابعد جدیدیت اسلامی فکر سے ہم آہنگ ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک جن حقائق کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے وہ حتمی اور قطعی ہیں۔ ان کی جزوی تشریحات وتعبیرات (جس میں فہم انسانی کا دخل ہے) تو اضافی ہوسکتی ہیں بلکہ ہیں، اسی لیے تو فقہی اختلافات بہت زیادہ ہیں اور ایک ہی فقہی مسلک (School of thought) کے اندر بھی آئمہ کا اختلاف رائے ہے۔ لیکن یہ

Marfat.com

اختلاف فروع (Branches) میں ہے نہ کہ اصول (Roots) میں۔ لیکن وہ حقائق جن کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے اور ان کے واضح معنی ہر اعتبار سے حتمی اور قطعی ہیں اور خبر متواتر سے ثابت ہیں تو پھر شک یا اختلاف کی گنجائش نہیں۔ مثلاً چوری کی سزا، قطع ید، تو مقرر ہے اور اس میں شک یا اختلاف کی گنجائش نہیں مگر ہاتھ کو کس مقام سے کاٹنا ہے اس کی فقہی تعبیرات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

''یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو جس طرح قرآن کے الفاظ بیان کر کے دیے ویسے ہی اس کے معانی بھی واضح کر کے دیئے۔''(۱۱)

عقل انسانی بہر حال عطیہ خداوندی اور شرف انسانیت ہے اسی لیے تو قرآن نے بار بار غور و فکر اور فہم و تدبر کی دعوت دی ہے۔ قرآن مجید میں یہودیوں، عیسائیوں، مشرکین اور ملحدین کو سینکڑوں مرتبہ عقائد اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ تقلیداً ان عقائد کو مان لو، بلکہ، ہر جگہ غور و فکر سے ان کو منوانا چاہا ہے۔ مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام ہی یہ دیا گیا ہے کہ:

وکاین من ایة فی السموت والارض یمرون علیها وهم عنها معرضون (۱۲)

(آسمان اور زمین پر کسی قدر نشانیاں ہیں، لیکن یہ ان پر گزر جاتے ہیں۔ ان کی طرف رخ نہیں کرتے۔)

دوسرے مقام پر فرمایا: لهم قلوب لا یفقهون بها (۱۳)

ترجمہ: ان کے دل تو ہیں لیکن اس سے سمجھ کا کام نہیں لیتے۔

چند مزید مقامات کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہوں گا:

1۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کی بنیاد محض تقلید پر نہیں رکھی گئی ہے آزادانہ سوچ پر ہے گویا عقیدہ توحید انسان کی حریت کا اعلان ہے نہ کہ اس غلامی اور تقلید کا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں متعدد آیات موجود ہیں۔ وہ آیات جن میں عقل یا اس کے مشتقات موجود ہیں ان کی

Marfat.com

تعداد فواد عبدالباقی کی تحقیق کے مطابق انچاس ہے۔(14) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

" ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنهار ــــ لقوم یعقلون " (۱۵)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور دن رات کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں........ عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

2۔ اسلامی عقائد میں غیب پر ایمان ایک محدود دائرہ میں ہے اور غیبی عقائد بھی ایسے ہیں جو حد درجہ معقول ہیں مثلاً:

" ان تومن باللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الآخر و تومن بالقدر خیرہ وشرہ "(۱۶)

ترجمہ: تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

غیب سے تعلق رکھنے والی ان مخصوص اشیا پر ایمان کا مطالبہ صرف اسی صورت میں کیا جا رہا ہے کہ یہ اشیا قطعی اور عقلی دلائل سے ثابت ہیں۔

3۔ متعدد مقامات پر وحی (جو قرآن و حدیث کی شکل میں ہے) کو حکمت قرار دیا گیا ہے:

" وما انزل علیکم من الکتب والحکمة " ۔(۱۷)

ترجمہ: اور جو کتاب وحکمت تم پر اتاری گئی ہے۔

" ویعلمه الکتب و الحکمة " ۔(۱۸)

شریعت اسلامیہ کی بنیاد عقل سلیم پر ہے نہ کہ خواہشات، حماقتوں اور خرافات پر۔ یہ ایک بامقصد شریعت ہے۔ چنانچہ اسلام کے سوا دنیا کے دیگر کسی مذہب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور مذہب کو عقل کی بنا پر ماننا چاہیے یہ وہ بڑا فرق ہے جو اسلام کو اعلانیہ تمام دوسرے مذہب سے ممتاز کرتا ہے۔ اس ساری بحث میں اسلام کا نقطۂ نظر نہایت معتدل، متوازن اور عقل کو اپیل کرنے والا ہے۔ اس نقطۂ نظر میں مابعد جدیدی مفکرین کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بھی موجود ہیں اور ان تضادات کی بھی گنجائش نہیں ہے جو مابعد

Marfat.com

جدیدیت میں پائے جاتے ہیں۔جدیدیت (Modernism) نے جس طرح عقل انسانی کو حتمی اور قطعی مقام دیا اور عقلیات کو حتمی سچائی کے طور پر پیش کیا، اس پر مابعد جدید مفکرین سے بہت پہلے اسلامی مفکرین جرح کر چکے ہیں۔ بلکہ یہ مبحث صدیوں قبل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن تیمیہ کے افکار میں بھی ملتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ''تہافتہ الفلاسفہ'' میں ارسطو کی منطق پر خود اسی منطق کے اصولوں کا استعمال کر کے جو تنقید کی ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ محض عقل کے ذریعے معلوم حقائق کو واہمہ قرار دیتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ کائنات کی وسعتیں اور وقت (Time and space) لامحدود ہے اور انسانی عقل لامحدود کا ادراک نہیں کرسکتی۔اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے مختلف مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ انسانی حسیات کے ذریعے حاصل شدہ معلومات اکثر اوقات دھوکے کا باعث ہوتی ہیں۔صرف آنکھ سے دیکھا جائے تو ستارے چھوٹے چھوٹے ذرات معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ان میں سے کئی ستارے زمین اور سورج سے بھی کئی گناہ بڑے ہیں۔اور حواس کا دھوکہ تو روزمرہ کی مثالوں سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے مثلاً سراب وغیرہ اس لیے انسان کے مشاہدات اضافی ہیں۔اور ان مشاہدات کی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج بھی اضافی ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سوال کرتے ہیں کیا محض عقل و دانش کے بل پر خدائے واحد کا اثبات ممکن ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں:

''اس معاملے میں حکما/ فلاسفہ کی درماندگی واضح ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔جب باری تعالیٰ بسیط اور واحد ہے تو یہ کثرت و تعداد اور یہ بوقلمونی اور تنوع کیونکر معرض وجود میں آیا؟ اس معاملے میں فلاسفہ کے پاس (عقلی بنیاد پر) کوئی جواب نہیں۔''(۱۹)

اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حواس خمسہ سے حاصل کردہ علم اور نظر آنے والے حقائق بھی ضروری نہیں کہ حقائق ہی ہوں۔وہ محض حقیقت کا سایہ یا واہمہ ہوسکتے ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سوال اٹھاتے ہیں کہ حسیات کا دھوکہ عقل سے معلوم ہوتا ہے اور عقل کا دھوکہ کسی ایسے ذریعے سے ہی معلوم ہوگا جو عقل سے بالاتر ہو۔(یعنی وحی الٰہی!)(۲۰)

Marfat.com

انسان کی معلوم فکری تاریخ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ہر دور اور ہر نسل نے اپنے لیے کچھ اصول وقواعد وضع کیے، اس دور کے ذہین ترین افراد نے اپنی عقل کی رسائیوں سے اپنے ہم عصروں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور انسان نے سمجھ لیا کہ ہم حتمی سچائی تک پہنچ گئے ہیں لیکن زیادہ دیر نہ گزرتی تھی کہ وہ نظریہ فرسودہ قرار پا جاتا! ایسا ہر نسل کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ جدید اسلامی مفکرین نے بھی جدیدیت پر کلام کرتے ہوئے عقل کی تجدید اور عقل کے ذریعے معلوم حقائق کو اضافی قرار دیا ہے کچھ خصوصیات میں قدرت کی طرف سے بنی نوع انسان مشترک ہیں۔ مولانا مودودی کے سامنے اگر چہ مابعد جدیدیت کے مقدمات نہیں تھے لیکن ان کی درج ذیل عبارت اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالتی ہے۔ لکھتے ہیں:

کیا یہ واقعہ نہیں کہ تمام جغرافیائی، نسلی اور قومی اختلافات کے باوجود وہ قوانین طبعی یکساں ہیں جن کے تحت انسان دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے وہ نظام جسمانی یکساں ہے جس پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ وہ فطری داعیات اور مطالبات یکساں ہیں جو انسان کے اندر ودیعت کیے گئے ہیں۔ وہ قوتیں یکساں ہیں جن کے مجموعے کو ہم نفس انسانی کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ تمام طبعی، نفسیاتی، تاریخی، تمدنی، معاشی عوامل بھی یکساں ہیں جو انسان کی زندگی میں کارفرما ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعہ نہیں ہے تو جو اصول بحیثیت انسان کی فلاح کے لیے صحیح ہوں، ان کو عالمگیر ہونا چاہیے۔''(۲۱) (نہ اضافی اور مقامی)

اسلامی تعلیمات نہ تو Pre-modern ہیں نہ Postmodern بلکہ وہ Transmodern ہیں یعنی زمانی تبدیلیوں سے اس کے اصول بدل نہیں جاتے۔ اسی لیے اسلامی معاشروں میں ابدی قدروں سے وابستگی موجود ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ علم حقیقی (یا حتمی اور قطعی) کا سرچشمہ باری تعالیٰ کی ذات ہے، اس نے اپنے علم سے انسان کو اتنا ہی معمولی سا حصہ بخشا ہے جتنا وہ چاہتا ہے:

" یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم ج ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء"(۲۲)

ترجمہ: جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے وہ بھی

Marfat.com

اس کے علم میں ہے اور لوگ اس کے علم میں کسی چیز پر بھی حاوی نہیں ہو سکتے، بجز ان چیزوں کے جن کا علم وہ (ان کو دینا چاہے)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

"ان الله لايخفى عليه شيء في الارض ولا في السمآء" (۲۳)

ترجمہ: بے شک اللہ وہ ہے جس سے نہ زمین کی کوئی چیز مخفی ہے نہ آسمان کی۔

اس طرح جو حقائق علم حقیقی کے سرچشمہ یعنی باری تعالیٰ کی جانب سے وحی الٰہی یا پیغمبر کی منصوص سنت (حدیث صحیح) کی صورت میں ظہور پذیر ہوئے ہوں وہ حتمی صداقت (Absoulte truth) ہیں اور ان کے ماسوا دنیا میں حقیقت کے جتنے بھی دعوے پائے جاتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔ اگر وہ وحی الٰہی سے متصادم ہیں تو وہ باطل مطلق (Absoulte False) ہیں اور اگر متصادم نہیں ہیں تو ان کی حیثیت اضافی صداقت (Relative Truth) ہے جو صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔

عملی زندگی میں قانون سازی اور ضابطہ سازی کے معاملے میں بھی اسلام نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ جدیدیت کی طرح نہ وہ ہر ضابطے اور اصول کو آفاقی حیثیت دیتا ہے اور نہ مابعد جدیدیت کی طرح ہر آفاقی ضابطہ واصول سے انکار کرتا ہے۔ وحی الٰہی کی بنیادوں پر چند آفاقی قدروں اور اصولوں کی حتمیت! اور ان کے دائرے کے باہر وسیع تر معاملات میں وحی الٰہی کی روشنی میں نئے طریقوں، ضابطوں اور راستوں کی تشکیل کا راستہ ایک ایسا معتدل راستہ ہے جو اسلام کو بیک وقت دائمی، آفاقی، تغیر پذیر اور مقامی احوال کے مطابق بناتا ہے اور زمان ومکاں کے اختلافات سے ماورا کر دیتا ہے۔ اس لیے اسلام کی بنیاد پر بننے والا معاشرہ صحیح معنوں میں انسانیت کی فلاح اور اخروی نجات کا ضامن اور بالائے جدیدیت (Transmodern) معاشرہ ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث

حاصل کلام یہ ہے کہ مابعد جدیدیت مغرب میں شروع ہونے والی اکیسویں صدی کی وہ

Marfat.com

فکری تحریک ہے جو دراصل گزشتہ صدی کی تحریک جدیدیت کے ردعمل میں برپا ہوئی۔ جدیدیت نے سائنس اور عقل کی بنیاد پر انسانی مسائل کا حل پیش کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور اپنے اصولوں کو آفاقیت کا درجہ دیا تھا۔ لیکن مابعد جدید مفکرین کے نزدیک کسی قسم کی صداقت یا کوئی بھی دعویٰ آفاقی نہیں ہے۔ مذہب، سیاسیات وغیرہ کا کوئی بھی اصول جو آفاقی ہونے کا دعویدار ہو مابعد جدیدیوں کے نزدیک مہابیانیہ ہے اور کوئی بھی مہابیانیہ ان کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ وہ ہر آفاقی اصول اور ضابطے کو شک و تردید کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مابعد جدید مفکرین کے نزدیک سچائیاں اور اقدار مقامی ہیں اور اپنے اپنے تناظر میں درست ہیں۔ ان کی اکثریت چونکہ کمیونزم سے منسلک رہی تھی اور اس سے بہت سی اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھی لیکن سویت یونین کے بکھرنے کے بعد ان مفکرین کا کمیونزم پر سے اعتماد اٹھ گیا لہٰذا انہوں نے ہر طرح کے آفاقی اصول وضابطے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

ہم نے عقلی و نقلی بنیادوں پر مابعد جدیدیت کے مہابیانیہ کے انکار کی روش کو غلط ثابت کیا ہے اور اس سلسلے میں مغربی مفکرین کے خیالات سے بھی استشہاد پیش کیا ہے۔ پھر اسلامی تعلیمات پیش کرتے ہوئے ہم نے ذکر کیا ہے کہ اسلام ہی دنیا کا واحد دین ہے جو عقل کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کی بھی حدیں مقرر کرتا ہے۔ اس موضوع پر قرآنی آیات شاہد ہیں۔ قدیم مسلم مفکرین بھی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ عقل کی غلطی کو کسی ایسے ذریعہ سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے جو اس سے بالا ہو اور وہ ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ اسلام کے سماجی اور معاشرتی اصول نہ تو جدیدیت کے حامی ہیں نہ مابعد جدیدیت کی حمایت کرتے ہیں۔ بلکہ ماورائے جدیدیت اور بالائے مابعد جدیدیت ہیں جو ہر دور میں ہر قسم کے انسانی معاشرے کی رہنمائی کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اسلام بطور ضابطہ حیات زمان و مکان سے ماوراء ہے اور نسل انسانی کی رہنمائی کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

(1) www.wikipedia.org/postmodernism

(2) www.askoxford.com/conscise-oed/post modernism

(3) نارنگ، گوپی چند، ساختیاط، پس ساختیات اور مشرقی شعریات سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، 1994ء، ص 524

(4) Lyotard, J-F(1993), the postmodern condition: A Report on Knowledge (tr. Geoff and Brian Massumi) Minneapolis: university of Minnesota press p.15

(5) Ibid p.24

(6) نارنگ، گوپی چند، ایضاً، ص 543

(7) Lyotard, J-F (1993) Ibid p.22

(8) www.pbs.org/faith and reason/gengloss/postm-body-html

(9) Habermas, Jurgan (1993), Modernity vs postmodernity, cambridge: polity press p.314

(10) www.pbs.org/faith and reason/ gengloss/

Marfat.com

postn-body html.

(11) ابن تیمیہ، شیخ الاسلام امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حرانی، مقدمہ فی اصول التفسیر، مکتبہ سلفیہ لاہور 2008ء، ص 44

(12) القرآن، یوسف 105:12

(13) القرآن، الاعراف 179:7

(14) عبدالباقی، محمد فواد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، منشورات ذوی القربی۔ 1423ء، ص 595

(15) القرآن، البقرہ 164:2

(16) مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، نعمانی کتب خانہ لاہور، 2004ء، ج ا، ص 88

(17) القرآن، البقرہ 231:2

(18) القرآن، آل عمران 48:3

(19) غزالی، ابوحامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد، تہافۃ الفلاسفہ (ترجمہ: محمد حنیف ندوی) ادارہ اسلامیہ لاہور، 1995ء، ص 78

(20) اس موضوع پر امام غزالی نے جو بحث کی ہے اس کے لیے ملاحظہ کیجئے:
www.ghazali.org/site/dissert.html

(21) مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ، دین حق، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 2007ء ص 10

(22) القرآن، البقرہ 255:2

(23) القرآن، آل عمران 5:3

Marfat.com

Marfat.com

اسلام میں حیات بعد الممات کا تصور

(ایک تقابلی مطالعہ)

حیات بعد الممات سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور تمام انسانوں نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ (کل نفس ذائقة الموت)[1] اور یہ کہ آخرت میں تمام انسان اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں گے۔ اچھے اعمال کا بدلہ اچھا اور برے اعمال کا بدلہ برا ملے گا۔

تاریخی طور پر تصور آخرت سب سے قبل کلدانیوں کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ پروفیسر الجر (ALGER) کے نزدیک زرتشتی مذہب نے عبرانی قوموں پر دو طریقوں سے عمل کیا اس نے نہ صرف انہیں حیات بعد الممات کے ایک خالص اور روحانی تصور سے روشناس کیا بلکہ زرتشت جو خود کلدانیت کا ایک ماحاصل تھی' نے یہودی ربانیوں کے عقائد پر عقبیٰ میں جزاؤں اور سزاؤں کے ایک مادی تصور کا گہرا رنگ چڑھا دیا۔[2]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصریوں نے سب سے پہلے حیات بعد الممات کے نظریہ کو تسلیم کیا یا کم از کم کردار انسانی کے اصولوں کی بنیاد اس نظریے پر رکھی۔[3]

مصریوں نے تناسخ ارواح اور آئندہ زندگی میں جزا و سزا کو ایک دوسرے سے مربوط کر دیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان قبر میں داخل ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ایک نئی زندگی شروع کر دیتا ہے۔ جس میں اس کا رفیق و رہنما آفتاب ہوتا ہے جو تکوین کا اصل الاصول اور تمام موجودات کا قائم بالذات سبب ہے۔ ان کے نزدیک آفتاب کی طرح انسان کی روح بھی غیر فانی تھی۔ مری ہوئی روحوں کی نیکی و بدی کا فیصلہ اوسائرس (OSIRIS) دیوتا اور اس کے بیالیس مشیروں کے ہاتھوں تھا۔ فنا کی سزا صرف ان روحوں کو ملتی تھی جو گناہ گار پائی جاتی تھیں۔

Marfat.com

جہاں تک نیک روحوں کا تعلق تھا وہ صغیرہ گناہوں سے پاک ہو کر کامل راحت کے عالم میں داخل ہو جاتی تھیں اور اوسائرس (OSIRIS) انہیں اپنے ہمرکابوں کی حیثیت سے لذیذ نعمتیں مہیا کرتا تھا۔[۴]

ایرانیوں نے بھی آئندہ زندگی کا ایک ارتقاء یافتہ تصور پیش کیا۔ ان تصورات میں مستقبل کی جزاؤں اور سزاؤں کے بارے میں عقیدہ عام ہے۔ وندیداد (VENDIDAD) اور (BUNDEHESH) جو اوستا پر[۵] اضافے ہیں، میں ملتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد دیو (DEMENS) قبضے میں آجاتا ہے۔ تیسرے دن اسے شعور حاصل ہوتا ہے۔ وہ روحیں جو عارضی زندگی میں بدی کے کاموں میں مشغول رہتی تھیں وہ چنیواد (CHNWUAD) کا پل پار نہیں کر سکتیں۔ نیک روحیں جن کی رہبری یزت (YEZATS) یا ایزد کرتا ہے اس پل کو پار کر لیتی ہیں۔ بعد ازاں وہ سونے کے تختوں پر بیٹھ کر حوران بہشتی کی صحبت اور دیگر نعمتوں سے لذت اندوز ہوتی ہیں۔ برے لوگ پل سے گر کر دوزخ کے دریا میں جا گرتے ہیں جہاں دیو (DEMONS) انہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ تاہم بعض روحوں کو ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی دعاؤں اور شفاعتوں کی وجہ سے راحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک حشر برپا ہونے کی خبر ہے جس کی بدولت بچھڑے ہوئے رشتہ دار اور عزیز پھر ایک دوسرے سے ملیں گے لیکن یہ ملنا نہایت مختصر ہوگا کیونکہ بعد میں دوبارہ نیکوں اور بدوں کی چھانٹ شروع ہوگی۔ گناہ گاروں کو دیا جانے والا عذاب ہیبت ناک ہوگا۔ اہرمن اضطراب و پریشانی کی حالت میں چنیواد کے پل پر دوڑتا پھرے گا۔ ایک پھڑکتا ہوا دمدار ستارہ زمین پر گر کر اسے آگ لگا دے گا۔ پہاڑ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح بہتے نظر آئیں گے۔ سارے انسان بلا تمیز نیک و بد اس آتشیں سیلاب سے گزر کر پاک ہو جائیں گے۔ اہرمن بھی ڈھل ڈھلا کر کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ دوزخ کی ایک نئی صورت نکل آئے گی۔ یہ ہے ان آراء کا خلاصہ جنہوں نے سامی افکار و خیالات پر اثر ڈالا۔

ایرانی حکومت کے دور میں جہاں یہودیوں نے ایرانیوں کے دوسرے اثرات قبول کیے وہاں بعض دانشوروں کے خیال میں یہودیت کے بعض مذہبی تصورات بھی ایران کے قومی

Marfat.com

مذہب زرتشت سے متاثر ہوئے۔ مثال کے طور پر بابل کی اسیری کے دور سے قبل یہودی مذہب میں آخرت اور اس کے بعد کی زندگی سے متعلق کوئی واضح تصور نہیں ملتا جبکہ بعد کی مرتب مذہبی تحریروں میں صبح کی آمد، ان کی شیطانی قوتوں پر فتح، قیامت، یوم حساب جزا و سزا کے تصورات پائے جاتے ہیں کیونکہ زرتشت میں آخرت کی زندگی سے متعلق یہ اور دوسرے تصورات نہایت واضح طور پر ابتداء ہی سے موجود تھے۔ اس لیے یہ گمان کیا گیا ہے کہ اس سلسلہ میں یہودیوں نے زرتشت سے استفادہ کیا ہوگا۔(۶)

بنی اسرائیل نے مصر میں ایک مدت قیام کیا۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ انہوں نے حیات بعد الممات کا عقیدہ مصریوں سے حاصل کیا ہو۔ جہاں تک خالص (ابتدائی) موسویت کا تعلق ہے اس میں موجودہ زندگی سے مختلف کوئی زندگی تسلیم نہیں کی جاتی وہ محور جس پر شریعت موسوی کا سارا نظام گردش کرتا ہے محض ارضی جزا و سزا پر مشتمل ہے۔

Barton Says" To all Hebrews up to this time the dealing of Yahweh with his people were Confined to life on the earth . He rewarded his faaithful here; he punished the wicked in this life" (۷)

حشر اجساد کا نظریہ اور اس سے پیدا ہونے والے افکار جن کا ظہور بعد کی یہودیت میں بالخصوص حضرت دانیال اور حزقیل (EXEKIEI) کی تصنیفات میں ہوا کے بارے میں قول ہے کہ وہ زرتشتی مذہب سے در آیا۔ اس کے علاوہ یہ عقیدہ ہے کہ شئول (SHEOL) (عالم برزخ) میں تمام دنیا سے کوچ کرنے والی روحوں کو خواہ نیک ہوں یا بد کچھ عرصہ کے لیے رکھا جائے گا۔ مزید یہ کہ زرتشتیوں کے ہاں ایک آزادی دلانے والے اور روئے زمین پر مذہب اور امن امان کو نئے سرے سے مسلط کرنے والے کے بارے میں جو تصور ہے وہ یہودیوں کے ہاں جو تصور مسیحائی ہے ان دونوں میں حد درجہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ یہودیوں نے یہ تصور زرتشتیوں سے مستعار لیا ہوگا اور اپنے مصائب و آلام کے دوران اس پر گہرے رنگوں سے حاشیہ آرائی کی ہوگی۔ زرتشت مذہب نے یہودیت کی طرح آریاؤں کو بھی

Marfat.com

متاثر کیا۔ اگر چہ یہ خیال عام ہے کہ حیات بعد الممات کا عقیدہ آریاؤں کے قدیم اور بنیادی عقائد میں سے ایک تھا اور ان کا ایمان تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو زندہ کیا جائے گا اور اگر اس نے دنیاوی زندگی میں نیک کام کیے ہیں تو اس کو ان کا اجر ملے گا اور وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں مسرت و شادمانی کی زندگی بسر کرے گا اگر اس نے برے کاموں میں اپنی زندگی برباد کی ہے تو جب وہ زندہ کیا جائے گا تو ان گناہوں کی اسے سزا بھگتنا ہوگی لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہندوؤں سے یہ رجائیت ختم ہوگئی اور کسی نہ کسی وجہ سے یہ عقیدہ پیدا ہوگیا کہ موت کے بعد ایک نئی ارضی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جس میں انسان کو اپنے گزشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ سلسلہ ابدی جاری رہتا ہے۔ اسے عقیدہ تناسخ ارواح (Transnmigration of souls) اواگون یا جونی چکر کا نام دیا گیا۔ (۸) بہر حال یہ زرتشت ہی تھا جس نے آریاؤں کے اساطیری تخیلات کو روحانیت عطا کی اور ایک خداوند کی عبادت کی دعوت دی جو خدا ان صفات کمال کا حامل ہے جو عیسیٰ کے خدا میں پائی جاتی ہیں۔ زرتشت نے ہی آریوں کو یہ درس دیا کہ روح غیر فانی ہے۔ (۹)

بدھ مت بھی کرم اور اواگون کے عقیدہ کو ایک مسلم الثبوت حقیقت مانتا ہے۔ ہندوستانی مذاہب (بشمول بدھ مت) کے نزدیک اواگون کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کو ثابت کرنیکی ضرورت ہو۔ بلکہ اسے وہ تسلیم شدہ حقیقت سمجھ کر اس سے آگے کی بات کرتے ہیں۔ اس عقیدے کے مطابق انسان جو عمل بھی کرتا ہے اس کا ایک اثر مرتب ہوتا ہے اور اس کے یہ اثرات جمع ہو کر محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوتا نہ کسی اور دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چلا جاتا ہے بلکہ دوبارہ اسی دنیا میں کسی اور شکل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا یہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ اس عقیدہ میں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ نہ صرف برے اعمال والا حیات و ممات کے ازلی چکر میں گرفتار ہے بلکہ ٹھیک اعمال والا بھی اس جونی چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ اس عقیدہ کے لوازمات میں جنت اور جہنم کے تصورات شامل نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ جنت اور جہنم سامی مذاہب اور زرتشت کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نہیں ہوں گے بلکہ اچھے اعمال کرنے والا ایک معینہ مدت تک جب تک کہ اس کے نیک اعمال کے اثرات کا زور باقی

Marfat.com

رہے گا بہشت میں قیام پذیر رہے گا اس طرح دوزخ میں جانے والا بھی اپنے برے اثرات ختم ہونے تک وہاں پڑا رہے گا اس کے بعد دونوں اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح نیک و بد مرنے اور جینے کے اس لامتناہی سلسلے میں گرفتار ہیں۔ (۱۰)

تاہم عیسائیت میں آسمانی بادشاہت کا تصور نمایاں طور پر ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے یہ اقوال کہ ''ابن آدم کا ظہور ہو چکا ہے، خدا کی بادشاہت قریب آ پہنچی ہے۔'' متی انجیل میں موجود ہیں۔ بعض اوقات اس آسمانی بادشاہت سے مراد غریبوں، بھوکوں اور مچھیروں کو شان و شوکت اور راحت و مسرت دلانا مقصود ہے اور بعض اوقات حواریوں کو غلبہ و اقتدار دلانا مقصود ہے لیکن بعض دوسرے مواقع پر خدا کی بادشاہت روحوں کی ایک تعلیم ہے اور آنے والی نجات محض اس مادی زندگی کے بندھنوں سے روحانی آزادی کا نام ہے۔ یہ تصوارت ایک وقت ایسا تھا سب کے سب حضرت عیسیٰ کے ذہن میں جمع تھے۔

حضرت عیسیٰ حشر اجساد اور اخروی زندگی اور جزا و سزا کے معتقد تھے۔ وہ سعادت مند لوگوں کا تذکرہ اکثریوں کرتے تھے کہ وہ ''ان'' کے خوان نعمت پر بیٹھے خورد و نوش میں مصروف ہیں۔ ابتدائی روایات جوان کے چار بڑے حواریوں سے منسوب ہیں۔ ان میں حیات بعد الممات کے نقشے کانٹ چھانٹ کی بدولت بہت مختصر ہیں لیکن بعد کے راویوں نے جنت و جہنم کے ان ابتدائی خاکوں میں خوب خوب رنگ بھرے۔

حضرت یوحنا کی سند پر یہ الفاظ حضرت عیسیٰ کی جانب منسوب کیے گئے ہیں ''ایسے دن آئیں گے جب انگور کی بیلیں ہوں گی جن میں ہے ہر ایک کی دس ہزار شاخیں ہوں گی اور ان شاخوں میں سے ہر شاخ کی دس ہزار مزید شاخیں ہوں گی اور ان شاخوں میں سے ہر ایک کے دس ہزار خوشے ہوں گے اور ان خوشوں میں سے ہر ایک میں انگوروں کے دس ہزار خوشے ہوں گے اور ہر خوشے میں دس ہزار انگور ہوں گے اور ہر انگور میں سے دو سو پچھتر گیلن شراب نکلے گی اور جب کوئی شخص ان مقدس خوشوں میں سے ایک خوشہ چنے گا تو ایک دوسرا خوشہ پکار اٹھے گا۔ میں بہتر خوشہ ہوں، مجھے چن اور میرے اوپر خدا کی حمد و ثنا کر۔'' (۱۱)

حضرت عیسیٰ کا عندیہ یہ تھا کہ موجود صورت حال زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے گی۔ انسانی کی

Marfat.com

تخلیق نو کا وقت آن پہنچا ہے جب وہ بنفس نفیس لباس نورانی زیب تن کیے ہوئے ایک تخت شاہانہ پر بیٹھے فرشتوں اور چیدہ چیدہ حواریوں کے حلقوں میں گھرے ہوئے آسمانوں کے بادلوں میں جلوہ نما ہوں گے۔ مردے اٹھ کر قبروں سے نکل آئیں گے اور مسیحا کرسی عدالت پر رونق افروز ہوگا۔ فرشتے ان کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ یہ برگزیدہ لوگوں کا مسکن ہوگا۔ جو ابتدائے آفرینش سے تیار کر کے رکھا گیا ہے۔ بدکار لوگوں کو دائمی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ آگ شیطان اور اس کے ساتھیوں کے لیے جلا رکھی گئی ہے۔ اس میں جھونکے جانے والے گریہ وزاری کریں گے اور اپنے اوپر غصہ کے مارے دانت پیسا کریں گے۔ برگزیدہ لوگ جن کی تعداد تھوڑی ہوگی ایک ایسے محل میں رکھے جائیں گے جو روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوگا وہاں انہیں ضیافتیں دی جائیں گی جن میں بنی اسرائیل کا جدامجد اور بزرگان وانبیاء اور خود حضرت عیسیٰ شریک ہوں گے۔ (۱۲)

عقیدہ آخرت، حیات بعد الممات اور حشر اجساد کے نظریہ کو جتنا واضح اسلام نے کیا اس سے قبل کسی بھی مذہب نے ایسا نہ کیا چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ہندومت پر آریاؤں کا تصور مختصر اور واضح نہ ہے۔ بدھ مت کے ہاں بھی ایسا ہی تصور موجود ہے۔ یہودیت نے اس تصور کو زرتشت سے بعد میں مستعار لیا۔ حضرت عیسیٰ محض آسمانی بادشاہت کا ذکر کرتے ہیں۔ البتہ زرتشت کے ہاں اس تصور کو کافی اجاگر کیا گیا ہے۔ لیکن زمانہ کی کروٹیں گواہ ہیں کہ یہ تصور اپنی حالت میں برقرار نہ ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو نہ صرف اس عقیدہ کو واضح، غیر مبہم اور آسان بنا کر پیش کرتا ہے بلکہ اس کے نظریات پر یقین کیے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ قرآن وحدیث کے الفاظ تو آج بھی روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور ان عقائد پر پڑی ہوئی دبیز تہہ کو صاف کر کے پیش کر رہے ہیں۔

اسلام میں عقیدہ آخرت کے مطابق ہر انسان اپنے کئے گئے اعمال کا جوابدہ ہے۔ اخروی زندگی ایک حقیقت ہے انسان مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہوگا۔ اسے حساب کتاب کے لیے ایک عمل سے گزرنا ہوگا۔ اچھے اعمال والے کا نتیجہ اس کے دائیں ہاتھ میں اور برے اعمال والے کا نتیجہ بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ اسے پل صراط سے گزارنے کا تصور بھی موجود ہے۔ اور

Marfat.com

حوض کوثر کا عقیدہ بھی عام ہے۔ اسی طرح اچھے اعمال والے کو ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل کیا جائے گا جہاں اسے بے شمار انعامات سے نوازا جائے گا جن میں سرسبز و شاداب باغات، نہروں، چھاؤں، آسودہ حالی، امن و امان، حوروں غلمان اور شراب طہور کا ذکر ہے۔ اس کے برعکس برے اعمال والوں کو دوزخ میں جانا ہوگا جہاں مختلف قسم کے عذاب ہوں گے اور انتہائی ناپسندیدہ خوراک اس کا مقدر ہوگی۔

انسان کے لیے سب راحتوں سے بڑی راحت دیدار الٰہی کی سعادت ہوگی۔ انسان اور اس کے خالق کے درمیان جو پردہ ہے وہ چاک ہو جائے گا اور وہ روح حواس خمسہ کی حدود سے باہر نکل کر جلوہ باری کو اپنے روبرو پائے گی۔ حضور کا فرمان ہے خدا کا سب سے مقبول بندہ وہ ہوگا جو صبح و شام خدا کا چہرہ دیکھے گا یہ ایک ایسی راحت ہوگی جو تمام لذات جسمانی سے اسی طرح بڑی ہوگی جس طرح سمندر پسینے کی ایک بوند سے بڑا ہے۔ اسی طرح حضور نے ایک دن ابو ہریرہ سے فرمایا "خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جیسی نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں، نہ دلوں نے محسوس کیں۔"(۱۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے لیے آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔ (فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة اعين جزاء بما كانو يعملون)(۱۴)

قرآن مجید میں ہے۔ "وہ لوگ جو متقی ہیں باغوں میں رہیں گے، جہاں چشمے بہتے ہوں گے ان سے کہا جائے گا ان میں سلامتی کے ساتھ اور بے خوف و خطر داخل ہو جاؤ۔ ان کے سینوں میں جو کدورتیں ہوں گی وہ سب نکال دی جائیں گی اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے روبرو تختوں پر بیٹھیں گے۔ نہ انہیں وہاں کسی قسم کی کلفت ہوگی نہ کوئی انہیں وہاں سے نکالے گا۔"(۱۵)

قرآن مجید مسلمانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس عبادت کو اپنا شعار بنائیں۔ "اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے اور وہ تجھ سے راضی، پھر میرے بندوں میں شامل اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"(۱۶)

Marfat.com

حشر اجساد کے مسئلہ پر مسلم فلاسفہ الگ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے حیات اخروی کو محض روحانی نوعیت کا حامل قرار دیا ہے۔ دراصل یہ فلاسفہ فکر یونان سے متاثر ہوئے۔ افلاطون نے روح کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ یہ اپنی اصل کے اعتبار سے عالم امثال سے متعلق ہے۔ لہٰذا موت صرف جسم کو ہوگی۔ افلاطون تناسخ کا بھی قائل تھا۔ جو ہندو فلاسفی کی جڑ ہے اور جس نے انسان کو جونی چکر میں ڈال رکھا ہے۔ افلاطون کے علاوہ بقراط اور فیثا غورث کے بھی ملتے جلتے نظریات تھے۔

مسلم فلاسفرز میں کندی کا نظریہ یہ تھا کہ موت کے بعد انسانی روح جسم سے جدا ہو کر اللہ کے نور سے متصل ہو جاتی ہے تاہم اگر روح غلیظ ہو تو وہ فلک قمر سے ہوتی ہوئی مریخ کے راستے تطہیری عمل سے گزرتی ہیں اور آخر کار وہ ابدی اور ازلی کیفیت سے ہمکنار ہو جاتی ہیں۔ (۱۷)

مسلم فلاسفہ میں امام غزالی ایک ایسے فلسفی ہیں جنہوں نے حیات بعد الممات اور حشر اجساد کو ممکن قرار دیا انہوں نے حیات بعد الممات کے اس تصور کو واضح کیا جو قرآن کے قریب ہے۔ انہوں نے حشر اجساد کے انکار کے عقیدہ کو ایک بنیادی عقیدے کا انکار قرار دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ جنت اور دوزخ واقعی مقامات ہیں۔ عذاب وثواب کا تعلق بھی جسمانی حالت سے ہوگا۔ پل صراط، میزان، عذاب قبر درست ہیں۔ (۱۸)

امام رازی فلاسفرز کے درمیان پل کا کام دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک حشر تو جسمانی ہوگا تاہم اہل علم وتقویٰ کی لذتیں روحانی ہوں گیں۔ علامہ اقبال نے بھی اس نظریہ کو خالص عقل کی بنیاد پر پرکھا۔ علامہ اقبال نے حیات بعد الممات کے نظریہ کو واضح کرنے کیلئے اسے خودی اور جبر وقدر سے جوڑ دیا۔ انہوں نے کانٹ، ابن رشد، ہربرٹ اسپنسر، نیٹشے اور شاہ ولی اللہ کے نظریات کا تجزیہ کر کے جو خلاصہ پیش کیا اسے یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی تعلیمات اس باب میں بہر حال یہ ہیں کہ بعث بعد الموت پر انسان کی بصارت تیز ہو جائے گی۔ وہ اپنی گردن میں خود اپنی تیار کردہ قسمت کا حال آویزاں پائے گا۔ جنت اور دوزخ اس کے احوال ہیں۔ مقامات یا کسی جگہ کے نام نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید

Marfat.com

میں ان کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی حقیقت، یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جائے۔ جیسا کہ دوزخ کے بارے میں ارشاد ہے ''اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچتی ہے'' باالفاظ دیگر وہ انسان کے اندر یہ حیثیت انسان اپنی ناکامی کا دردانگیز احساس ہے۔ جیسے بہشت کا مطلب ہے فنا اور ہلاکت کی قوتوں پر غلبے اور کامرانی کی مسرت۔۔۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جہنم بھی کوئی ھاویہ نہیں جسے کسی منتقم خدا نے اس لیے تیار کر رکھا ہے کہ گناہ گار ہمیشہ اس عذاب میں گرفتار رہیں۔ وہ حقیقت تادیب کا ایک عمل ہے تاکہ جو خود ہی پتھر کی طرح سخت ہو گئی ہے وہ پھر رحمت خداوندی کی نسیم جان فزا کا اثر قبول کر سکے۔ لہٰذا جنت بھی لطف و عیش یا آرام و تعطل کی کوئی حالت نہیں۔ (۱۹)

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ جب موت کا وقت ہوتا ہے اور روح قبض ہوتی ہے تو انسان نیک ہو تو اسے حسین و جمیل شکل میں ملک الموت نظر آتے ہیں۔ اگر انسان بد ہو تو ملک الموت کی شکل ڈراؤنی اور خوفناک نظر آتی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق انسان کو مرتے وقت ہی دوزخ اور جنت کا نظارہ کرا دیا جاتا ہے اور اسے جنت یا دوزخ جو اس کا مقدر ہوتی ہے، بتا دی جاتی ہے۔

قبر میں انسان سے سوال و جواب بھی کیئے جائیں گے۔ بنیادی سوالات یہ ہوں گے۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اگر انسان گناہ گار ہو تو فرشتے اسے عذاب دیتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا قول ہے کہ قبر یا تو دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق قیامت کے دن موت سفید اور سیاہ مینڈھے کی شکل میں پیش ہوگی اور اسے دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل عرش کی طرف رخ کیے اور منہ میں صور لیے ہر وقت کھڑے ہیں اور حکم کے انتظار میں ہیں کہ کب حکم ہو کہ اس صور کو بجا دیا جائے۔ صور کو تین دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلے کو گھبراہٹ کی پھونک دوسرے کو بے ہوشی اور تیسرے کو دوبارہ زندہ کرنے کی پھونک کہتے ہیں۔ روز قیامت انسان سے جو سوالات ہوں گے، وہ یہ ہوں گے۔

Marfat.com

(۱) عمر کس کام میں فنا کر دی؟ (۲) بدن کس کام میں بوسیدہ کر دیا؟
(۳) علم پر کس قدر عمل کیا؟ (۴) مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تین اوقات پر کوئی کسی کو یاد نہ رکھ سکے گا۔

(۱) جب ترازو تل رہا ہوگا۔

(۲) جب اعمال نامہ ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (اگر گناہ گار ہے تو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں اور اگر نیک تھا تو دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس وقت کوئی کسی کو یاد نہ رکھ سکے گا۔)

(۳) جب پل صراط سے گزرنا ہوگا، حضرت ابن مسعود کے مطابق یہ تلوار کی طرح تیز اور بال کی طرح باریک ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسانوں کے مابین فیصلہ کریں گے۔ اگر انسان کی نیکی ذرا بھر بھی ہوگی تو وہ اسے دیکھ لے گا اور اگر برائی ذرا برابر بھی ہوگی تو وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

دوزخ کے سات دروازے یا درجات کا تصور ملتا ہے ان میں ہاویہ سب سے نچلی سطح ہے جو منافقین کا ٹھکانہ بنے گی۔ دوزخ کے بارے میں حضور ﷺ نے جبرائیل سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال جلایا گیا چنانچہ اس کا رنگ سفید ہو گیا۔ پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو اس کا رنگ سرخ ہو گیا پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ موجود تھے کہ اچانک انہوں نے ایک پتھر کے گرنے کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کس چیز کی آواز تھی؟ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ پتھر ہے جو آج سے ستر سال پہلے دوزخ میں گرا تھا اور آج وہ دوزخ کی تہ تک پہنچ سکا ہے۔

ترمذی شریف میں لکھا ہے کہ اس دن سر پر اُبلتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔

سورہ ابراہیم میں ارشاد ربانی ہے کہ انہیں پیپ پلائی جائے گی۔ ایک اور جگہ ہے کہ انہیں تھوہر کی خوراک کھلائی جائے گی۔

Marfat.com

سورہ النساء میں ہے کہ ہم ان کو عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے ان کی جلدوں کو جلائیں گے اور بدل دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے پوچھا کہ انسان کی جلد کو ایک گھڑی میں کتنی بار جلایا جائے گا تو انہوں نے فرمایا چھ ہزار بار۔ اس کے علاوہ دوزخ کے بارے میں ہزاروں روح فرسا واقعات احادیث میں درج ہیں۔

جنت میں آٹھ دروازوں یا درجات کا ذکر ہے۔ نمازی باب الصلوٰۃ اور صدقہ دینے والے باب صدقہ سے گزریں گے۔ مجاہدین باب الجہاد سے اندر آئیں گے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں جنت اور اہل جنت کا مناظر کے تذکرے ملتے ہیں۔ خدام کے ہاتھوں میں پیالے ہوں گے۔ عرش کے قریب اللہ پاک کا دیدار ہوگا۔ بہترین مسند بچھے ہوں گے۔ سر سبز کا ذکر موجود ہے۔ دستر خواں، محلات، خوشبودار مشروب، تازہ کھجوریں، خوبصورت غلام، باغات، مرجان، پیالے، قالین، پاک دل و پاک نظر خواتین چاندی کے پیالے، جنت کی نہریں، خوبصورت حوریں، شراب طہور، پھولوں کی خوشبو، شیریں چشمے جیسی نعمتوں کا ذکر موجود ہے۔ نیکو کاروں اور شہیدوں کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

الغرض جس نے رائی کے دانے کے برابر نیکی کی ہوگی تو وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے رائی کے دانے کے برابر بھی برائی ہوگی تو وہ بھی دیکھ لے گا۔ [۲۰]

خلاصہ کلام:

یہ جمہور علماء کا قرآن و حدیث سے اخذ کردہ تصور امام غزالی نے اس تصور پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ باقی جو بھی آراء یا اندازے ہیں ان میں انسان نے عقل کے گھوڑے دوڑائے ہیں۔

عقیدہ آخرت، حیات بعد الممات اور حشر اجساد کے بارے میں انسان کا نظریہ درست ہونا چاہیے کیونکہ یہ ہی وہ عقیدہ ہے جس پر انسانی اعمال کی بنیاد تعمیر ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

Marfat.com

حوالہ جات

(۱) القرآن۔۲۱، ۳۵، ۳، ۱۸۵، ۲۹، ۵۷

(۲) Algwr Hamid, History of the Doctrine of a Future Life, Berkeley, 1969, p 102

بحوالہ سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، ص ۳۱۱

(۳) Rawllnson, E.J, History of Anciant Egypt, Vol 2, 423

بحوالہ سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، ص ۳۱۱

(۴) Lenorment, Ancient History of the East, P, 319

بحوالہ سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، ص ۳۱۱

(۵) دین زرتشت کی مذہبی کتاب کا نام ''اوستا'' ہے۔ اس کی تشریح کے بعد اس کا نام ژنداوستا پڑ گیا۔

(۶) عمادالحسن فاروقی، دنیا کے بڑے مذہب، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۲۴۶

(۷) The Religions of the world Oly mpia Publications, Delhi, 1990, p.76

(۸) مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲۔ کلب روڈ لاہور، ص ۲

(۹) جنرل سر پرسی، ہسٹری آف پرشیا، مطبوعہ لندن، ۱۹۴۹ء، جلد ا، ص ۱۱۴۔ بحوالہ پیر محمد

Marfat.com

کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ص ۵۱

(۱۰) عمادالحسن فاروقی، دنیا کے بڑے مذہب، ص ۸۳

(۱۱) سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، ص ۳۱۱

(۱۲) سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام، ص ۳۱۱

(۱۳) مشکواۃ المصابیح، کتاب نمبر ۲۳، باب نمبر ۸

(۱۴) القرآن، ۳۲۔۱۷

(۱۵) القرآن، ۱۵، ۴۵، ۴۸

(۱۶) القرآن، ۸۹، ۲۸

(۱۷) ڈاکٹر لیاقت علی نیازی، مطالعہ سیرت، پروگریسو پبلیشرز، ۱۹۹۳ء، ص ۸۴

(۱۸) امام غزالی، مکاشفۃ القلوب، ص ۳۹۳

(۱۹) Allama M. Iqbal, Reconstruction of Religious Thought, Translated by Syed Nazir Niazi تشکیل

جدید الہیات اسلامیہ، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص ۱۸۵

(۲۰) ڈاکٹر لیاقت علی نیازی، مطالعہ سیرت، ص ۸۶

Marfat.com

Marfat.com

جہاد اور دہشت گردی

دین اسلام دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ کا نمائندہ دین ہے۔ جہاد اور دہشت گردی کے دور سے آج دنیائے اسلام کو بہت بڑے Challange کا سامنا ہے۔ اس معاملہ کو عالمی تناظر میں Impressive انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاد، جہد سے مشتق ہے جس کے معنی کوشش کرنا اور جدو جہد کرنا ہیں۔ ہر قسم کی جدو جہد اور قربانی وایثار، جہاد ہے۔ جسمانی، مالی، دماغی قوتوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جہاد ہے۔ دشمنوں کی تدبیروں، اُن کے حملوں کو روکنا یہاں تک کہ اُن سے لڑنے کی پوری تیار کرنا بھی جہاد ہے۔ (1)

مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ میں مظلوموں کو ظلم سے بچانا، فتنہ وفساد کو ختم کرنا، لوگوں کو برے کاموں سے روکنا، اعلائے کلمۃ اللہ، قیام امن، دفع مفاسد، نصرت مظلوم جہاد میں شامل ہے اس طرح جہاد کی کئی صورتیں ہیں جو تفصیل طلب ہیں:

(۱) نفس کے خلاف جہاد (۲) جہاد بالدعوۃ

(۳) فتنہ وفساد کے خلاف جہاد (۴) ظالم وجابر حکمران کے خلاف جہاد

(۵) اقدامی جہاد (۶) دفاعی جہاد

جہاد بالنفس کے سلسلہ میں سوال کیا گیا ہے کہ کیا دینی احکام پر عمل کرنے کیلئے اپنی ذات کی اصلاح اور اُس کیلئے کوشش وجدو جہد شمار ہوگی؟ خدا تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اُسے اپنی نیابت کا منصب دیا ہے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق آدمیت کے درجے تک پہنچے۔ خدا تعالیٰ کے دین کو اپنی ذات کی اصلاح کیلئے استعمال میں لائے اسی جہاد کیلئے ارشاد ہے: والذین جاھدوفینا لنھد ینھم سبلنا۔

Marfat.com

(العنکبوت:۶۹) اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے اُن کی ہم اپنی راہوں تک ضرور بالضرور رہنمائی کریں گے۔ مولانا مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جہاد کے اصلی معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے ہیں۔ ایک اور جگہ قرآن مجید میں ہے:" ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ، ان اللہ لغنی عن العالمین " (العنکبوت:۶) اور جو کوئی جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کیلئے ہی جہاد کرتا ہے اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: المجاھد من جاھد نفسہ (۴) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اسی کو آپ نے جہاد اکبر کہا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ سے لوٹنے والے مجاہدین سے فرمایا: تمہارا آنا مبارک۔ تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔ یعنی سب سے بڑا جہاد اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ پانا ہے۔ بحیثیت مجموعی تمام اُمت مسلمہ اور انفرادی طور پر ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اور اپنے ساتھ وابستہ تمام لوگوں اور معاشرے کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیں۔ ارشاد الٰہی ہے:" کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر " (آل عمران:۱۱۰) تم بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کیلئے نکالے گئے ہو۔ اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔ اس طرح تبلیغ دین بھی جہاد کے زمرے میں آتی ہے۔

A-Hamid writes:Jihad in its wider sense inculdes propagation of islam, Islam's greatest jihad, therefore, not means of sword·but by means of Holy Quran. (۵)

معاشرہ چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم زبان، قلم اور دیگر پرامن ذرائع سے دین کی دعوت و تبلیغ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش بھی جہاد ہے۔

It is stated that:It is the duty of every Muslim to invite people to accept Islam. This is a Permanent duty imposed on all Muslims of all ages. In this Sense Jihad

Marfat.com

may he Considered as a permanent prenomenon. However, no force is used in this kind of Jihad as is clear from The Quranic injunction which orderises That:There is no COMPULSION in religon (Al-Bagara:256), Further in his external dealings, The prophet himself, in the sixth year of hijrah, wrote letters to several kings inviting them to accept Islam. He never threatened them with invasion if his message was not accepted.

کیا جہاد کسی مسلم ریاست یا ریاستوں کی طرف سے ہوسکتا ہے یا یہ مسلم افراد اور اُن کی پرائیوٹ تنظیموں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے؟ کیا جہاد ہر حالت میں فرض ہوتا ہے یا یہ کہ مسلم حکومتیں اتنی طاقتور ہوں کہ کافر حکومت کی شکست کا احتمال غالب ہو؟ ایک رائے کے مطابق جہاد کا اعلان، انتظام اور اس کا کنٹرول سب کچھ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسلام میں پرائیوٹ آرمی کا کوئی تصور نہیں۔ یہ لازم ہے کہ تمام فوج ایک ہی کمانڈر کے تحت ہو اور انتہائی ڈسپلن اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ اپنی ڈیوٹی ادا کرے اور یہ کہ جس ملک کے ساتھ معاہدہ امن ہو اُس کے خلاف جنگ جائز نہیں حتیٰ کہ وہ ملک مسلمانوں پر ظلم کا ارتکاب کر رہا ہو۔ ایسی صورت میں بھی پہلے معاہدہ فسخ کیا جائے گا اور ایسا ہی اُس وقت کیا جائے ایک کامیاب حکمت عملی کے تمام دنیاوی اسباب موجود ہوں اور جنگ جیتنے اور اُس جیت کو قائم رکھنے کا واضح امکان ہو۔ اس تصور کو حضور ﷺ کے اس فرمان کی تائید حاصل ہے۔ مسلمانوں کا حکمران اُن کی ڈھال ہے، قتال اُس کے پیچھے رہ کر کیا جاتا ہے اور لوگ اپنے لیے اُسی کی آڑ پکڑتے ہیں یعنی جملہ معاملات میں اُسی کے فیصلوں پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اُس کے فیصلوں کے مطابق جنگ اور امن کا فیصلہ ہوتا ہے۔

دوسری رائے کے مطابق یہ تصور دور ملوکیت اور غلامی کی ہے۔ اس گروہ کے نزدیک جس

Marfat.com

طرح اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر احکامات کی بجا آوری ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ خلیفہ وقت کا محتاج نہیں بالکل اُسی طرح قرآن وسنت کے طے کردہ اصولوں کے مطابق اپنے عقیدہ ایمان کی حفاظت مسلمانوں کی حمایت، فتنہ وفساد کی بیخ کنی اور دینِ حق کے غلبہ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے بھی کسی حاکم وقت یا ریاست کے اجازت نامے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ان دو آراء پر اگر غور کریں اور بطور ماخذ قانون مصلحت کو اختیار کریں تو پہلی رائے زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ ہر گروہ از خود اگر جہادی سرگرمیاں شروع کر دے تو دہشت گردی کا لیبل آسانی سے لگ سکتا ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں: ''اسلام کے قواعد حرب میں اولین اور اہم ترین قاعدہ یہ ہے کہ کوئی خفیف سے خفیف جنگی کاروائی امام کے بغیر اجازت نہیں کی جا سکتی۔ (۸)

جہاد کی فرضیت کیلئے اسلامی ملک کا سربراہ اعلان جہاد کرے لیکن اگر سربراہ حکومت، ملت اسلامیہ کے مفادات کی حفاظت کے بجائے اسلام دشمن قوتوں اسلام دشمن قوتوں کا آلہ کار بن جائے اور وہ جہاد جسے حضور ﷺ نے قیامت تک جاری رکھنے کا حکم دیا تھا، کو ختم کرنے کی سازش کر رہا ہو تو ایسی صورت میں مظلوم کی مدد کیلئے جہاد فرض کفایہ کے طور پر مسلم تنظیمیں جاری رکھ سکتی ہیں۔ جہاں تک شرط مقدرت کا تعلق ہے تو اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کا فرمان ہے: ''اور تیار رکھو اُن کیلئے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تاکہ تم خوف زدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو''۔ (الانفال: ٦٠)

اگر مسلمان فوجی اور عسکری صلاحیت اتنی مضبوط نہ رکھتے ہوں تو انہیں دفاعی حکمت عملی اپناتے ہوئے دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے آپ کو مضبوط کرنا چاہیے اور تسلسل کے ساتھ یہ کام جاری رکھیں تاکہ دشمن انہیں کمزور سمجھ کر ختم نہ کر دے۔ فتاویٰ عالمگیری وشامی میں ہے کہ'' اگر کسی جگہ شکست یقینی ہو اور جنگی ساز وسامان کی بجائے ناکامی یقینی ہو تو ایسی صورت میں دشمن پر حملہ جائز نہیں۔ اسلام میں دراصل قوت استعمال کرنے کا حکم فتنہ وفساد ختم کرنے کیلئے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔'' قاتلو هم حتى لاتكون فتنة "اسی طرح ارشاد ہے:''الا

Marfat.com

تفعلوہ تکن فتنۃ الارض وفساد کبیر "مزید ایک مقام پر فرمایا:"والفتنۃ اشد من القتل" یہ قتال کی صورت اگر فتنہ کو ختم نہ کر سکے تو پھر فائدہ؟ بعض منکرین کا یہ بھی خیال ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام کے علاوہ ایک تیسرا دار الامن بھی ہے، اسے معاہدہ بھی کہہ سکتے ہیں یہ حالت جزیہ قبول کر کے بھی ختم ہو سکتی ہے اور ویسے معاہدہ کر کے بھی۔ اگر ایسا ہو تو پھر ایسی قوموں کے ساتھ قتال جائز نہیں۔ بقول صاحب بدائع: ''اللہ تعالیٰ نے قبول جزیہ کو اباحت قتال کی حد مقرر کیا ہے''۔ (۹)

جب کوئی غیر مسلم طاقت کسی مسلمان ریاست پر حملہ کر دے تو اس وقت اگر مسلم حکومت شکست کھا جائے تو کیا اس ملک کے مسلم عوام پر جہاد یا مسلح مزاحمت فرض ہو جاتی ہے؟ اس مزاحمت کی شرعی حیثیت کیا ہے یعنی یہ فرض کفایہ ہوتی ہے یا فرض عین یا مستحب؟ قرآن مجید میں ارشاد ہے: اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا (الحج:۳۹) جن مومنوں پر جنگ مسلط کی گئی، ان کو (لڑائی) کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا۔ مفسرین کرام اور سیرت نگار متفق ہیں کہ یہ پہلی آیت ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی۔ (۱۰)

ایک اور سکالر لکھتے ہیں:

Actual war becomes obligatory only in defense of Islam. (۱۱)

جب دشمن اسلامی ملک پر حملہ کر دے اور مسلم عوام کے بعض لشکر مقابلے کیلئے سامنے آجائیں تو یہ عوامی مزاحمت شرعاً فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ امام ابوبکر الجصاص کہتے ہیں کہ جب کچھ لوگ جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوں تو باقی کیلئے ترک جہاد کی گنجائش نکل آتی ہے۔ یعنی بیک وقت بعض پر فرض اور بعض پر معاف۔ (۱۲) صاحب قدوری لکھتے ہیں: جہاد فرض کفایہ ہے۔ جب لوگوں کا ایک گروہ جہاد کیلئے اٹھ کھڑا ہو تو باقی لوگوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی جہاد کیلئے نہ نکلے تو سب لوگ ترک جہاد کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔ اس فرض کفایہ کے حق میں جو دلیل عام طور پر ملتی ہے وہ سورۃ توبہ میں ہے: ''فلو لا نفر من کل فرقۃ منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین''۔ جہاد کے احکام کا مقصد حق مبین کا علم بلند کرنا، دین متین کی عزت کو قائم کرنا ہے اور بندوں سے فساد کو دور کرنا ہے۔ جب یہ مقصد بعض لوگوں کے دفاع

Marfat.com

کرنے سے حاصل ہو جائے تو باقی لوگوں سے یہ ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے جس طرح نماز جنازہ یا سلام کا جواب دینے سے تمام لوگوں سے ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے۔

فرض کفایہ کے سلسلہ میں دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر سب لوگ جہاد میں مصروف ہو جائیں تو دیگر ضروریات زندگی یہاں تک کہ جنگی ساز و سامان، سواریاں، رسد، تجارت اور دیگر امور نبٹانے کی ذمہ داری کون پوری کرے گا۔ علامہ عینی شرح ہدایہ میں رقمطراز ہیں: " فاذا کان الامر کذالك فیجب علی الکفایة " جب صورتحال یہ ہو کہ بعض مسلمان دشمن کا دفاع کر سکتے ہوں تو پھر جہاد کا حکم فرض کفایہ ہے۔ جب کسی ملک پر اچانک حملہ ہو جائے اور دفاع کی عملی صورتحال نظر نہ آ رہی ہو تو دفاع تمام مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ ایسے میں عورت اپنے خاوند کے بغیر اور غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکلے گا۔ اگر دشمن کے آس پاس لوگ اُن کو ہٹانے پر قادر ہوں تو جہاد فرض عین ہے۔ اُن کے حق میں دوسرے لوگ جو دور یعنی دوسرے ممالک میں ہیں تو اُن کیلئے فرض کفایہ ہے تاہم اگر قریب والے اپنے دفاع سے عاجز آ جائیں تو دور والوں کے حق میں فرض عین ہو جاتا ہے۔

سعید بن المسیب کے نزدیک جہاد ہر حالات میں فرض عین ہے۔ وہ قرآن کی آیت اقتلوا المشرکین اور حدیث الجهاد ماض الی یوم القیامة کو معیار بناتے ہیں۔ جہاں تک امام کی شرط اور شرط مقدرت کا تعلق ہے اس سلسلہ میں جواذنِ عام ہے وہ امام ہی کی طرف سے ہوگا یا ہونا چاہیے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ: "اذا طلبکم الا مام للخروج الی الجهاد فاخرجوا"۔ جہاد کے فرض عین کے حکم میں حرج لازم آتا ہے اور اسلام عدم حرج کا دین ہے یعنی فرض عین کی صورت میں نظام زندگی معطل ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ جب جہاد کیلئے نکلتے تو مدینہ میں کچھ لوگ باقی رہ جاتے تھے۔ ایک سوال یہ اُٹھتا ہے کہ اگر محض استخلاص وطن مقصود ہو اور اُس کے بعد اسلامی حکومت قائم کرنے کا عزم و اعلان موجود نہ ہو تو کیا پھر بھی یہ مسلح مزاحمت جہاد شمار ہوگی؟ اگر مسلم اقوام کے ہاتھ سے اُن کا ملک نکل جائے اور اُس پر کفار غالب آ جائیں گے تو مسلمانوں کا جینا مفلوج ہو جاتا ہے۔ اس لئے اپنے وطن کو کفار سے نجات دلانا ہر مذہبی فرائض میں سے اہم فریضہ ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد بنی

Marfat.com

اسرائیل پر عمالقہ براجمان ہوئے تو انہوں نے متحد ہو کر اپنے وطن کی تحریک چلائی اور طالوت کو اپنا امیر مقرر کیا۔ اُن کی سربراہی میں حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی قوم اور اپنے وطن کو نجات دلائی۔ قرآن میں ایسی جنگ کو افضل ترین جہاد اور قتال فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ " الم تر الی الملا من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذقالوا لنبی لهم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل الله ط قال هل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا قالوا وما لنا الا نقاتل فی سبیل الله وقد اخرجنا من دیار نا وابنائنا۔ (البقرۃ:۲۴۶) اب یہ سوال ہے کہ اگر کفار ایسے مفتوحہ علاقہ یا ملک میں اپنی گماشتہ مسلم حکومت قائم کر دیں تو کیا اُس حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت جائز ہوگی اور شرعی جہاد سمجھی جائے گی؟ اس کے جواب میں مولانا مودودی صاحب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"بعض ان میں دھن دولت کے لالچی ہوتے ہیں تو وہ غریب قوموں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ اُن کی تجارت (نیل) پر قبضہ کرتے ہیں۔ ان کی محنت سے کمائے ہوئے روپے کو قسم قسم کی چالاکیوں سے لوٹتے ہیں اور قوت کی بنا پر اس دولت سے اپنے خزانے بھرتے ہیں جس کی جائز حقدار وہ فاقہ کش مظلوم قومیں ہوتی ہیں۔ بعض ان میں ہوائے نفس کے بندے ہوتے ہیں تو وہ اپنے جیسے انسانوں کے خدا بن بیٹھتے ہیں اپنی خواہشات پر کمزوروں کے حقوق قربان کرتے ہیں۔ (۱۶)

اس اقتباس کی صورت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسے میں عوام الناس کیلئے جنگ جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتی ہے تاہم وقت و حالات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اپنی قوت کو محض ضائع کرتے رہنا بھی دانشمندی نہیں۔ مکمل منصوبہ بندی جس کے بغیر مقاصد حاصل نہ ہوں، کی جانی چاہیے، صرف جانوں کو ضائع نہیں کرتے رہنا چاہیے۔ معصوم اور بے گناہ جانیں ہلاک نہیں کرنی چاہیں۔ ماؤں اور بچوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنا دانشمندی نہیں۔ اگر ایک مسلم ملک پر کفار کا حملہ / قبضہ ہو جائے تو ساری مسلم حکومتوں پر جہاد فرض ہو جائے گا یا صرف مجاور مسلم حکومت پر فرض ہوگا۔ اگر ریاستیں مدد نہ کریں تو اُمت مسلمہ یا فرداً فرداً ہر مسلم پر جہاد فرض ہوگا۔ جواباً عرض ہے کہ اگر صیہونی یا دوسری غیر مسلم قوتیں کسی اسلامی ملک پر حملہ کریں تو اس

Marfat.com

ملک کے سربراہ پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔ سربراہ حکومت اور لوگ اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اگر کافر حکومت کا مقابلہ نہ کر سکیں تو اس کے پڑوسی ملک کے مسلمانوں پر اُن کی مدد کرنا بھی فرض ہوتا ہے۔ اگر وہ بھی دفاع نہ کر سکیں تو اس کے ساتھ والا ملک یہاں تک کہ ایسی صورتحال میں اس جارحیت کو ختم کرنے کیلئے تمام مسلمانوں پر جہاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ (۱۷)

جہاد کی فرضیت کیلئے اسلامی ملک کا سربراہ اعلان جہاد کرے۔ اگر وہ شخص ملتِ اسلامیہ کے مفادات کی حفاظت کی بجائے اسلام دشمن قوتوں کا آلہ کار بن جائے تو ایسی صورت میں مظلوم کی مدد کیلئے جہاد فرض کفایہ ہے اور مسلم تنظیمیں ایسا جہاد جاری رکھ سکتی ہیں۔ یہ وہ حالات ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔ " اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا "۔ (الحج: ۳۹) لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں اُن کا قصور یہ تھا کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتے تھے۔ مظلوم کی اعانت جہاد ہے سورۃ النساء میں ہے: " وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال و النسآء۔ (النساء: ۷۵) " تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے خدا! ہم کو اس بستی سے نکال یہاں کے لوگ ظالم ہیں۔ مظلوم کی اعانت اُس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک فتنہ کا استیصال نہ ہو جائے: " قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ " کیونکہ فتنہ قتل سے بھی بری چیز ہے۔ یہ جہاد ہے اور کسی بھی غیر ملکی تسلط کے خلاف کوشش جہاد کہلاتی ہے۔

To equate jihad with terrorism is wrong jihad does not empoly terrorism. Infact terrorism is practiced by the countries that wage war on others. When they wage a war a lot of innocent people are killed which is terrorism.

جو کاروائی دانستہ ہو، جس میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو اور وہ قانونی لحاظ سے ناحق ہو تو یہ دہشت گردی ہے۔ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۱ کو بلجیئم کے دارالحکومت میں یورپی یونین کے

Marfat.com

وزرائے خارجہ انصاف کا اجلاس ہوا اس میں کہا گیا کہ ہر وہ اقدام دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ کسی مہذب اور معصوم عوام کو نشانہ بنایا جائے۔ (۱۹) حالیہ بین الاقوامی کانگرس میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے اعلان کیا کہ اگرچہ دہشت گردی کو Define کرنا مشکل ہے لیکن جس میں بنیادی انسانی حقوق مجروح ہوں، وہ دہشت گردی ہے۔ دہشت گردی کیا ہے ایک اور تعریف ملاحظہ کریں: ''غیر مقاتلین کی جان، مال یا آبرو کے خلاف غیر اعلانیہ تعدی دہشت گردی ہے۔ غیر مقاتلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو حالت جنگ میں نہ ہوں۔ اُن کے خلاف اگر کوئی اقدام انہیں اپنی حفاظت کیلئے متنبہ کیے بغیر کیا جائے تو وہ دہشت گرد قرار پائے گا۔ چنانچہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی تاخت، نیویارک اور واشنگٹن میں حالیہ تباہی و مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی کے باہر بموں سے حملہ دہشت گردی کے اقدام ہیں۔ (۲۰) دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں برمنصوبہ بندی اور سوچ بچار کے بعد تشدد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ خاص مذہبی، لسانی یا نسلی مقاصد حاصل ہوں۔ (۲۱) دہشت گردی نام ہے تشدد کیے جانے کے خوف کا تشدد کے واقعات کے تسلسل کا تاکہ خوف کی فضا قائم رکھی جا سکے۔ ضروری نہیں کہ تشدد کی یہ کاروائی ان ہی کے خلاف ہو جو دہشت گردی کے مخالف ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تشدد کا نشانہ بننے والے لوگ معصوم ہوتے ہیں اس لئے خوف کی فضا دہشت گردی کا آخری مقصد نہیں بلکہ یہ تو راستہ ہے اصل منزل تک پہنچنے کا۔ (۲۲)

دہشت کو برسر اقتدار لوگوں کے خلاف بعض سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظریات تبدیل کرنے کیلئے دباؤ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں تشدد کی دھمکی بھی شامل ہے اور تشدد بھی۔ دہشت گردی کا خاص مقصد یہ ہے کہ غیر قانونی سرگرمیوں اور کاروائیوں کے ذریعے ایک خاص علاقہ، ریاست یا ملک میں رہنے والی اقلیتوں کے اعتماد کو متزلزل کر دیا جائے۔ دہشت گردی کی تاریخ بہت پرانی بتائی جاتی ہے اپنے مفادات حاصل کرنے کیلئے قومی آزادی کی تحریکوں پر بھی لیبل لگا دیا جاتا ہے حالانکہ سچائی حلیہ مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

یورپ اور امریکہ کی سازشوں کا شکار مسلمان دوطرفہ حملے کی زد میں ہیں اگر وہ بیلٹ (Ballot) کی طرف جاتے ہیں تو ان کو حکومت سازی کا موقع نہیں دیا جاتا جیسا کہ الجزائر

Marfat.com

میں ہواور جب مسلمان اپنی بقاء کی جدوجہد کرتے ہیں تو اُن کو دہشت گرد کہا جاتا ہے جیسا کہ مشرق وسطیٰ اور کشمیر میں یا وسط ایشیا میں ہے۔ مسلمان ایک طویل عرصہ سے مغرب کے استعمار کا شکار ہیں۔ مغرب کو ہر وہ چیز تشدد اور دہشت گردی نظر آتی ہے۔ جس سے پہلے اسلام کا حوالہ ہوا انہیں بنیاد پرست قرار دیا جاتا ہے۔ اُن کا قتل عام اُن کے بنیادی حقوق کی پامالی کی جاتی ہے اور طرفہ یہ کہ وہ دہشت گرد ہیں۔ مغرب کی خواہش نہیں بلکہ حکم ہے کہ اُن کا لائف اسٹائل یعنی طرز زندگی اپنایا جائے جس کا نہ ماننا دہشت گردی کی علامت ہے۔ اس قسم کے القابات سے مغرب نفسیاتی طور پر مسلمانوں کو بے عمل بنانا چاہتا ہے تاکہ ان ممالک میں ترقی کی رفتار رکی رہے۔ بے روزگاروں میں اضافہ ہوتا ہے اور مسلمان ملک ان کی امداد کا منتظر رہے۔ مسلمانوں کے عمل کو جہاد کی صورت میں فلسطین، کشمیر اور دیگر حساس خطوں میں جاری ہے۔ دہشت گردی قرار دے کر اُن کے حوصلوں کو توڑا جاتا ہے اور ان کو Defensive بنا دیا جاتا ہے۔ جو تشدد مغرب کرے، وہ حق ہے۔ جو اُن کے خلاف ہو وہ ناحق ہے۔ جو طاقتور ہے وہ اپنے مفادات کے حصول کیلئے جو چاہے کرے، وہ انصاف ہے۔ جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائے، وہ ناانصافی ہے، دہشت گردی ہے کیونکہ دہشت گردی کی تعریف ان طاقتور ملکوں کے ہاتھ میں ہے۔ جہاد اور دہشت گردی کے سلسلے میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کو چھیننا ہر قسم کی اخلاقیات میں بہت بڑا جرم اور دہشت گردی ہے۔ اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے تخریبی کاروائیوں اور تشدد جائز تو نہیں لیکن عمل اور ردعمل کے فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ آج کل کے ترقی یافتہ اور مہذب معاشروں میں زندہ رہنے کیلئے دہشت گردی کا انسداد ضروری ہے۔ اس کیلئے اُن اسباب کو رفع کرنا ضروری ہے جن کی وجہ سے دہشت گردی کی فضا سامنے آتی ہے۔ دنیا سے معاشی اور سیاسی تفاوت اگر دور کر دیا جائے، برداشت روا داری کے کلچر کو فروغ دیا جائے مذہبی جنونیت کو کم کیا جائے، حکمت اور موعظت کو کام میں لایا جائے اور انفرادی و سیاسی دہشت گردی کو ختم کرنے کیلئے شرعی سزاؤں کو عمل جامہ پہنایا جائے۔

Marfat.com

ایمانیات میں تعلّق بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔(آل عمران۔۱۶۴) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا مومنین پر احسان ہے کہ اس نے انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ محفوظ و مامون ہے، وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو بانیان مذاہب اور دیگر معلمین میں ایک اعلیٰ وارفع مقام کے حامل ہیں، وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی تعلیم وشخصیت اپنے حقیقی رنگ میں محفوظ ہے۔ چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں نے سیرت پر کچھ نہ کچھ لکھنا اپنے لئے باعث افتخار سمجھا۔ ایک مستشرق مارگولیتھ اپنی کتاب ''Muhammad and the rise of Islam'' (لندن،۱۹۰۵ء ص۳) میں رقمطراز ہیں:''حضرت محمد کے سیرت نگاروں کا سلسلہ طویل ہے جو ختم کرنا ممکن ہے،لیکن اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔''

ایمانیات میں بنیادی چیز ایمان باللہ ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر بعدازاں دین اسلام کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ دیگر عقائد اسی ایک اصل کی تکمیل کرتے نظر آتے ہیں۔ ایمان باللہ محض ہستی باری کے وجود کا اثبات نہیں کیونکہ یہ تصور دوسری اقوام میں بھی بہرطور مل جاتا ہے۔ اسلام کو دیگر مذاہب میں جو امتیازی مقام حاصل ہے وہ عقیدہ توحید کے حوالے سے صفات باری تعالیٰ کا صحیح علم ہے۔ اس اصول کو بنیاد بنا کر اللہ کے رسول تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق، تنظیم اعمال اور تمدن وثقافت کی بنا ڈالتے ہیں۔ وہ لوگوں کو خالق کی صفات کا صحیح علم بخشتے

Marfat.com

ہیں۔لہٰذا معلوم ہوا کہ ''رسول ہی وہ ہستی ہے جس کے ذریعے اللہ اور آخرت کو جانا جاتا ہے۔ رسالت ہی وہ ذریعہ ہوا جس کے ذریعے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔اس طرح رسالت کے بغیر اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں لایا جا سکتا۔عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت یوں لازم وملزوم ٹھہرے۔اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو منصب نبوت پر فائز فرما کر سلسلہ رسالت کا آغاز کیا۔ یہاں تک کہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے جن میں آخری نبی محمد رسول اللہ ہیں۔اللہ کے رسول نے فرمایا: لانبی بعدی۔(محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب المناقب) ایک مسلمان کے لئے کلمہ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول اللہ کا اقرار ضروری ہے۔لا اله الا الله سے مراد توحید اور محمد رسول الله سے مراد رسالت کا اقرار ہے۔

جب خدائے بزرگ وبرتر کا تعلّق اپنے رسول سے اتنا زیادہ ہے کہ وہ اسے اپنے نام سے جدا نہیں کرنا چاہتا تو ایک ادنی انسان خدا کے رسول سے تعلّق جوڑے بغیر کیونکر رہ سکتا ہے۔ ایمان بالرسول کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء میں الوہیت کا ادنی سا شائبہ بھی تسلیم نہ کیا جائے۔ورنہ انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔نیز نبوت کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ وہبی ہے، اکتسابی نہیں۔وہبی سے مراد یہ ہے کہ رسالت ایسی چیز نہیں جو تلاش وجستجو سے حاصل کی جائے۔بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام واکرام ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔(الانعام۔۱۲۵) اسی لئے نبی بلند واعلیٰ مرتبے کی حامل شخصیت ہوتے ہیں۔وہ عام انسانوں سے بلند مقام رکھتے ہیں۔وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے، بلکہ جو ان کو وحی کی جاتی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم۔۳۔۴)

اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ قرآن وسنت دونوں وحی ہیں، لیکن ان میں ایک لطیف فرق یہ ہے کہ قرآن مجید وحی متلو ہے، جب کہ سنت غیر متلو (امام شافعی نے اس مسئلہ پر اصولی بحث کی ہے۔احناف نے بھی اصول الفقہ کی کتابوں میں اس بات پر زور دیا ہے)

ایمانیات میں تعلّق بالرسول ﷺ کیا ہے؟ اس چیز کو سمجھنے کے لئے بہتر ہے کہ سیرت

Marfat.com

النبی کے اولین ماخذ قرآن مجید کا سہارا لیا جائے۔ سیرت رسول اللہ پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں ابن اسحاق، ابن ہشام، طبقات ابن سعد، کتاب الشفاء، سیرت حلبیہ، سیرت النبی، The Life of Muhammad، Muhammad at Mecca اور Muhammad at Medina نمایاں ہیں۔

ان کتابوں میں درج روایات کو ایک محتاط انداز کے مطابق بعض اوقات تنقید بھی برداشت کرنی پڑی۔ لیکن قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے اور مخالفین کی تنقید سے محفوظ ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اس کتاب میں سے تعلق بالرسول کی بنیادیں ڈھونڈی جائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ نبی کے اخلاق قرآن تھے۔ کان خلقه القران۔ وہ عملی قرآن تھے، وہ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کے مطالعہ سے جو چیز معلوم ہوتی ہے وہ تعلق بالرسول کے حوالے سے ایمان بالرسول ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر سچا اور پکا اعتماد کیا جائے۔ ایسا اعتماد جو شک و شبہ سے بالا ہو۔ یہ کہ آپ ﷺ صادق اور امین ہیں۔ آپ ﷺ کے ہر قول میں حکمت ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات ابدی اور عالمگیر ہیں، وہ معلم و مربی ہیں، وہ پیشوا اور نمونہ تقلید ہیں، وہ شارع اور قانون ساز ہیں، قاضی اور حکم ہیں، وہ ہادی، نذیر، داعی، مبشر، مبلغ، مزکی اور سراج منیر ہیں۔

○ دوسری چیز اطاعت رسول ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وما من رسول الا ليطاع باذن الله (النساء۔۶۴) اور فرمایا: من يطع الرسول فقد اطاع الله (النساء۔۸۰) اب جبکہ آپ ﷺ ہم میں موجود نہیں تو آپ کی سنت ہمارے لئے باعث تقلید ہے۔ حضور ﷺ نے آخری حج کے موقع پر فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ (خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۸۲ء ص ۲۳۲)

○ تیسری چیز اتباع رسول ﷺ ہے۔ جو اطاعت سے زیادہ وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ اتباع میں عقیدت و احترام کا جذبہ بڑھ جاتا ہے۔ صحابہ، اولیاء اللہ اور دیگر نیک افراد کی ہمیشہ یہ

Marfat.com

خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو رسول ﷺ کی اتباع میں گزاریں۔ اللہ پاک نے فرمایا:
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران۔۳۱) اس وسعت مفہوم کی بدولت ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کی صحیح شناس کی جائے۔ فضول ولایعنی رسوم ورواج کا خاتمہ کیا جائے۔ حلال وحرام کے فرق کو صحیح سمجھا جائے۔ بدعات سے پرہیز کیا جائے۔ یہی وہ مقصود نبوت تھا جو لامحالہ مقصود الٰہی ہے۔

○ تعلق بالرسول کی چوتھی بنیاد محبت رسول ﷺ ہے۔ یہ محبت فطری، عقلی اور اصولی ہے۔ انسان اللہ اور رسول ﷺ کی خاطر اپنے باپ، بھائی، بیویاں، خاندان، جو مال کمایا، تجارت، مکانات سب کچھ قربان کر دیتا ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو بلند رکھتا ہے (التوبہ۔۲۴) یہی ایمان بالرسول کا تقاضا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں (رسول اللہ ﷺ) اسے اس کے والد، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری، کتاب الایمان) اور صحیح مسلم میں ہے کہ وہ انسان ایمان کا مزہ چکھ ہی نہیں سکتا جو محمد ﷺ کے رسول ہونے پر مطمئن نہ ہوا۔ آنحضور ختمی مرتبت ﷺ نے انسان کے لئے تعلیمات کا ایک جامع پروگرام چھوڑا ہے جس نے انسانی تہذیب کو منور کیا ہے۔ یہ سیرت صدیوں سے انسان کی رہنمائی کر رہی ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی۔ آنحضور ﷺ کے روحانی ورثہ نے ماضی میں بھی شاندار اثرات مرتب کئے اور مستقبل میں بھی ایسا کرے گی کیونکہ آپ ﷺ کے دین کی بنیاد سچ پر ہے اور اس سچ پر انسانی واسلامی تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔
یہ واحد تہذیب ہے جو انسان کو خوشی اور امن کی ضمانت دیتی ہے۔ محمد ﷺ نے جس دین کی بنیاد رکھی اور جس تہذیب کو خداوند قدوس کی اجازت سے استوار کیا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔
اسلامی ثقافت کی بنیاد مذہب، سائنس اور عقل پر رکھی گئی ہے جو مذہب اپنی اساس کو مضبوط استوار کرتا ہے تو اس کی بنیاد پر بننے والی عمارت کتنی پائیدار ہوگی۔ اس بنیاد پر اسلام اپنے معاشی، سیاسی اور معاشرتی اصول پیش کرتا ہے جو رواداری، عدل واحسان اور مساوات پر مبنی ہیں۔ لہٰذا اکیسویں صدی میں جو سوسائٹی ان اصولوں سے ترتیب پائے گی وہ کامیاب ہوگی۔

Marfat.com

آنحضور کا اسوہ کامل اس صدی میں بھی معاشی اصولوں اور سیاسی پروگرام کے باعث مغربی تہذیب انسانی فلاح کی ضامن نہیں بن سکی۔ کیونکہ:

A civilization which founds itself upon economic activity and erects its moral system on that activity as a base and yet gives no weight in public life to faith is incapable of achieving for mankind the happiness that men seek. (Muhammad Husein Haykai

The.Life of Muhammad Translated by Ismail Ragi al-Farooqi Islamic Book Trust. Kualaumpur 1993 p-519

موجودہ صدی میں ہم نے دیکھا کہ انسانیت کئی بار تباہی سے دوچار ہوئی۔ پہلی جنگ عظیم، دوسری جنگ عظیم، بوسنیا میں سربوں کے مظالم، کشمیر میں ہندوستانی فوجوں کی یلغار، فلسطین میں اسرائیلیوں کے ظلم وستم۔ یہ چند واقعات ہیں جنہوں نے انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کا خون ناحق کیا۔ مغربی تہذیب کے ہاتھوں دنیا میں امن قائم ہوگا۔ یہ ناممکن ہے۔ جب تک انسان کا تعلق انسان سے روٹی کی نسبت سے تو امن ناممکن ہے۔ اگر یہ تعلق سیرت نبوی ﷺ کی بدولت خدا سے ہوگا اور پھر اس روشنی میں خلق خدا سے ہوگا تو امن ہوگا، پھر انسان یقیناً دائمی خوشی سے ہمکنار ہوگا۔ وما علی الا البلاغ

Marfat.com

Marfat.com

امریکہ میں اشاعت اسلام۔اسباب واثرات

امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کی صورت حال اگرچہ پیچیدہ ہے مگر انتہائی حوصلہ افزاء ہے۔حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور اسلام تیزی سے لوگوں کی زندگی میں داخل ہو رہا ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۹۹۰ء کے ابتدائی سالوں میں یہاں مسلمانوں کی تعداد سات ملین ہو چکی ہے۔اسی طرح ایک اندازے کے مطابق 2015 تک امریکہ میں اسلام جو اب تیسرا بڑا مذہب ہے دوسرے بڑے مذہب کی جگہ لے لے گا۔ جہاں تک مساجد اور اسلامک سنٹر کا تعلق ہے ان کی تعداد ۸۴۳ ہے۔اسلامی سکولوں کی تعداد ۱۶۵ اور ایسوسی ایشنوں کی تعداد ۴۲۶ ہے۔

ایڈورڈ سعید کے مطابق اسلام کے بارے میں مستشرقین ایک تعصبانہ سوچ کے مالک رہے ہیں یہ تعصبانہ سوچ یورپ سے ایک عملی لہر کی شکل میں اٹھی اور اس نے ۱۹۴۰ء کے بعد امریکہ کی سیاسی سوچ پر بھی غلبہ حاصل کر لیا۔جس کے نتیجہ میں امریکہ میں عرب شیوخ کو خصوصاً ایک غیر پسندیدہ اور فرضی کرداروں کی شکل میں پیش کیا گیا اور مسلمانوں کو عموماً ایک غیر مہذب، غیر ترقی یافتہ قوم قرار دیا گیا۔ان کے لئے Fundamentalists (بنیاد پرست) Terrorists (دہشت گرد) Phonatics (جنونی) وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جانے لگیں۔

World Trade Center میں بم کا دھماکا ہوا تو میڈیا نے تمام مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرایا۔اس تعصب نے امریکہ کے رہنے والے مسلمانوں میں مذہبی تشخص کا جذبہ پیدا کیا چنانچہ اشاعت اسلام کے لئے مختلف ادارے تنظیمیں اور سوسائٹیاں معرض وجود میں

Marfat.com

آئیں۔اس صورت حال کے سبب اب خود امریکی اسکالراس بات کی طرف خاصی توجہ دے رہے ہیں کہ امریکہ میں اسلام یا مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوگا۔اس سلسلہ میں دو خواتین پروفیسرز کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں خاصا کام کیا ہے۔

ایوان حداد (Yvonne Haddad) ایک عرب نژاد عیسائی خاتون ہیں۔امریکہ کی Messachlisstts یونیورسٹی میں عربی اور اسلامیات کی پروفیسر ہیں۔انہوں نے تفصیل سے اس مضمون پر کام کیا ہے اور امریکہ میں مسلمانوں اور اسلام پر اتھارٹی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

1۔ The muslims of America

2۔ Islamic Values in the U.S

ڈاکٹر غزالہ وب (Ghazalah Webb) نے بھی ایک کتاب Islam and Muslim in America کے نام سے لکھی۔یہ کتاب تصوف کے حوالہ سے لکھی گئی ہے۔

ان کتابوں اور دیگر ماخذ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جہاں اسلام،تاریخی،سماجی، علمی اور سیاسی میدان بھی امریکی کلچر کو متاثر کر رہا ہے وہاں امریکی سیاست بھی مسلمانوں کے ذہن کو ایک نیا رخ ایک نئی سوچ ایک نیا انداز فکر اپنانے پر مجبور کر رہی ہے۔ذیل میں ہم ان عوامل کا تفصیلی ذکر کریں گے جو امریکہ میں اشاعت اسلام کا سبب بن رہے ہیں۔

تارکین وطن

ایک رپورٹ کے مطابق اٹھارہویں صدی کے شروع میں امریکہ میں مسلمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ان کا تعلق زیادہ تر مشرق وسطی کے ممالک فلسطین،شام،اردن اور لبنان سے تھا۔ان میں سے بیشتر لوگ تعلیم اور کاروبار سے منسلک ہو گئے۔اپنی کیمونٹی کے مفادات اور اپنی مذہبی شناخت کو قائم رکھنے کے لئے انہوں نے مساجد اور مختلف اسلامک سنٹر قائم کئے۔ابتدائی طور پر یہ مسجدیں Detroit (ڈایٹرائٹ) Philadaldhia (فلاڈلفیا) Chigago (شکاگو) New York (نیو یارک) میں قائم ہوئیں۔تارکین وطن کی ایک اور

Marfat.com

بڑی لہر نے بیسویں صدی کی نصف دہائی کے قریب امریکہ کا رخ کیا۔ یہ لوگ زیادہ تر ہندو ستان اور پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان ملکوں کے علاوہ روس اور مشرقی یورپ سے بھی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد یہاں پہنچی۔ ۱۹۸۰ء۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں بے شمار پاکستانی اور عرب نوجوان اعلیٰ تعلیم کے حصول اور روزگار کے حصول کیلئے یہاں پہنچے اور یہیں کے ہو رہے، ان میں ڈاکٹرز اور انجینئرز بھی شامل ہیں جو ۷۰ کی دہائی میں یہاں آکر آباد ہوئے۔ خمینی انقلاب کے بعد ایران سے بھی بہت سے مسلمان یہاں پہنچے اسی طرح مصر، ترکی، کویت، سعودی عرب، عراق، افغانستان، سوڈان، تیونس اور دوسرے افریقی ممالک سے بھی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد یہاں پہنچ چکی ہے۔

مساجد اور اسلامک سنٹر

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے امریکہ میں مساجد اسلامک سنٹرز کی تعداد ۸۴۳ کے لگ بھگ ہے۔ مسجدیں زیادہ تر اپنی مدد آپ کے تحت کام کر رہی ہیں۔ جو افراد یہاں نماز پڑھتے ہیں وہ چندہ (Donation) دے کر اس کا انتظام و انصرام ایک امام کے سپرد کر دیتے ہیں، بعض مساجد میں مختلف مذاہب کے لوگوں سے علمی مکالمے کی روایت بھی موجود ہے۔

یہاں فلاڈلفیا کے قریبی مضافات اور بروک (Over Brook) کی مسجد "باوامحی الدین" کا تذکرہ کر دیا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ باوامحی الدین مسجد میں نماز جمعہ کے بعد ملحقہ ہال میں باہم ملاقات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جہاں بعد نماز جمعہ کھانا بھی پیش کیا جاتا ہے۔ مسجد میں اگرچہ عورتوں کیلئے عبادت کی جگہ علیحدہ ہے تاہم اس بڑے ہال میں مرد وزن کی ایک دوسرے سے گفتگو پر کوئی پابندی نہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں اور اسلام سے متعلق لٹریچر فراہم کیا جاتا ہے۔ باوامحی الدین جو کہ سری لنکا سے یہاں آکر آباد ہوگئے تھے ان کے ارشادات اور ملفوظات پر مبنی لٹریچر بھی یہاں تقسیم کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی مسلمان تبلیغی نقطۂ نگاہ سے کوئی تحریر طبع کرانا چاہے تو اس کے چھاپنے کا بھی مفت انتظام کیا گیا ہے۔ یہ مسجد ۱۹۵۴ء میں قائم ہوئی تھی اور اب تک انتہائی موثر ادارہ بن چکی ہے۔

Marfat.com

واشنگٹن لاس اینجلز اور ٹیکساس میں اب بڑی بڑی مسجدیں بنائی جا رہی ہیں۔ نارتھ کیرولینا کا اسلامک سنٹر افریقی مسلمانوں کے لیے ایک مرکز فراہم کر رہا ہے۔

مساجد کی ایک فیڈریشن بھی قائم کی گئی ہے۔ جس کا نام Federation Of Islamic Associations (FIA) رکھا گیا ہے۔ اس کا صدر دفتر ڈیٹرائٹ (Detroit) میں ہے۔

طلبہ تنظیم

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب مسلمان طلباء نے یہاں کی مختلف یونیورسٹیوں کا رخ کیا۔ تو انہوں نے آگے چل کر اپنی تنظیمیں قائم کر لیں۔ ان میں Muslim Student Association نہایت فعال تنظیم ہے۔

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA)

اس سوسائٹی نے مختلف تنظیموں کو منظم کر کے ایک گرانقدر خدمت سرانجام دی ہے۔ ان تنظیموں میں امریکن مسلم سوشل سائنٹس، امریکن مسلم سائنٹس، انجینئرز، اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن، نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ، کینیڈین اسلامک ٹرسٹ، مسلم یوتھ آف نارتھ امریکہ، ملائشین اسلامک سٹڈی گروپ، امریکن مسلم مشن گروپ اور مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن شامل ہیں۔

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ ان کو قانونی ہیئت فراہم کرتی ہے۔ ایک مجلس شوریٰ بنائی گئی ہے۔ جس کا کام قومی اور علاقائی سطح پر مسلمانوں کو مختلف معلومات بہم پہنچانا ہے۔ یہ جماعت یا سوسائٹی مختلف تنظیموں کو سیاسی طور پر بھی منظم کرتی ہے۔

امریکن مسلم کونسل واشنگٹن

اس کا صدر دفتر واشنگٹن میں واقع ہے جس کے موجودہ ڈائریکٹر عبدالرحمٰن العبودی ہیں جو مسلمانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ

Marfat.com

جس طرح یہودی منظم ہو کر امریکی سیاسی (کانگریس اور سینٹ) پر چھا گئے ہیں اسی طرح مسلمان بھی فعال ہو کر ان اداروں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائیں اور پھر ایک دن امریکہ کے ایوانوں میں اسلام کا بول بالا ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چند اسلامی تنظیمیں ایسی بھی ہیں جو سیاسی مداخلت کی مخالفت کرتی ہیں لیکن یہ مخالفت برائے نام ہے۔

حال میں پاکستانی مسلم کیمونٹی نے بھی مشیگن میں ایک پاکستانی پولیٹیکل ایکشن کمیٹی تشکیل دی ہے جو سیاسی طور پر مسلمانوں کو فعال بنا رہی ہے۔ فلاڈلفیا میں پاکستانی امریکن سوسائٹی بھی کم و بیش اسی قسم کا رجحان رکھتی ہے۔ اس قسم کی سوسائٹیوں کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کیا پاکستانی اور دیگر مسلمانوں کو امریکن کلچر میں ضم کر دینا چاہیے۔ اس موضوع پر سیمینار اور فورم بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ سیاسی طور پر عرب امریکن گروپس بھی متحرک ہیں جو فلسطین کے مسئلہ کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں اور طرح طرح کے طریقوں سے امریکن عوام پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ امریکہ اسرائیل کی غلط حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (IIIT)

اسلامی علوم کے فروغ کے لئے ۱۹۸۱ء میں ایک انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں لایا گیا اس کا صدر دفتر ہرنڈن ورجینیا میں ہے۔ یہ ادارہ اپنا ایک ریسرچ جرنل نکالتا ہے جس کا نام ''جرنل آف اسلامک سوشل سائنسز'' ہے۔

اس ادارے کے ایک پروگرام میں دنیا سے آئے ہوئے مسلم اسکالرز سے رابطہ اور ان کے توسیعی خطبات کا اہتمام بھی ہے۔ یہ ادارہ امریکہ میں پرائمری سطح کی نصاب سازی پر خاصی نظر رکھتا ہے اور جہاں کہیں اسلام سے متصادم کوئی چیز نظر آئے، اس کی نشاندہی کر کے ترمیم و اصلاح کیلئے کوشش کرتا ہے۔ اس کا تذکرہ Leslie Cook نے اپنے مختصر مضمون Islam in America میں کیا ہے۔

۱۹۹۲ء کے آخر میں اس ادارہ کے زیر اہتمام ایک عالیشان مسجد کا افتتاح ہوا ہے۔

Marfat.com

ریاست ورجینیا کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے مسلمان، جمعہ اور عیدین کے مواقع پر یہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ ادارہ پورے امریکہ میں انتہائی مرکزی مقام رکھتا ہے۔ اس ادارے کے دفاتر پاکستان اور ملائشیا میں بھی قائم ہو چکے ہیں۔

افریقن۔امریکن مسلمان

امریکہ میں رہنے والے افریقی نسل کے بے شمار لوگ اسلام کو بطور مذہب کے قبول کر چکے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ۱۸۸۶ء میں اسلام کو بطور ایک Symbol استعمال کیا گیا کہ کس طرح افریقی لوگوں کو اکٹھا کیا جا سکے یعنی ایک پلیٹ فارم پر لایا جا سکے۔ اس تحریک کے روح رواں Timothy Drew تھے۔ بعد ازاں انہوں نے اپنا نام Noble Drew Ali رکھا اور ۱۹۱۳ء میں ریاست نیوجرسی میں ایک Temple کا مقصد مظلوم لوگوں میں زندہ رہنے کا شعور پیدا کرنا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں ولیس فرض محمد (Wallace F. Muhammad) نے ڈیٹرائٹ میں اس تحریک کو تقویت پہنچائی۔ فرض محمد کے بارے قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ترکی النسل تھا یا پھر ایرانی النسل؟

انہوں نے ایک تحریک شروع کی جس کا نام تھا:

"The Lost Found Nation of Islam in The Wilderness of North America".

(شمالی امریکہ کے میدانوں میں اسلام کی گم شدہ قوم کی بازیابی) فرض محمد نے علی جاہ محمد کی قیادت کو تسلیم کیا اور انہیں "خدا کا پیغمبر" قرار دیا ان کا پیغام تھا کہ:

۱۔ سخت محنت کی جائے۔

۲۔ اپنے آپ کی عزت کی جائے۔

۳۔ انسان کو معاشی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

۴۔ اخلاقی طور پر انسان کو مضبوط اور فعال ہونا چاہیے۔

علی جاہ (عالیجاہ) محمد نے جو تنظیم متعارف کرائی اس کا نام تھا۔

Marfat.com

اس تنظیم کی بے شمار تعلیمات اسلام کے عقائد سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔

جن میں سے ایک یہ تھی کہ ''سفید فام لوگ شیطان ہیں، ایک افریقی مسلم کے لئے ان تعلیمات کا پابند ہونا لازم تھا۔ Malcolmx نے اس تنظیم میں شمولیت حاصل کی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کا دورہ کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ اسلام عجمی اور عربی اور کالے اور گورے میں کوئی تمیز نہیں رکھتا اور انسانی اخوت کا درس دیتا ہے تو انہوں نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ۱۹۶۵ء میں Malcolmx کو قتل کر دیا گیا لیکن اس کی تعلیم و تبلیغ نے افریقن۔ امریکن لوگوں کو صحیح اسلامی رخ پر ڈال دیا۔ علی جاہ محمد کا اپنا بیٹا وارث دین محمد بھی راہ راست پر آ گیا اور بعد ازاں ہزاروں بلکہ لاکھوں افریقن۔ امریکن مسلمانوں کا لیڈر بن گیا۔ وارث دین محمد کے پاس جونہی اس تحریک کی قیادت آئی اس نے نسلی تعصب کا خاتمہ کیا۔ اس نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس کے والد ''پیغمبر اسلام'' نہ تھے۔ اس تنظیم کا نام بدل کر اب (The American Bilalian Community) رکھا گیا۔ اب اس کا نام ''امریکن مسلم مشن'' کے طور پر سامنے آیا ہے۔

علی جاہ محمد کی اصل تعلیمات کو آگے چلانے میں لوئیس فرخان Louis Farkhan کا نام لیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریک کا نام "The Nation of Islam" رکھا۔ ان دو متوازی تنظیموں نے اگرچہ اپنے طور پر افریقی لوگوں کو زندہ رہنے کا درس اور امید دی لیکن اس سے لوگوں کے شبہات میں اضافہ ہوا اور وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حقیقتاً اسلام کیا ہے۔

فرخان کا پیغام یہ ہے کہ ''کالوں پر سفید فام ظلم کرتے ہیں لہٰذا افریقن۔ امریکن کا اپنا علیحدہ ملک ہونا چاہیے "The Nation of Islam" کے متوازی کچھ اور تنظیمیں بھی وجود میں آئی ہیں جن میں ''دارالاسلام'' اور ''انصار اللہ'' نمایاں ہیں۔

دارالاسلام تحریک نے اب تک ۲۰ مسجدیں قائم کی ہیں جو زیادہ تر نیویارک اور فلاڈلفیا کے علاقوں میں ہیں۔ اس کا دائرہ کار کینیڈا میں بھی پھیل گیا ہے۔ امام یحییٰ عبدالکریم اس کے لیڈر ہیں جن کو ''امیر المومنین'' کا خطاب بھی دیا گیا ہے۔ اس تنظیم کے پیروکار نہایت منظم ہیں۔ اپنی کمیونٹی کی خدمت کے لیے مختلف ادارے بھی انہوں نے قائم کر رکھے ہیں۔

Marfat.com

انصار اللہ کی سربراہی ان دنوں امام عیسیٰ نامی شخص کے حصّہ میں آئی ہوئی ہے۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد بلیک نیشنلزم اور اسلام کو ایک نظر سے دیکھنا ہے۔ مصر اور سوڈان کی پرانی تہذیب کی یہ داعی قرآن کی طرح بائبل کے متن کو بھی مستند تسلیم کرتے ہیں۔ امام عیسیٰ کا ایک یہ بھی خیال ہے کہ اس تنظیم کو اسلام سے ایک جداگانہ تشخص حاصل ہو جائے۔ انہوں نے اب "Nubian Islamic Hebrew Association" کے نام سے تحریک چلانے کا خیال ظاہر کیا ہے۔

قید خانہ جات:

کالے امریکیوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں دیگر اسباب میں سے جیلیں بھی ایک سبب ہیں اکثر کالے امریکی جرائم میں ملوث ہونے کے سبب قید کر لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مسلم مشن قید خانوں میں اپنی تبلیغی مساعی سے ان کو اسلام کی طرف متوجہ کرتے ہیں، تصور توبہ ان کو اسلام سے قریب تر لانے والے عوامل میں سے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

صوفی ازم

مادہ پرستی کے سبب امریکن روحانی آسودگی کے متلاشی ہیں۔ اس ضمن میں متصوفانہ تعلیمات ان کیلئے خصوصی کشش رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں باوا محی الدین کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ باوا محی الدین ۱۹۷۱ء میں امریکہ آئے۔ انہوں نے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ فلاڈلفیا میں ان کا قیام نہایت ہی سودمند ثابت ہوا۔ لوگوں سے بالمشافہ ملاقاتیں کر کے انہوں نے سب سے پہلے اس بات پر زور دیا کہ ''اپنے اللہ کو ہر وقت یاد رکھو اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں'' ان بنیادی تعلیمات کے بعد آہستہ آہستہ لوگوں کو ''خاموش ذکر'' کی طرف راغب کیا گیا۔ آہستہ آہستہ انہیں وضو کرنا سکھایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ صفاتی ناموں کا ذکر کرایا گیا، آنحضور ﷺ کے ناموں کا تذکرہ اور چند قرآنی آیات کی تعلیم دی گئی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات سکھائے گئے۔ باوا محی الدین نے صبر، حوصلہ، بردباری اور اتحاد کی تعلیم کو عام کیا۔ ان تعلیمات نے بے شمار لوگوں کو باوا محی الدین کے قدموں میں لا کھڑا کیا۔

Marfat.com

بنیادی طور پر ان تعلیمات کا مقصد محض وعظ و تلقین لگتا تھا۔ لیکن آج یہ تعلیمات اسلام کے نام پر لوگوں میں مروج ہو گئی ہیں۔

آج کل باوامحی الدین کے خطبات کے نام سے پمفلٹ شائع کیے جا رہے ہیں۔ باوامحی الدین کا مزار ہندوستان اور پاکستان میں مزاروں کی طرح مرجع خلائق ہے۔ اس طرح امریکہ میں ایک روائتی صوفی ازم کی بنیاد پڑ چکی ہے۔

سفید فام مسلمان

اب تک ۴۰ سے ۸۰ ہزار تک امریکی، مسلمان ہو چکے ہیں۔ ان میں خصوصاً وہ عورتیں شامل ہیں جنہوں نے مسلمانوں سے شادی کی ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو اسلام میں عورت کی حیثیت اور اہمیت سے متاثر ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

کاروکاری ایک رسم اور شریعت اسلامیہ

کاروکاری عصر حاضر کا ایک افسوسناک معاشرتی مسئلہ اور المیہ ہے، یہ اُس ظالمانہ نظام کا نام ہے جو انصاف کے نام پر انصاف کا خون کرتا ہے، نام نہاد غیرت کتنے ہی بے گناہوں کی جان لے چکی ہے اور لے رہی ہے، اس آرٹیکل میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ یہ رسم شریعت اسلامیہ اور پاکستانی قوانین سے متصادم ہے یا نہیں، رسم اور اسلامی تعلیمات کا ایک تقابلی جائزہ لیتے ہوئے نیز مختلف واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا اور ایک نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔

کاروکاری سندھی زبان کا لفظ ہے۔ کارو کا مطلب ہے بدکردار مرد اور کاری کا مطلب ہے بدکردار عورت۔ (۱)

رابعہ علی "The Dark Side of Honour" میں کاروکاری کی درج ذیل تعریف بیان کرتی ہیں:

"Refers honour killing in Sindh where the victims are accused of illictit relationship"

سندھ میں غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاح جس میں ملزم پر ناجائز تعلقات کا الزام لگایا جاتا ہے۔ (۲)

کاروکاری جیسی رسوم کا آغاز عرب کے قبائلی معاشرے سے ہوا، جو خواتین کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ وہ شادی سے قبل ہی ناجائز تعلقات میں ملوث ہونے کی بنا پر خاندان کی بے عزتی کا باعث بنتی تھیں۔ قدیم رومن عہد میں بھی اس طرح کی روایات موجود تھیں کہ کسی کی

Marfat.com

غیر شادی شدہ بیٹی یا بیوی ناجائز تعلقات میں ملوث پائی جاتی تو اسے قتل کر دینے کا حق حاصل تھا۔ (۳)

مصریوں کے ہاں بدکاری کی سزا یہ تھی کہ مرد کو لاٹھیوں سے خوب پیٹا جائے اور عورت کی ناک کاٹ دی جائے۔ ہندوؤں کے ہاں سزا یہ تھی کہ اس کو کتوں سے پھڑوا دیا جائے۔ اور مرد کی یہ سزا تھی کہ اسے گرم پلنگ پر لٹا کر چاروں طرف سے آگ لگا دی جاتی۔ قسطنطین نے اس قانون کو بدل کر مرد اور عورت دونوں کیلئے سزائے موت مقرر کی۔ (۴)

فرانسیسی مجموعہ تعزیرات 1810ء میں 1975 تک ایسے شوہر جو اپنی ازواج کو کسی غیر کے ساتھ تعلقات میں ملوث پائیں اور قتل کر ڈالیں نرم یا کم تر سزا کے مستحق تھے۔ (۱)

2005ء میں صرف برلن میں 6 مسلم خواتین کو اس سلسلے میں قتل کیا گیا، ایک جرمن تنظیم کے مطابق 1996ء سے 40 مسلم خواتین، برطانیہ میں ہر سال درجن بھر سے زائد مسلم خواتین غیرت کے نام پر قتل ہوتی ہیں۔ لبنان فلسطین میں ہر ماہ 30 تا 34 خواتین قتل ہوتی ہیں، 2006ء میں صرف بصرہ میں 347 خواتین قتل ہوئیں۔ (۶)

"Reports submitted to the United Nation Commision on human rights show that honour killing have occured in Bangladesh, Great Britain, Brazil, Ecuador, Egypt, India, Isreal, Jordan, Pakistan, Moroco, Turkey and Uganda." (۷)

"اقوام متحدہ کو انسانی حقوق کی بابت ملنے والی اطلاعات کے مطابق غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے واقعات بنگلہ دیش، برطانیہ، برازیل، ایکواڈور، مصر، انڈیا، اسرائیل، اٹلی، سوڈان، پاکستان، مراکش، سویڈن، ترکی اور یوگنڈا میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔"

"Honour Killing in the News" کے مطابق کاروکاری جیسے واقعات یورپ میں مسلمانوں اور سکھوں کے اندر ہوتے ہیں۔ (۸)

Marfat.com

اسباب/وجوہات

معاشرہ میں رسمِ کاروکاری کے پھیلاؤ کی سب سے بڑی وجہ نام نہاد غیرت ہے۔ رسم کاروکاری کے رائج ہونے میں کم علمی اور بے شعوری کے عنصر کا بھی بہت اہم کردار ہے۔

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ کے مطابق:

تعلیم کی کمی، خاص طور پر ہماری عورتوں میں تعلیم سے دوری ایسی رسوم کی وجہ ہیں۔ (۹)

ملتان کے D.P.O کے مطابق:

جرائم کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے، ہمارے ہاں تعلیم کا فقدان ہے، افراد اگر تعلیم یافتہ ہوں گے تو جرائم کی شرح بھی کم ہوگی۔ میں نے 1800 مقدمات کا مطالعہ کیا تو ان میں سے 80% افراد کی تعلیم میٹرک سے بھی کم تھی۔ دس فیصد افراد ایسے تھے جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے تھے، ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہاں مذہب کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ مذہبی اقدار کو سمجھنے، جاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے جرائم میں کمی ہوسکتی ہے۔ (۱۰)

معاشرے میں امن و امان کے قیام کیلئے عدل و انصاف کا نفاذ ضروری ہے، عدل و انصاف کا اہم لازمہ مساوات کا لحاظ ہے مگر بدقسمتی سے عدالتوں کے حالات ناگفتہ بہ ہیں جس کی وجہ سے انصاف کی جلد اور بہتر فراہمی مشکل ہوکر رہ گئی ہے، قانون کا نفاذ اور اس کا احترام نہ ہونے کے سبب لاقانونیت عام ہے، چنانچہ کاروکاری جیسی رسوم کو پنپنے کا موقع مل رہا ہے۔ (۱۱)

رسم کاروکاری کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب عورت بھی ہے، بلوچ رسم و رواج کے تحت سیاہ کاری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس قبائلی قانون کا بعض بے ضمیر لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے اور محض اپنے دشمنوں سے چھٹکارا پانے کیلئے بے گناہ عورت پر سیاہ کاری کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ (۱۲)

رسم کاروکاری کے معاشرے میں پروان چڑھنے کا اور جڑ پکڑنے کا ایک سبب لالچ بھی ہے H.Q شاہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

Increasingly karo kari murders are also being used for financial gain.(۱۳)

Neshay Najam نے بھی کاروکاری کے اسباب میں ایک سبب لالچ بیان کیا ہے:

The lust for money appears to have motivated many men to accuse thier morthers, wives, or female relatives of dishonourng their famlies and killing them in order to extract a compansation from the alleged karo who escape the killing. A man in village Gujrani killed his 85 years old mother as kari in 1992 and obtained 25000 Rs. from the man he declared the karo. The desire to obtain land may also lie behind some fake honour."(۱۴)

قبائلی معاشرے میں بھی لوگوں کو سیاسی مسائل کا سامنا ہے۔ ان کے درمیان بھی خاندانی رقابتیں موجود ہیں۔ قبائل کے دوران بعض لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ سیاسی مخالف، خاندانی رقابت یا جائیدادو غیرہ کے مسائل کے حل کے لیے رسم ہذا کا سہارا لیتے ہیں۔

The practice of man murdering their enemies and subsequently killing one of the woman in their family to disguise it as an honour killing is also common.(۱۵)

نتیجہ کے طور پر اپنے خاندان کی کسی عورت کو قتل کر کے غیرت کا نام دینا عام رواج ہے، اس کے برعکس میرے ذاتی مشاہدہ کے مطابق مختلف قبائل کے بیشتر سرداروں اور وڈیروں نے ایسے تقریباً ہر سبب سے انکار کیا ہے جس میں کاروکاری میں بدکاری کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے۔ قبائلی تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کی خبر اور اہمیت رکھنے والے یا ان علاقوں میں

Marfat.com

مستقل رہائش پذیر لوگ کبھی کبھی لالچ، رقابت اور مخالفت کی بنا پر اپنی غیرت کا جنازہ نہیں نکالتے۔

کاروکاری پر عمل درآمد کے طریقے

1۔ ایسے واقعات جن میں کاروکاری کے ملزمان کو بچشم خود ناجائز تعلقات میں ملوث پایا جاتا ہے اور ناجائز تعلقات میں مرد و عورت دونوں یا ان میں سے ایک کو فوری طور پر قتل کر دیا جاتا ہے۔

سردار عتیق خان کے مطابق:

کالا کالی کے ملزمان کو اکثر و بیشتر ناجائز تعلقات میں ملوث پایا جاتا ہے اور قتل جیسا سنگین اور انتہائی قدم بھی اس وقت اٹھتا ہے جب دونوں غیر مرد اور عورت اکٹھے بے حیائی کے کام میں مصروف ہوں۔ (۱۶)

2۔ کاری قرار دی جانے والی عورت کو بعض اوقات اس بناء پر قتل کر دیا جاتا ہے کہ قتل کرنے والے کا گمان ہوتا ہے کہ وہ بدکار ہے یا اس کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے۔ مثلاً اوکاڑہ میں نواحی قصبہ فور۔ ایل کے رہائشی محمد یوسف گجر نے بدچلنی کے شبہ میں اپنی دو بیٹیوں شاہدہ اور ماریہ کو قتل کر دیا۔ (۱۷)

3۔ کاروکاری نامزد کرنے کے طریقہ ہائے کار میں سب سے بد دیانت اور غیر اخلاقی طریقہ وہ ہوتا ہے کہ جس میں کاروکاری قرار دیئے جانے والے دونوں مرد و عورت ایک دوسرے کے بارے میں جانتے تک نہیں اور نہ انہیں ایک دوسرے کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ وہ کون ہیں اور کیسے ہیں اور کیا کرتے ہیں اس طرح کے الزامات عموماً عورت کے خاندان اور واقفین کے ذریعے لگائے جاتے ہیں۔ بقول نعیم اکبر جسکانی:

"دراصل عورت کو قتل کیا جاتا ہے تو دور دور اس فرضی آشنا کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا بلکہ جس شخص کو اس کا آشنا ظاہر کیا جاتا ہے اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔" (۱۸)

Marfat.com

انجینئر عبداللطیف کے مطابق:

''ہمارے لوگ جب اس بات کی خبر پالیں کہ فلاں شخص سیاہ ہے اور یہ چرچا زبان زدعام ہو جائے تو بعض اوقات غیرت کے تقاضے کے تحت مارنا فرض سمجھ لیا جاتا ہے اگرچہ مقتول اس طرح کے الزام سے بری ہی کیوں نہ ہو۔''(۱۹)

کاروکاری کی رسم میں عموماً جو لوگ کسی پر ناجائز تعلقات میں ملوث ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں وہی لوگ ناجائز تعلقات میں ملوث مرد و عورت یا ان میں سے کسی کو قتل کرتے ہیں قتل کرنے والوں میں شوہر اس کے رشتہ دار، عورت اور اس کے رشتہ دار سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ لوگ ایک ہی خاندان، قبیلے بلکہ ایک ہی خون کے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں آج کل قبیلے کا سردار اور اس کے حواری، قبیلہ کے حریف، عورت کا محبوب (آشنا) اور قبیلہ اور علاقہ کی عورتیں بھی ناجائز تعلقات کا الزام عائد کرتی ہیں جس کی وجہ سے مرد و عورت کاروکاری قرار دیئے جاتے ہیں۔ رسم کاروکاری میں کسی کاروکاری قرار دلوانے میں سب سے زیادہ کردار شوہر اور اس کے رشتہ داروں کا ہوتا ہے کاروکاری کے تحت بیشتر قتل شوہر، سسر، دیور اور بیٹا کرتے ہیں۔

طارق سعید کے مطابق:

''سال 2003ء کے پہلے آٹھ مہینے میں غیرت کے نام پر قتل ہونے والوں کے تعداد 631 ہے۔ جن میں 347 قتل شوہروں نے کیے ہیں۔''(۲۰)

بقول رابرٹ این پیرسن:

سیاہ کاری کی سزا دونوں فریقوں یعنی عورت اور مرد کیلئے موت ہوتی ہے، موت سے مراد قتل ہے جو شوہر، شوہر کے بھائی، شوہر کے والد، شوہر کی اولاد، شوہر کے والد کے بھائی کی اولاد اور شوہر کے والد کے بھائی یعنی تایا میں سے کسی ایک کے ہاتھوں ہوسکتا ہے۔(۲۱)

بقول منشی چند:

زنا میں خاوند یار کو مار ڈالتا ہے۔(۲۲)

اس کے علاوہ اس رسم میں عورت کے اپنے رشتہ دار الزام لگانے اور قتل کرنے والوں

Marfat.com

میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں عورت اپنے شوہر اولاد اور رشتہ داروں پر ناجائز تعلقات کا الزام لگا سکتی ہے، بلکہ بعض اوقات اس کی مرتکب بھی ہو جاتی ہے، صوبہ سرحد میں ''بونڈی'' اس کنواری لڑکی کو کہتے ہیں جو کسی مرد پر یہ الزام عائد کرے کہ اس نے اسے بری نیت سے دیکھا ہے یا اس کے ساتھ بداخلاقی کی ہے اس الزام کے بعد مرد کو فوراً قتل کر دیا جاتا ہے اور عورت گھر میں تاحیات روپوش ہو جاتی ہے۔ (۲۳)

بعض اوقات عورت کے بتانے پر اسے بھی تورہ کے تحت قتل کر دیا جاتا ہے۔ رسم کاروکاری میں جہاں شوہر اور عورت کے خاندان والے کاروکاری کا الزام لگاتے ہیں وہاں سردار اور ان کے حواری بھی بعض اوقات عورت پر کاروکاری کا الزام لگاتے ہیں سردار بلاواسطہ الزام تو نہیں لگاتے البتہ اپنے حواریوں کے ذریعے ایسا کرتے ہیں۔

عبدالقادر لغاری کے بقول:

''جب کسی عورت کا چال چلن مشکوک ہوتا ہے (بلکہ اکثر اوقات زر کی خاطر تہمت لگا دی جاتی) تو تمندار کو نا صرف عیش وعشرت کا سامان گھر میں ملتا رہتا بلکہ عورت فروخت ہونے پر اسے چوتھائی رقم فروختگی بطور حق ملتی تھی۔ وہ اس رقم کے قانونی حق دار بنے ہوئے تھے۔'' (۲۴)

رسم کاروکاری میں کاروکاری کا الزام لگانے والوں میں قبیلہ یا علاقہ کے حریف بھی شامل ہوتے ہیں۔ جب کسی خاندان کی کسی دوسرے خاندان سے دشمنی چل رہی ہو تو دشمن کو نیچا دکھانے کے لیے اور اسے ذلیل ورسوا کرنے کے لیے مخالف خاندان میں سے کسی کی بیٹی بہو یا بیوی وغیرہ پر کاروکاری کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔

بقول ذوالفقار علی خان قیصرانی:

مخالف خاندان کی کسی عورت پر کاروکاری کا الزام لگا کر ایک طرف تو اسے معاشرہ میں بدنام کر دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف گھر اور خاندان میں ہی فتنہ بپیدا ہونے سے ان لوگوں کی منقسم کر دی جاتی ہے۔ (۲۵)

رسم کاروکاری میں کاروکاری کا الزام لگانے والوں میں یا قتل کرنے والوں میں بعض اوقات محبوب اور آشنا بھی شامل ہوتے ہیں جب کوئی عورت اپنے محبوب سے بے وفائی کرے

Marfat.com

اسے دھوکے میں رکھے یا کسی اور سے تعلقات قائم کرلے یا پھر شادی کے بعد تعلقات رکھنے سے انکار کردے تو اکثر مرد انہیں بے وفائی کا مزہ اور بے رخی کا مزہ چکھانے کیلئے افواہوں کے ذریعے ان عورتوں کو بدکار ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بالآخر کسی مرد کے ساتھ کالی ہونے کا اعلان کردیتے ہیں اس طرح وہ عورت کالی ہوتی ہے پھر وہ باپ بھائی شوہر کے ذریعے سے قتل ہوجاتی ہے۔

رسم کاروکاری میں کاروکاری کے دونوں ملزمان یا ان میں سے ایک قتل ہوجاتے ہیں۔ عموماً عورت کمزور ہونے کی بناء پر قتل ہوجاتی ہے۔اور مرد طاقتور ہونے کی بنا پر بھاگ جاتے ہیں۔ بہرحال جو بھی وجہ ہو کاروکاری قرار دیے جانے والے ملزم بن چکے ہوتے ہیں۔ الزام لگانے والے ملزم نامزد کرنے کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ یہ ذرائع اور طریقے اتنے مشہور و معروف ہوتے ہیں کہ فوراً ہی کاروکاری کے ملزمان بھی اپنے لیے حفاظتی اقدامات کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ کسی کو کاروکاری قرار دینے کا سب سے اہم ذریعہ عورت کے نہایت قریبی رشتہ داران کی طرف سے اس کا اعلان اور اس کی تشہیر ہے۔ یہ اعلان عورت کے شادی شدہ ہونے کی صورت میں عام طور پر شوہر اور بیٹے کی طرف سے جبکہ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں باپ اور بھائی کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ یہ اعلان نعرے کی صورت میں عام طور پر شوہر اور بیٹے کی طرف سے جبکہ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں باپ اور بھائی کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ یہ اعلان نعرے کی صورت میں ہوتا ہے۔ جس کا اظہار بچشم خود دیکھنے کی صورت میں موقع پر اور شک ہونے کی صورت میں کسی مجمع کے روبرو کیا جاتا ہے۔ کاروکاری نامزد کرنے اور اس کی تشہیر کرنے کے لیے ہوئی فائرنگ بھی ایک موثر طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ یعنی جو بھی شخص کسی مرد و عورت کو کاروکاری کا الزام دے گا تو زبردست ہوائی فائرنگ کرے گا۔ جس کے نتیجے میں علاقے کے لوگ فوراً ہی اس جگہ پر پہنچنا شروع کردیتے ہیں۔ لوگوں کی آمد پر چشم خود دیکھنے کی صورت میں وہ شخص بدکاری میں ملوث جوڑے کی حرکات بتائے گا اور اگر کاروکاری قرار دئے جانے والوں میں سے دونوں یا ان میں سے کوئی ایک (عموماً اس کے خاندان سے متعلق عورت) قتل بھی ہوا پڑا ہو تو یہ لاش الزام لگانے والے کے حق میں ثبوت

Marfat.com

اور گواہی کا کام دے گی۔اسی طریقے سے جب کوئی شخص کسی جوڑے کو ناجائز حرکات میں ملوث دیکھتا ہے۔تو وہ وہیں پر ان کے قتل کے درپے ہوتا ہے۔اگر دونوں اس کے ہاتھ سے بچ جائیں تو عموماً بھاگنے والے مرد کی بجائے عورت کا پیچھا کرتا ہے۔اور پیچھا کرتے ہوئے کاروکاری کا اعلان بھی کرتا جاتا ہے۔اس طرح وہ علاقے کے تمام لوگوں کو خبر دیتا ہے۔ (۲۶)

نامزدگی کا طریقہ کار

کاروکاری نامزد ہو جانے کے فوراً بعد اگر تو مرد و عورت قتل کر دیئے جائیں تو عورت کی طرف سے اس کا کوئی رشتہ دار تھانے جا کر قتل کے خلاف ایف آئی آر درج کرا دیتا ہے اور اگر دونوں قتل ہونے سے بچ جائیں تو مرد کسی محفوظ جگہ پر پناہ لیتا ہے، اپنے گھر ہی میں نظر بندی اختیار کر لیتا ہے یا پھر جلاوطنی اختیار کرتے ہوئے اپنی بستی اور علاقہ چھوڑ دیتا ہے اور اس وقت تک واپس نہیں آتا جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔پرویز خان گورچانی نے بتایا کہ ہمارے علاقے میں ایک شخص کو سیاہ کیا گیا تو وہ فوراً علاقہ چھوڑ کر کہیں دور چلا گیا، آج بیس سال ہونے کو ہیں لیکن وہ ابھی تک جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔ (۲۷)

''رواج تمن لغاری پہاڑی'' میں ہے کہ اگر سیاہ کار ہونے سے پہلے علاقے کی حدود میں داخل ہوتا ہے (جو کہ متعین تھیں) اور قتل کر دیا جاتا ہے تو قاتل پر کوئی مواخذہ نہیں اور مقتول کا خاندان بھی کسی معاوضہ یا خون بہا کا حقدار نہیں ہوگا۔ (۲۸)

جب کوئی شخص کارو قرار دے دیا جائے تو گناہ گار یا بے گناہ تو دونوں صورتوں میں وہ گھر چھوڑ کر کہیں دور چلا جاتا ہے۔جب کہ اس کے رشتہ دار کاری عورت کے خاندان والوں سے بات چیت کرنے کیلئے اجتماعی طور پر کسی ''مقدم'' اور ''معتبر'' کی سربراہی میں ان کے گھر جاتے ہیں تا کہ ان سے بات چیت کی جائے۔اس اجتماعی ٹولے کو میرٹھ یا مرکہ کہتے ہیں۔یہ بات قابل ذکر کہ اس میرٹھ میں ملزم کبھی بھی شامل نہیں ہوتا اس کی نمائندگی اس کے قریبی رشتہ دار کرتے ہیں۔بے گناہ ہونے کی صورت میں وہ ہر قسم کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہیں۔جس سے کارو شخص کی بے گناہی ثابت ہوتی ہے۔اس لئے اکثر و بیشتر عورت والوں کے مطالبہ پر یا از

Marfat.com

خودرضا کارانہ طور پر کاروشخص آگ پر چلنے گرم، پھالے کو زبان سے چاٹنے، پانی میں کودنے اور ہر قسم کے حلف دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر کاروشخص پر الزام سچا ہو تو اس کے خاندان والے کسی وڈیرے اور سردار کے ذریعے متاثرہ عورت کے خاندان والوں کو چٹی، معاوضہ کی پیشکش کرتے ہیں جس کے لیے وہ کسی معتبر کو ثالث بناتے ہیں۔ اگر عورت کے خاندان والے بھی اس معتبر کو ثالث تسلیم کرلیں تو ٹھیک وگرنہ ان کا اپنا ثالث ہوگا بہرحال ثالث کو پنچایت میں لے کر آنے کی ذمہ داری اس پارٹی پر ہوگی جس کی طرف سے وہ شخص ثالث ہوگا اس کے بعد متفقہ ثالث انفرادی طور پر جبکہ بہت سے ثالث پنچائتی طور پر فیصلہ کرتے ہیں۔

فیصلے کا طریقہ:

قبائلی اور پہاڑی علاقوں میں کسی قوم، قبیلے اور علاقے کا رہنما اور نمائندہ سردار، تمندار، وڈیرہ یا مقدم کہلاتا ہے۔ کاروکاری جیسے واقعات کے زیادہ تر مقدمے انہیں لوگوں کے پاس جاتے ہیں۔ انگریز سے قبل ہمارے نیم جاگیردارانہ سماج میں نسبتاً اچھا عدالتی نظام موجود تھا۔ ایک علاقے کے اندر ہونے والے اکثر جھگڑوں کا حل سردار، وڈیرا اور مقدم ہی کیا کرتا تھا۔ گو ذاتی مفاد، لالچ اور اقربا پروری عود کر آنے سے وہ انصاف نہ رہا جس کے قصے ماضی میں بیان کیے جاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دیا۔ حق کے راستے سے رخ بدل لیا۔ اب زیادہ تر سردار ذاتی مفاد اور اثر و رسوخ کے اضافہ کے لیے عدل و انصاف کا طریقہ ترک کر کے اپنی عوام کے حقوق سلب کرنے لگے ہیں۔ تاریخ ڈیرہ غازی خان کے مصنف عبدالقادر لغاری نے اس سلسلے میں سرداروں کے حوالے سے بہت خوبصورت تصویر کشی کی ہے۔ لکھتے ہیں: ''چونکہ انگریز کی طرف سے مقرر کردہ تمندار حقیقتاً قبیلوں کے محافظ نہ تھے بلکہ انگریز کے نمائندے تھے۔ لہٰذا انگریز سے اپنے ضمیر اور اپنی قوم کی عزت کی قیمت وصول کرنے والے بن گئے۔ (۲۹)

جرگہ کے لغوی معنی صف و حلقہ کے ہیں۔ حسن اللغات میں ہے کہ یہ جرگ سے نکلا ہوا لفظ ہے۔ جرگ کے لغوی معنی کشتی کا میدان، حلقہ مجلس کے ہیں جبکہ جرگہ کے لغوی معنی حلقہ مجلس

Marfat.com

، آدمیوں کا ہجوم، قطار اور صف کے ہیں۔ وہ شکاری جو شکار کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے کر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں اسے جرگہ کہا جاتا ہے۔ (۳۰)

چنانچہ سہراب خان تاریخ بتاتے ہوئے کہتے ہیں: RCF,1901 ہو یا کوئٹہ قلات آرڈیننس 1995ء یا پھر کریمنل لا سپیشل پروینشل 1968ء ان سب کے مطابق ٹرائبل ایریاز میں جرگائی فیصلے ہوتے تھے، مذکورہ بالا آرڈیننس کے تحت ٹرائبل ایرای میں تمام اختیارات کا مالک DC ہوتا تھا۔ جس نے اپنے اختیارات ماسوائے دفعہ 302 اپنے ماتحت PA کو منتقل کیے ہوئے تھے۔ سیاہ کاری میں قتل کے کیس کی تفتیش بی۔ ایم۔ پی کا عملہ کرتا اور رپورٹ DC کو بھیج دی جاتی۔ DC کے پاس جرگہ ممبران کا تقرر کرتا، جس میں سے دو مستغیث اور دو ملزم پارٹی کے نامزد کردہ ہوتے تھے، چنانچہ PA کو صدر جرگہ بنا کر ایک جرگہ کی تشکیل کر دی جاتی، جس نے دونوں فریقوں کو بلا کر اور ان کا نقطہ نظر سن کر فیصلہ کر دینا ہوتا تھا۔ آخر کار 1993ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے جرگہ سسٹم پر پابندی لگا دی، آج کل ہونے والے اجتماع جرگہ سسٹم ہی کی ایک شکل ہیں لیکن اب سرکاری حیثیت سے نہیں بلکہ باہمی رضامندی سے منعقد کیے جائے ہیں۔

کارو کاری جیسے کیسز عدلیہ میں بھی لائے جاتے ہیں لیکن جرگہ / پنچائیت جیسے فورمز کی موجودگی میں بہت کم کیس عدلیہ میں پہنچتے ہیں۔ پہلے تو سردار / وڈیرا ہی مذکورہ بالا رسم میں ملوث لوگوں کے فیصلے کرا دیتا ہے اور اگر معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے تو جرگہ / پنچائیت بلائی جاتی ہے اور اس میں ہی کارو کاری کے فیصلے نمٹا دیے جاتے ہیں۔ بقول جسٹس (ر) ناصر اسلم زاہد ''اگر پاکستان میں 100 زنا بالجبر ہوتے ہیں تو بمشکل 10 مقدمات عدالت پہنچتے ہیں۔ باقی وہیں جرگے میں طے ہو جاتے ہیں۔'' (۳۱)

مجھے غلام قادر بگٹی نے بتایا کہ ہمارے علاقے کے لوگ اپنے جھگڑے عدالتوں میں نہیں لے جاتے اور خاص طور پر جب معاملہ سیاہ کاری کا ہو تو عدالتی کاروائی کرنا تو درکنار تھانوں میں رپورٹ کرانا بھی غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ (۳۲)

جب بھی کسی شخص پر ناجائز تعلقات کا الزام عائد ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے قتل

Marfat.com

کرنے کی ٹھان لی جاتی ہے۔ لیکن اگر ملزم کسی وجہ سے قتل ہونے سے بچ جائے یا بااثر ہونے کی وجہ سے عورت کے خاندان والوں کے ہاتھ لگنا مشکل ہو تو عورت کے خاندان والے معاملے جرگہ / پنچائیت میں لے جاتے ہیں، جہاں فریقین سے معاملے کی بابت تفتیش ہوتی ہے جس میں بعض اوقات خود ملزم کی بے گناہی ثابت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ مختلف قبائل میں الزام کو جھوٹا یا سچا ثابت کرنے کے لیے مختلف طریقہ ہائے کار ہیں۔ جس میں آگ پر سے گزرنا، حلف / قسم لینا اور پھالہ اٹھانا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ یہاں میں کاروکاری کے ملزم کے لیے بے گناہی ثابت کرنے کے مذکورہ بالا طریقوں کی بابت بحث کی جاتی ہے۔

بلوچی زبان میں ''آس'' آگ اور ''آف'' پانی کو کہتے ہیں جب کہ سرائیکی زبان میں اس کے لیے بھاہ پانی کا لفظ مستعمل ہے۔ بلوچ قبائل میں تو آس آف کی عدالت کا ایک ادارہ موجود ہے۔ جو قتل سے لے کر چوری تک کے فیصلے کرتا ہے۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری کے بقول قدیم یورپ میں ملزم اپنی صفائی آگ اور پانی سے گزر کر دیتا ہے۔ (۳۳)

رامائن کی کہانی میں ہے کہ سیتا 14 سال راون کے اغوا میں رہنے کے بعد جب اپنے شوہر کے پاس واپس آئی تو یہ ثابت کرنے کے لیے کہ راون نے اس کو نہیں چھوا وہ آگ پر سے گزر جاتی ہے۔ پنوں کی محبوبہ سسی کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے آگ پر سے گزرنا پڑا۔

تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے: ''جب کسی شخص پر کسی بڑے گناہ کا الزام عائد کیا جاتا ہے تو وہ شخص خود کو پاک دامن ثابت کرنے کے لیے بھڑکتی آگ میں سے سمندر کی طرح صاف اور حضرت خلیل کی طرح بغیر کسی کھٹکے کے گزرنے کا مظاہرہ کرتا ہے۔ (۳۰)

ہمارے علاقے میں آج بھی مظاہر فطرت کی حدود سے متنازعہ معاملات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جن میں سے ایک پھالہ داری ہے۔ پروفیسر ذوالفقار علی خان قیصرانی کے مطابق ''ہل کے آگے جو لوہے کا ٹکڑا لگا ہوتا ہے اسے سرائیکی علاقے میں ''پھالہ'' کہتے ہیں۔ جب کہ بلوچ اسکو پھال بھی کہتے ہیں۔ بھاہ پانی کی طرح کاروکاری کے فیصلہ جات کے لیے ملزم سے پھالہ اٹھانے کا رواج بھی بلوچوں میں، خاص طور پر قیصرانی اور بزدار قبیلے میں پایا جاتا ہے۔ اس کا

Marfat.com

طریقہ یہ ہے کہ پہلے پھالے کو گرم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سرخ شکل اختیار کر لیتا ہے پھر ملزم کے ہاتھ پر کسی درخت کا سبز پتہ رکھ کر اس پر پھالہ رکھ دیا جاتا ہے اور ملزم تین یا سات مرتبہ زبان سے گرم پھالے کو چاٹتا ہے اس کے بعد وہ ناظرین سے کہتا ہے کہ پھالہ پھینک دوں ، چنانچہ ناظرین کی اجازت سے وہ اسی گرم پھالے کو ایک طرف پھینک دیتا ہے۔ اس کے بعد منصفین خصوصی طور پر اور ناظرین عمومی طور پر اس ملزم کی زبان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر زبان اس سے نہ جلے تو بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے اور اگر زبان پر چھالے نکل آئیں تو مجرم گناہ گار ثابت ہو جاتا ہے۔ (۳۵)

کاروکاری ہونے والوں کا انجام

رسم کاروکاری میں ملزم کی بے گناہی کے ثبوت کے لیے حلف اور قسم دینے کا رواج بھی موجود ہے۔ محمد علی خان کھوسہ کے مطابق: تمن کھوسہ میں خصوصی طور پر اور پنجاب کے ٹرائبل ایریاز میں عمومی طور پر، آج کل حلف کا رواج بڑھتا اور باقی طریقے مثلاً آس آف اور پھالہ وغیرہ بتدریج کم ہوتے جا رہے ہیں۔ حلف کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ملزم کے رشتہ دار، کسی معتبر اور وڈیرے کے ساتھ متاثرہ پارٹی کے پاس جا کر ملزم کی بے گناہی کا حلف دینے کا کہتے ہیں، متاثرہ پارٹی کے نہ ماننے کی صورت میں کسی دوسرے اور موثر معتبر کے ذریعے یہ عمل دہرایا جاتا ہے۔ اور جب متاثرہ پارٹی حلف لینے پر رضامندی کا اظہار کر دے تو یہ اُس کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ ملزم کے بجائے۔ بشمول معتبر کسی بھی شخص کو قسم دینے کا کہے۔ چنانچہ متاثرہ پارٹی کس کا بھی نام لے گی وہ شخص پہلے ملزم سے ملے گا اور اپنی تسلی کرے گا کہ واقعی ملزم بے گناہ ہے اس کے لیے وہ خود بھی پہلے ملزم سے قسم اور حلف لے سکتا ہے۔ اپنی تسلی کرنے کے بعد اگر وہ ملزم کو بے قصور سمجھے گا تو حلف دینے کو تیار ہو جائے گا، اسے ایک مقررہ دن لوگوں کے اجتماع میں بلایا جائے گا۔ قسم اٹھانے والا پہلے وضو کرے گا۔ اس کے بعد اس کے سامنے قرآن مجید کھول دیا جائے گا وہ شخص قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر یہ قسم کھائے گا یہ ملزم واقعی بے گناہ ہے۔ اس طرح ملزم الزام سے بری ہو جائے گا۔ اور اگر متعینہ

Marfat.com

شخص چاہے وہ ملزم ہو کہ کوئی اور قسم اور حلف اٹھانے سے انکار کرے گا تو ملزم گناہ گار قرار پائے گا۔(۳۶)

کاروکاری قرار پانے والے جوڑے کی سب سے بڑی موثر اور رائج سزا قتل ہوتی ہے۔ جب بھی عورت کے رشتہ داروں میں سے کوئی شخص عورت کو کسی غیر مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات میں ملوث پائے یا اسے شک ہو جائے تو عموماً اس عورت اور مرد کو اکٹھے ہی موقع پر ہلاک کر دیا جاتا ہے اور اگر دونوں میں سے ایک بچ جائے تو اس کی تلاش اور موقع محل کی مناسبت کے بعد اسے بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً تھانہ روجھان ضلع راجن پور کے منظور احمد نے بیٹے ریاض احمد (جسے کالا کالی کے تحت قتل کر دیا گیا تھا) کے قتل کی FIR درج کرائی جس کے مطابق رحیم حسین کھمڑانے ریاض احمد ولد منظور احمد اور زرینہ زوجہ کریم حسین (بھابھی) کو ناجائز تعلقات میں ملوث پائے جانے پر ایک ہی گھر میں کالا کالی کے تحت قتل کر دیا۔(۳۷)

کاروکاری نامزد ہو جانے والے مرد و عورت اکثر و بیشتر تو قتل کر دیے جاتے ہیں اور اگر قتل نہ کیے جائیں تو انہیں مختلف قسم کی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں سے ایک سزا ساری زندگی کی غلامی ہوتی ہے۔ کارو کار مرد قتل ہو جانے سے بچ جانے کی صورت میں بھاری تاوان دے کر جان تو بچالیتا ہے لیکن ساری زندگی معاشی طور پر مفلوج ہو کر کسی سردار یا وڈیرے کی نوکری اور غلامی کرتا ہے یا پھر سوارہ کے ذریعے اپنی بہن بیٹی وغیرہ کو کاری عورت کے خاندان کو دے کر ہمیشہ کے لیے سر جھکائے رکھتا ہے۔ جبکہ کاری عورت قتل سے بچ جانے کی صورت میں سردار کی حویلی کی زینت بنتی ہے اور ساری زندگی لونڈی بن کر سردار اور اس کے خاندان و حواریوں کی کے عیش و عشرت کا ذریعہ بنتی ہے۔

رسم کاروکاری میں کاروکاری نامزد ہونے والوں کو جہاں اور مختلف قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں وہاں بعض اوقات انہیں شہر بدر اور جلاوطن بھی کر دیا جاتا ہے۔ مرد ملزمان عموماً شہر یا ملک تک چھوڑ جاتے ہیں جبکہ عورت اکثر گھر بدر کی جاتی ہے یا پھر فروخت کر دی جاتی ہے۔ شہر بدر یا جلاوطنی عموماً صرف اس صورت میں ہوتی ہے کہ یا کاروکاری ہونے والوں کا نکاح

Marfat.com

کرا کر انہیں شہر بدر / جلاوطن کر دیا جائے یا پھر ملزمان دونوں ہی خود شہر بدری / جلاوطنی اختیار کر لیں۔

رضا ہمدانی کے بقول: ''کسی ایک فرد کو قاتل کا ذمہ دار ٹھہرا کر اسے ملک بدر کر دینے کا منصوبہ بنایا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو اپنا علاقہ چھوڑ دینا پڑتا ہے اور وہ کبھی واپس اپنے گاؤں یا ان علاقوں میں نہیں آسکتا جو اُس کے لیے ممنوع قرار دیے جائیں، اس صورت میں مقتول کے ورثاء ملزم کے عزیز و رشتہ داروں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے، اور مجرم تمام عائد شدہ پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے، وہ کھلم کھلا اپنے گھر آنے کا حق رکھتا ہے اور اس طرح اس کی جبری جلاوطنی ختم ہو جاتی ہے۔ (۳۸)

رسم کاروکاری میں کارو مرد اور کاری عورت کے قتل ہو جانے سے بچ نکلنے کے بعد جو سزائیں مقرر ہیں ان میں سے ایک سزا یہ بھی ہے کہ انہیں فروخت کر دیا جائے۔ ارشاد احمد گشکوری کے مطابق '' اگر کوئی عورت قتل ہونے سے بچ جائے تو اسے فروخت کر دیا جاتا ہے۔ (۳۹)

رسم کاروکاری کے ملزم اگر قتل ہونے سے بچ جائیں تو یہ بتایا جا چکا ہے کہ عورت تو فروخت کر دی جاتی ہے، جہاں تک مرد کا تعلّق ہے تو اسے فروخت نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے جرمانہ یا چٹی وصول کی جاتی ہے۔ سید مودودی کے مطابق جرمانہ یا تاوان کی رسم یونان اور روم میں بھی تھی جس کے مطابق ایک مرد اگر کسی غیر کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھ لیتا تو اسے حق حاصل تھا کہ وہ اسے قتل کر دے یا پھر اس سے مالی تاوان وصول کرے۔ (۴۰)

جرمانہ یا چٹی وصول کرنے کا رواج پاکستان کے تقریباً تمام قبائل میں موجودہ ہے۔ رسم ہذا میں مرد عورت ناجائز تعلقات کی شبہ میں یا ناجائز تعلقات میں ملوث ہونے پر کاروکاری قرار دیے جاتے ہیں۔ یہ الزام عورت کے رشتہ دار اور خاندان کے لوگ لگاتے ہیں جبکہ بعض اوقات مرد کے خاندان، وڈیرے اور سردار کے کہنے پر علاقے کے کسی رہائشی کی طرف سے بھی یہ الزام عائد کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

کاروکاری اور شریعت اسلامیہ۔تقابلی جائزہ

سید بہار شاہ کے بقول:

الزام کی چار حیثیتیں ہوتی ہیں کاروکاری کو قتل کرنے کے بعد الزام لگایا جاتا ہے۔

پہلے الزام لگایا جاتا ہے اور پھر کاروکاری قرار دیئے جانے والوں کو قتل کیا جاتا ہے۔

الزام لگا کر مرد کو فوراً قتل کر دیا جاتا ہے اور عورت علاقہ کے سردار، جاگیردار، پیر یا کسی وڈیرے کے گھر پناہ کیلئے بھیج دی جاتی ہے تا کہ جرگہ پنچائیت کے تحت فیصلہ ہو سکے۔

الزام لگا کر کاری عورت کو فوراً قتل کر دیا جاتا ہے اور جرگہ پنچائیت کارو مرد سے چٹی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ (۴۱)

اسلام میں بھی ناجائز تعلقات میں ملوث قرار دیئے جانے والوں پر الزام لگانا یا مجرمان کی طرف سے اقرار کرنا ضروری ہے اگر کسی پر الزام ہی نہیں یا وہ خود اقرار ہی نہیں کرتے تو سزا کیسی؟

قرآن حکیم میں سزا اور تہمت کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شھدآء فاجلد وھم ثمانین جلدة ۔ (۴۲)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں اور چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الا انفسھم فشھادة احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصدقین0والذین یرمون ازواجھم ------- (۴۳)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت یہ ہے وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اللہ کی اس پر لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔

بہر حال رسم کاروکاری کی سزا اور اسلامی طریقہ سزا میں الزام ہونے کا نقطہ تو مماثلت

Marfat.com

رکھتا ہے لیکن تہمت کے معیار اور تقاضوں میں خاصا فرق ہے رسم کاروکاری میں کسی کی زبان سے بھی مرد اور عورت کے ناجائز تعلقات کا اظہار ہو جائے تو انہیں مجرم ٹھہرا دیا جاتا ہے کوئی ثبوت اقرار یا چشم دید شہادت لازمی نہیں ہوتی جبکہ اسلامی حکومت کسی بھی شخص کے خلاف ناجائز تعلقات بدکاری کے جرم میں کارروائی نہیں کر سکتی جب تک اس کے جرم کا ثبوت نہ مل جائے۔ ثبوت جرم کے بغیر کسی کی بدکاری خواہ کتنے ہی ذرائع سے حکام کے علم میں ہو بہرحال اس پر حد جاری نہیں کر سکتے۔ مدینہ میں ایک عورت تھی جس کے متعلق روایت تھی کہ وہ کھلی فاحشہ تھی لیکن اس کے خلاف بدکاری کا ثبوت نہ تھا اس لئے اسے کوئی سزا نہ دی گئی حالانکہ اس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

لو کنت راجما احدا بغیر بینة لرجمتها۔ (۴۴)

اگر میں ثبوت کے بغیر رجم کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو ضرور رجم کروا دیتا۔

کاروکاری قرار دیئے جانے والے مرد و عورت کے ساتھ عموماً تین طرح کا سلوک کیا جاتا ہے کاروکاری قرار پانے والے دونوں مرد و عورت کو موقع پر ہی قتل کیا جاتا ہے۔

کاروکاری قرار پانے والے دونوں مرد و عورت میں سے ایک کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

کاروکاری قرار دیئے جانے والوں کا فیصلہ جرگہ یا پنچائیت میں رکھا جاتا ہے۔

بہرحال جو بھی صورت ہو کاروکاری قرار دلانے کیلئے گواہی اور شہادت ضروری ہے جبکہ شہادت کا اہتمام بہت کم کیا جاتا ہے۔ (۴۵)

جہاں تک اسلامی طریقہ سزا کا تعلق ہے اس میں گواہی اور شہادت کی حیثیت مسلمہ ہے۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یا توا باربعة شھدآء فاجلد وھم ثمانین جلدة۔ (۴۶)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں اور چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔

ولا تکتموا الشھادة ط ومن یکتمھا فانه آثم قلبه ط والله بما تعملون علیم۔ (۴۷)

Marfat.com

اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ۔ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں گواہی دی حضرت مریم پر الزام لگنے کی صورت میں دودھ پیتے حضرت عیسیٰ نے آپ کے حق میں گواہی دی۔ احادیث مبارکہ میں بھی شہادت کی اہمیّت کا پتہ چلتا ہے وہاں معتبر شہادت کو بھی مانا گیا ہے حدیث ابن عباسؓ اس سلسلے میں اہم ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا میری بیوی کسی بھی چھونے والے ہاتھ کو نہیں روکتی فرمایا اس کو دور کردے۔ (۴۸)

مذکورہ بالا حدیث میں حضور ﷺ نے شوہر کی گواہی پر ہی فیصلہ فرمادیا آپ ﷺ نے شوہر کو چار گواہ پیش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔

کاروکاری میں جب بھی عورت کے رشتہ داران کو اس کا کسی غیر مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات کا پتہ چل جائے تو وہ فوراً اس کو قتل کردیتے ہیں کاروکاری کے تحت قتل ہونے کی شرعی حیثیت کے بارے میں قرآن کریم و حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ناحق قتل بہت ہی سنگین جرم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔ (۴۹)

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا۔

یعنی انسانی جان جو فی الاصل خدا کی طرف سے حرام ٹھہرائی گئی ہے ہلاک نہ کی جائے مگر حق کے ساتھ اس کی تین صورتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور دو صورتیں حضور ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔

قرآن میں بیان کردہ صورتیں:

۱۔ انسان کسی دوسرے انسان کے قتل عمد کا مجرم ہو اور اس پر قصاص کا حق قائم ہوگیا ہو۔

Marfat.com

۲۔ دین حق کے قیام کی راہ میں مزاحم ہواور اس سے جنگ کیے بغیر چارہ نہ رہا ہو۔

۳۔ دارالاسلام کے حدود میں بدامنی پھیلائے یا اسلامی نظام حکومت کو الٹنے کی سعی کرے۔

حدیث مبارکہ میں بیان کردہ صورتیں:

۱۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے۔

۲۔ ارتداد اور خروج از جماعت کا مرتکب ہو۔

جہاں تک بدکاری میں دیکھ کر قتل کرنے کا تعلق ہے تو اسلام ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص قبیلہ یا علاقہ کے لوگ، بے شک وہ قریبی یا دور کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں، بدکاری میں ملوث افراد کو قانون ہاتھ میں لے کر قتل کر دیں۔ بدکاری میں ملوث مرد و عورت کو سزا دینے کا پورا ایک طریق کار اور نظام ہے۔

بعض قبائل میں یہ طریقہ رائج ہے کہ کاروکاری کے تحت قتل ہونے والے مرد و عورت کی لاش دریا میں بہا دی جاتی ہے کچھ لوگ قتل ہونے والوں کو نہ ہی غسل دیتے ہیں نہ کفن اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھانے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے بلکہ ایسے ہی قبر میں دفنا دیا جاتا ہے بعض قبائل تو قبر تک نہیں بناتے بلکہ صرف اور صرف ایک گڑھا کھود کر اس میں دفنا دیا جاتا ہے۔ تھانہ سیمنٹ فیکٹری باڈر ملٹری پولیس کے انچارج غلام حسین خان کھوسہ کے مطابق پہاڑوں میں ہمیں اکثر بیشتر لاوارث لاشیں ملتی رہتی ہیں۔ جس کے بارے میں غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ لوگ ناجائز تعلقات کی بناء پر قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ کسی پہاڑ وغیرہ پر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ (۵۰)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ اس وقت زنا کی وجہ سے حاملہ تھی اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی! میں نے ایسا فعل کیا ہے کہ میں حد کو پہنچ گئی ہوں لہٰذا آپ ﷺ مجھ پر حد جاری فرمائیں، نبی اکرم ﷺ نے اس کے سرپرست کو بلایا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو جب وضع حمل ہو جائے تب میرے پاس لانا اس نے ایسا ہی کیا نبی پاک ﷺ نے حکم دیا کہ

Marfat.com

اس کے بند کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیئے جائیں پھر حکم دیا گیا کہ اسے سنگسار کر دیا جائے تو اسے رجم کر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے اے اللہ کے نبی آپ ﷺ اس کا نماز جنازہ پڑھائیں گے جو زنا کر چکی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کیا جائے تو ان سب کیلئے کافی ہو جائے۔ (۵۱)

مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ بحیثیت مسلمان بدکاری میں ملوث مرد و عورت کو اسلامی ضابطوں کے مطابق سزا دی جائے گی اور وہ سزا پانے کے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں۔ بنائے جا سکتے ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ جیسا کہ عام مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ افک کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اس واقعے کی تفصیلات کا تذکرہ نہ کرتے ہوئے اس کے نتائج کو درج کیا جاتا ہے۔ اس واقعے سے بہت سے احکامات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

۱۔ اگر عورت پر الزام زنا عائد ہو جائے تو شوہر والدین اور قریبی رشتہ داران کو حتی المقدور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ الزام شدہ عورت کو اس پر لگنے والے الزام کے بارے میں نہ بتائیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر لگنے والے الزام کی نہ خبر دی اور نہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے واقعہ افک کے دنوں میں سختی کی۔

۲۔ اگر عورت کو اپنے اوپر لگنے والے الزام کے بارے میں معلوم ہو جائے تو اسے اپنے شوہر اور نہ ہی اس کے گھر والوں سے لڑائی جھگڑا کرنا چاہیے اور نہ ہی کوئی بحث و مباحثہ بلکہ مناسب طریقہ سے شوہر سے اجازت لے کر والدین کے گھر چلی جائے۔

۳۔ شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو زبردستی گھر سے نہ نکالے اور نہ ہی زبردستی قید کرے بلکہ اگر بیوی اپنے والدین کے گھر جانا چاہے تو اسے رخصت دے دینی چاہیے۔

۴۔ الزام شدہ عورت کو اپنے شوہر یا سسرال والوں سے تحقیق کرنے کی بجائے اپنے والدین خاص طور پر والدہ سے اپنے اوپر لگنے والی تہمت کے بارے میں پوچھے۔

Marfat.com

۵۔ اگر کسی بیٹی پر زنا کا الزام عائد ہو جائے تو والدین اور بھائیوں کو چاہیے کہ نہ تو وہ اپنی لڑکی پر تشدد کرے اور نہ ہی اس کو گھر سے نکال دے بلکہ وہ شوہر کے گھر سے ان کے گھر آنا چاہے تو جب تک وہ رہنا چاہے تو اسے گھر رہنے کی اجازت دیں۔

۶۔ اگر الزام شدہ عورت یا جس کی عورت پر الزام لگا ہے۔ کسی سے واقعہ کے بارے میں تحقیق کرے تو بتانے والا اس کی خیر خواہی کرے نہ کہ الزام کی شہادت دے۔

۷۔ اگر بیوی پر الزام لگے تو شوہر کو چاہیے کہ وہ رشتہ داروں اور قریبی لوگوں سے بیوی کے بارے تحقیق بھی کرے اور ان سے مشورہ بھی لے۔

۸۔ جب کوئی اپنے گھر والوں کے بارے میں کسی سے مشورہ طلب کرے تو مشیر کو چاہیے کہ علم ہونے کی صورت حال بتائے جبکہ گمان ہونے کی صورت میں مزید تحقیق کا مشورہ دے نہ کہ گمان کو یقین بنا کر پیش کرے۔

۹۔ مرد کو چاہیے کہ اپنی بیوی سے بھی دریافت کرے جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ سے دریافت فرمایا۔

۱۰۔ اگر کسی مرد یا عورت پر بدکاری کا الزام لگ جائے تو اسے قتل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ واقعہ افک میں مہینوں تک یہ الزام نہ صرف شہر میں بلکہ مختلف قبائل میں موضوع بحث رہا، حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والے بھی اس الزام کے بارے میں بخوبی جانتے ہوں گے، حضور ﷺ اور ان کے خاندان میں بھی یہ کرب ناک قصہ زیر بحث تھا۔ لیکن قرآن وحدیث اور تاریخ اسلامی کی ہزاروں کتابیں اٹھائیں دنیا کی کسی لائبریری کو کھنگالیے آپ کو کہیں یہ نہیں ملے گا کہ ان دونوں حضرات کو کسی نے تشدد کا نشانہ بنایا ہو یا حتیٰ کہ انہیں قتل کر دیا ہو۔

۱۱۔ اگر کسی مرد و عورت پر الزام زنا لگایا جائے تو ان کے خاندان کو حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایسے واقعات کی تشہیر نہ کریں یہاں تک کہ تھانہ کچہریوں میں لے جانے سے بھی پرہیز کریں۔

جبکہ رسم کاروکاری میں دی جانے والی سزائیں جیسا کہ قتل جلاوطنی اور فروختگی صرف

Marfat.com

روایات کی پاسداری کی بناء پر موجود ہیں اس سلسلے میں نہ ہی ملکی اور سرداری قانون کو اہمیت دی جاتی ہے اور نہ ہی اس طرح کے معاملات میں عدالتی تقاضے پورے کیے جاتے ہیں۔ جب بھی کسی شخص کو غیرت کا جوش چڑھ جائے تو وہ نہ پھر کسی قانون اور نہ کسی ضابطے کا خیال رکھتا ہے اور نہ ہی اسے اس بات سے سروکار ہوتا ہے کہ وہ جس معاملے کیلئے انتہائی قدم اٹھانے جارہا ہے اس کیلئے کسی قسم کی تحقیق کی ضرورت بھی ہے۔ جبکہ قرآن حکیم میں واضح ارشاد ہے:

یایھاالذین امنو آ ان جآء کم فاسق بنبأ فتبینوا۔ (۵۲)

اے ایمان والو! جب کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو۔

رسم کاروکاری کی بنیادیں

کاروکاری کی رسم میں تحقیق نہیں کی جاتی کیونکہ اس میں اسلامی اور ملکی قوانین کی بجائے ان معاشرتی رسوم کی پاسداری کی جاتی ہے جو ان کے آباؤ اجداد نے ان کے قبیلے اور علاقے کیلئے وضع کیے تھے۔ ایک سروے کے مطابق اب تک درج ذیل نسبت سے غیرت کے نام پر قتل ہوئے ہیں۔

۱۔	غیرت کے نام پر قتل	40%
۲۔	ذاتی اور قبائلی دشمنی کے نام پر قتل	20%
۳۔	مالی معاملات پر قتل	10%
۴۔	ساس، نند، دیور اور بدخواہوں کی سازش	10%
۵۔	دوسری شادی کیلئے بیوی سے جان چھڑانا	10%
۶۔	عورتوں پر ظلم وزیادتی	10%

کاروکاری اور قرآنی تعلیمات

کاروکاری کی رسم سے انسانی جان ضائع ہوتی ہے جب کہ اسلام نے انسانی زندگی کو نہایت محترم اور عزت کے لائق قرار دیا ہے اور اس کو نقصان پہنچانا اور ختم کرنا یا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

Marfat.com

لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ (۵۳)

جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ

عن عبداللہ بن عمر ان النبی ﷺ قال لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم۔ (۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ نے فرمایا دنیا کا ختم ہونا ایک مومن کے قتل سے ہلکا ہے۔

اس حدیث پر غور کریں کہ ایک انسان کا ناحق قتل کرنا اسی زمرے میں آتا ہے۔ پاکستان سمیت دنیا کے تمام ممالک میں قانونی سطح پر کاروکاری کی مذمت کی گئی ہے۔

تجزیہ

قرآنی تعلیمات کے مطابق اگر عورت پر زنا کا الزام لگایا جائے تو چار گواہ پیش کیے جائیں اور اگر اپنی بیوی کو غیر مناسب حالت میں دیکھے تو لعان کا طریقہ مقرر ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں صریح طور پر آیات وارد ہوئی ہیں جن میں بہتان تراشی، قذف کی بنیاد بنتی ہے۔

۲۔ بہتان کے الزام میں کسی کو قتل کرنے کی ممانعت ہے۔

۳۔ احادیث میں ایسے واقعات کی بدولت لعان کی سزا کا طریقہ کار مقرر ہے۔ کہیں بھی قتل کا ذکر نہیں ایسی احادیث جن میں حضور ﷺ کی خاموشی کا ذکر ہے بعد میں ان کی صراحت بھی لعان کے طریقہ کار کی بدولت واضح ہوگئی۔

۴۔ مختلف اسلامی ممالک میں ایسے تردد کی پالیسی اپنائی گئی ہے جن میں اردن، شام اور مراکش وغیرہ شامل ہیں اب مسلم ممالک میں سزا کا قانون سامنے آیا ہے جیسا کہ ترکی اور پاکستان میں۔ ایران اور مصر میں ایسا قتل اب جائز نہیں ہوتا۔

۵۔ جہاں تک بحرالرائق، فتاوی شامی اور عالمگیری میں موجود فتاویٰ کا تعلق ہے جن کی بنیاد پر پاکستانی مفتی صاحبان کے فتاوی جاری کیے گئے ہیں ان میں عین حالتِ زنا

Marfat.com

میں ملوث ہونا مراد ہیں اور وہ تمام Precautionary Measures کے بعد قتل کی اجازت دی گئی ہے اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ پہلے شور شرابہ سے ایسے معاملات سے دوری اختیار کی جائے۔

۶۔ کاروکاری عام طور پر شکوک وشبہات کی بناء پر قتل غیرت کے نام پر سامنے آتی ہے جس کی کسی شکل میں اجازت نہیں ہے۔

۷۔ برٹش قوانین کے تحت کاروکاری رسوم کے خاتمے کیلئے قوانین بنائے گئے ہیں تاہم چند مقامات پر ان قوانین پر عمل درآمد میں سستی کا اظہار کیا گیا ہے۔

۸۔ موجودہ حالات میں پاکستان میں واضح قانون سامنے آچکا ہے غیرت کے نام پر قتل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

۹۔ کاروکاری ٹرائیبل روایت ہونے کی وجہ سے اپنے اندر گہری کلچرل جڑیں رکھتی ہے اس کی آبیاری یقیناً جاگیرداری اور سرداری نظام کی مرہون منت ہے۔

۱۰۔ حکومتی مشینری ایسے کئی کیسز میں گرفتاری اور سزا دلوانے میں لیت ولعل سے کام لیتی رہی ہے تاہم کئی کیسز میں گورنمنٹ کی مشینری حرکت میں بھی آتی ہے۔اور کئی لوگ گرفتاری اور پھر سزا پانے کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

سفارش کی جاتی ہے کہ حکومت پاکستان اس فعل کے مرتکب افراد کو بالکل معاف نہ کرے۔جیسا کہ سورہ نور کی آیات میں کہا گیا ہے کہ زنا کی سزا لاگو کرتے ہوئے تمہیں کوئی رحم آڑے نہ آئے۔اسی طرح قتل غیرت کے مجرم کی سزا پر بھی ایسا ہی عمل ہونا چاہیے۔

اس رسم بد کو ختم کرنے کے لیے غربت اور جہالت کا خاتمہ ضروری ہے۔اسلامی تعلیمات جن میں مرد وزن کی مساوات کا تصور، عورت کے احترام اور حقوق کا تصور، اور اس قسم کی دوسری اخلاقی تعلیمات پر زور دینا ہوگا۔اسلام اور ملکی قانون میں غیرت کے نام پر قتل، ونی اور ولور جیسی بیماریوں کی کوئی جگہ نہیں۔

Marfat.com

مصادر ومراجع

(۱) سندھی اردو لغت، سندھی اردو ادب بورڈ، 1980ء، ص174

(۲) Rabia Ali, The Dark side of "Honour" Shirkat Gah, Women's. Resource Center, P.O.Box.5192, Lahore,2001, P.4.

(۳) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء:21/22,5، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، 1993۔

(۴) مودودی، ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1991، ج3، ص321۔

(۵) www.wikipedia.org

(۶) ibid

(۷) National Geographic new,Feb. 12,2002, www.papillonsartpalace.com

(۸) www.wikipedia.org

(۹) انٹرویو: محمد سلیم ملک، 1.3.2006

(۱۰) گوندل، حامد مختار، سیمینار جرائم کی شرح میں اضافہ، وجوہات کیا ہیں، روز نامہ جنگ ملتان، 3 نومبر، 2003

(۱۱) انٹرویو: کھوسہ، محمد علی خان۔ ایڈووکیٹ، مورخہ 22.3.2006

Marfat.com

(۱۲) بٹ،عبدالجبار،رسم ورواج،علم وعرفان پبلیشرز،لاہور۔1991،ص315

(۱۳) Shah, H.Q.Reflection on the Law of Qisas and Diyat, Shirkat Ghah, Lahore, 1998, P.241

(۱۴) Neshay Najam, Honour Killing in Pakistan, www.newsline.com.pk

(۱۵) Hassan, Y, The Heaven become Hell; H.A.study of Domestic Violence in Pakistan, Shirkat Gah, Lahore.P.28

(۱۶) انٹرویو: بزدار،عتیق الرحمٰن،ایڈووکیٹ،مورخہ 13.10.2005

(۱۷) روزنامہ جنگ ملتان،20 جنوری 2003

(۱۸) انٹر ویو: سیلاتانی، حسین بخش مزاری، کونسلر ، یونین کونسل روجھان، مورخہ 21.3.2006

(۱۹) انٹرویو: کھیتر ان،عبداللطیف،بستی ڈیکہ ضلع بارکھان،مورخہ 13.5.2005

(۲۰) طارق سعید، غیرت کے نام پر قتل، ایک معاشرتی المیہ، روزنامہ جنگ ملتان، 3 نومبر، 2003

(۲۱) رابرٹ،این پیرسن،مری بلوچ کلچر،مترجم ریاض صدیقی،مکتبہ النساء،کوئٹہ،س ن، ص138

(۲۲) حکیم چند،منشی،ایضاً،ص155

(۲۳) ہمدانی،رضا،پٹھانوں کے رسم ورواج،لوک ورثہ،اسلام آباد،1982،ص52

(۲۴) ایضاً

(۲۵) انٹرویو: قیصرانی،ذوالفقار علی۔ڈی جی خان،مورخہ 22.3.2005

(۲۶) انٹرویو: گورچانی،پرویز خان،مورخہ 19.3.2006

(۲۷) ایضاً

Marfat.com

(۲۸) رواج تمن لغاری پہاڑی، ص 8

(۲۹) لغاری، عبدالقادر، ایضاً ص 126

(۳۰) حسن اللغات (فارسی، اردو) اورینٹیل بک سوسائٹی، لاہور، س ن، ص 261

(۳۱) پٹھانوں کے رسم ورواج، ایضاً، ص 42

(۳۲) محمد اشرف، قتل کرنا غیرت نہیں، ادارہ تدریس کوئٹہ، 2001، ص 51

(۳۳) انٹرویو: بگٹی، میر غلام قادر، سردار قبیلہ مسعودی، مورخہ 2.4.2006

(۳۴) انٹرویو: قیصرانی، ذوالفقار علی۔ ڈی جی خان، مورخہ 22.3.2005

(۳۵) شیر، قانع علی، تحفۃ الکرام، مترجم اختر رضوی، سندھی ادب بورڈ، جامشورو، 2002، ص 5

(۳۶) انٹرویو: کھوسہ، محمد علی خان، مورخہ 6.3.2006

(۳۷) ایف، آئی، آر نمبر 9803، تھانہ روجھان، مورخہ 13.10.2003

(۳۸) رضا ہمدانی، ایضاً

(۳۹) گشکوری، ارشاد احمد، سینکڑوں خواتین کاروکاری کی بھینٹ چڑھ گئیں، روزنامہ جھنگ ملتان، 30 دسمبر 2003

(۴۰) تفہیم القرآن، ج 3، ص 321

(۴۱) انٹرویو: سید بہار احمد شاہ، DSP ضلع راجن پور، 22 نومبر 2005

(۴۲) القرآن، 6:24

(۴۳) القرآن، 6:24

(۴۴) ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، السنن، ابواب الحدود، میر محمد کتب خانہ، کراچی، س ن، ص 187

(۴۵) خبریں سنڈے میگزین، 14 مارچ 2004، ص 10

(۴۶) القرآن، 4:24

(۴۷) القرآن، 283،2

Marfat.com

(۴۸) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، السنن، کتاب النکاح، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، س ن ج ا، ص286

(۴۹) القرآن، 32,5

(۵۰) انٹرویو: کھوسہ، غلام حسین دفعہ دار، مورخہ 6.3.2006

(۵۱) ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع، ابواب الحدود، نور محمد کتب خانہ کراچی، ج 2، ص397

(۵۲) القرآن، 6,49

(۵۳) سورہ انعام، 151:6

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی انقلاب

آغاز اس رحمٰن کے نام سے جس نے ہمیں قرآن سکھایا انسان بنایا اور بولنے کا طریقہ سکھایا۔ (۱)

وہ جو انسان کی تقدیر متعین کرتا ہے اور اس کے لے راہ ہدایت کی نشاندہی کرتا ہے وہ جس نے اپنے پیدا کردہ آدم کو علم الاسماء کے اعزاز سے نوازا اور جو تمام انسانوں کیلئے اولین معلم حقیقت وہدایت ہے۔

صدہا سلام اس انسان عظیم پر جسے خود انسانوں کے اندر سے بشیر ونذیر بنا کر اٹھایا گیا اور جسے ساری انسانیت کیلئے معلم فلاح وسعادت کے منصب پر قیامت تک کیلئے مامور کردیا گیا وہ کہ جس کی تعلیم کی صداقت اور سیاسی انقلاب کی روشنی میں عرب کی تہذیب نا آشنا قوم اقوام عالم کیلئے روشنی کا مینار ثابت ہوئی وہ کہ جس نے تدبر وتفکر کی کنجیوں سے علوم وفنون کے بند خزانے ساری نوع انسانی کیلئے کھول دیئے" حق یہ ہے کہ حضور کی تیار کردہ جماعت نے بین الاقوامی دور تہذیب کا افتتاح کیا اور آج کے فاسد علوم اور بے توازن تحریکوں میں جہاں کہیں کسی قابل قدر جوہر کا کوئی ذرہ چمکتا دکھائی دیتا ہے یہ اس قوم محمد کے فیضان کی یادگار ہے، جو دوسروں کو منزل کا سراغ بتانے کے بعد خود اپنا سراغ گم کر بیٹھیں۔ (۲)

اصل بحث کا آغاز کرنے سے قبل اس سوال کا جواب ضروری ہے کہ سیرت رسول کا مطالعہ کیوں کیا جائے جبکہ آپ کی وفات پر چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔علوم وفنون میں بے پناہ ترقی ہو چکی ہے۔متمدن قوموں کے ماحول اور تصور حیات میں زمین وآسمان کا فرق آچکا ہے یہ اور اس قسم کے جو دوسرے سوالات ذہن میں اٹھتے ہیں وہ تفصیلی جواب چاہتے ہیں کہ محمد بن

Marfat.com

عبداللہ بن عبدالمطلب کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کیوں ناگزیر ہے۔ اور اس غرض کیلئے کسی اور کا کیوں نہیں؟

اگرچہ اس سوال کا جواب ہمارا موضوع نہیں ہے۔ تاہم قاری کیلئے اس سوال کا جواب معلومات سے خالی نہ ہوگا۔ تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضور کی سیرت کی اہمیت کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ اصول فقہ کی کتابوں میں یہ امر مسلمہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہر قول آپ کے فعل کی طرح قانونی حیثیت رکھتا ہے اور یہ سنت نبوی ہی ہے جس سے واجبات، مستحبات، مسلمان کی زندگی اس وقت اسلامی کہلاتی ہے جب وہ قرآن حکیم کے احکام کے مطابق ہو لیکن جب قرآن حکیم ہی سنت نبوی کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرے تو ہمارے لئے کیا جواب رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم متعدد مواقع پر رسول کریم کے بنائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

''تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے تسلیم کر لیں۔'' (۴۔۶۵) اسی طرح فرمایا جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (۴۔۱۸۰) اے ایمان والو تم اللہ کا کہا مانو اور رسول کا کہا مانو اور ان کا کہا مانو جو اہل حکومت ہیں۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم اختلافات کرنے لگو تو اس معاملہ کو جس پر تم اختلافات کرتے ہو) اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو (۴۔۶۹) ایک اور موقع پر فرمایا'' اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو مت برباد کرو (۴۷۔۳۳)

یہ اور اس قسم کی دوسری آیات حدیث کے لفظاً یا معناً واجب العمل ہونے کی تائید کرتی ہیں۔ حضور کی وفات کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی طرح آپ کی سنت پر عمل کیا جس طرح وہ حضور کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ وہ اس بات میں عملاً کوئی فرق روا نہ رکھتے کہ کونسا حکم قرآن حکیم کی صورت میں نازل ہوا ہے اور کونسا حضور نے ان کو اپنی طرف سے دیا ہے کیونکہ حضور کی حیثیت شارح قرآن کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے کہا تھا کہ اگر میں قرآن مجید میں کوئی حکم تلاش نہ کر سکا تو سنت رسول کے مطابق فیصلہ کرونگا۔ قرآن پاک میں احکامات مجمل بیان ہوئے ہیں ان میں صلوۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج سرفہرست ہیں۔ ان احکامات پر اس وقت تک عمل نہیں ہو سکتا جب تک حضور کی سیرت کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ المختصر اگر آپ کی سیرت کاملہ قانوناً واجب الاتباع نہ ہو تو قرآنی فرائض کی پیروی ناممکن ہے۔ سیرت کا مطالعہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ دنیا کے تمام نبیوں میں یہ خصوصیت محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی تعلیم اور آپ کی شخصیت صدیوں سے بالکل اپنے حقیقی رنگ میں محفوظ ہے اور خدا کے فضل سے کچھ ایسا انتظام ہو گیا ہے کہ اب اس کا بدلنا غیر ممکن ہے انسان کی اوہام پرستی اور عجوبہ پسندی سے بعید نہ تھا کہ وہ اس برگزیدہ ہستی کو بھی جو کمال کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی تھی افسانہ بنا کر الوھیت سے کسی نہ کسی طرح متصف کر ڈالتی اور پیروی کے بجائے محض ایک تحیرہ استعجاب اور عبادات پرستش کا موضوع بنا لیتی لیکن اللہ تعالیٰ کو بعثت انبیاء کے آخری مرحلہ میں ایک ایسا ہادی و رہنما بھیجنا منظور تھا جس کی ذات انسان کیلیے دائمی نمونہ عمل اور عالمگیر چشمہ ہدایت ہو۔ اس لئے اس نے محمد ﷺ کی ذات کو اس ظلم سے محفوظ رکھا جو جاہل معتقد کے ہاتھوں دوسرے انبیاء اور ہادیان اقوام کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اول تو آپ کے صحابہ و تابعین اور بعد کے محدثین نے پچھلی امتوں کے برعکس اپنے نبی کی سیرت محفوظ رکھنے کا خود ہی غیر معمولی اہتمام کیا ہے لیکن پھر بھی کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ دنیا سے مٹ جائے جو ائمہ اسلام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے۔ حدیث اور سیرت کا ایک ورق بھی دنیا میں نہ رہے جس سے محمد ﷺ کا کچھ حاصل معلوم ہو سکے ہو اور صرف کتاب اللہ ہی باقی رہ جائے تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں۔ جو اس کے لانے والے کے متعلق ایک طالبعلم کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ غرض ہم ایک ایسی شخصیت کا مطالعہ کر سکتے ہیں جس کے عام حالات بھی تفصیل سے محفوظ ہیں اور جس کی تعلیم کی اساس یعنی اس پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو محفوظ و موجود ہے اس کی آیات کو پڑھنے کے متعلق کوئی چھوت چھات نہیں کہ اجنبیوں کو پڑھنے اور سننے سے روکا جائے بلکہ صلائے عام ہے کہ ہر شخص اس کو پڑھے اور بطور خود اپنے لئے فیصلہ کرے کہ وہ اس کو قبول کر سکتا ہے کہ نہیں اور جو قبول نہ

Marfat.com

کرے اس کے لئے بھی صاف حکم ہے کہ

لا اکراہ فی الدین (۵)

دنیا میں بڑے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ اگر ہم سکندر اعظم، نپولین بونا پارٹ اور ہٹلر کا مطالعہ کریں تو ان کی زندگی صرف ایک سپہ سالار جنگ اور فاتح کیلئے مفید مواد فراہم کرسکتی ہے۔ گوتم بدھ کی زندگی ریاضت وعبادت میں خصوصی دلچسپی رکھنے والوں کیلئے ہی سبق آموز ہو سکتی ہے ہومر ایک شاعر سے زیادہ کچھ نہ تھا افلاطون اور ارسطو صرف حکیم وفلسفی تھے۔ زندگی کے بقیہ شعبہ میں ان کی کوئی بڑی وقعت نہیں۔ اس کے برعکس رسول عربی کی زندگی پر نظر ڈالئے اس کی ہمہ جہت حیثیت، قول وفعل کی مطابقت تعلیم میں معتدل عملیت اور دیگر کامیابیاں سُنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ (۶)

غیر مسلموں کیلئے بھی سیرت کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے جتنا کہ مسلمانوں کیلئے کیونکہ صرف مسلمان بلکہ یورپی ومغربی مفکرین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید تحریف وتبدیلی سے پاک ہے اور اس کتاب کا ارشاد ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

مزید یہ کہ رسول اللہ نے جب اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ فرمایا کہ ''تمام عالموں کیلئے رحمت بن کر آیا ہوں اور میرے لائے ہوئے دین اسلام کے بغیر دنیا اور آخرت کی بھلائی حقیقت میں نصیب نہیں ہوسکتی'' اس بات پر اوچھی طبیعت رکھنے والوں نے تو ٹھٹہ و مذاق شروع کردیا جبکہ سنجیدہ لوگوں کا ردعمل مختلف تھا۔ انہوں نے دین اسلام کے بارے میں سوالات کئے اور ان پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ معقول رائے رکھنے والے لوگوں نے دین اسلام قبول کرنا شروع کردیا۔ (۷)

یہی طرز فکر اہل ہنود اہل یہود کو دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ رسول عربی کی تعلیمات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور یہ یقیناً ان کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اہل مغرب کے مفکرین میں سے جس نے بھی اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کی وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئے اسلام کا پیغمبر اور اس پر نازل شدہ کتاب صد لائق تحسین ہیں۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نہ صرف انسان کامل تھے بلکہ ہادی کامل تھے۔ آپ کی رہنمائی انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ کیونکہ سیاست بھی انسانی زندگی کا اہم شعبہ ہے۔ اس لئے ناممکن تھا کہ سیرت نبوی اس بارے میں ہماری رہنمائی نہ کرتی۔ حضور کے سیاسی تدبر و تفکر کی بدولت جزیرہ ہائے عرب جہاں ہر وقت خانہ جنگیاں رہا کرتی تھیں وہاں ایک مظبوط، فعال اور مستحکم حکومت قائم ہو گئی۔ ہم دیکھیں گے کہ آپ نے دس سال کے عرصہ میں کس طرح بارہ لاکھ مربع میل کا رقبہ مطیع اور ماتحت کیا۔ یہ آپ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ عرب جیسی گمنام، جاہل اور بدخو قوم نے بین الاقوامی تعلقات میں پہلا قدم رکھا اور قیصر و کسریٰ کی شاندار سلطنتیں ان کے زیرنگیں آئیں۔ ایک عیسائی مورخ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ایسی قوم جو فتوحات کے نام سے آشنا تک نہ تھی اس نے ایسا ریکارڈ قائم کیا جو اب تک کسی قوم سے نہیں توڑا جا سکا۔ (۸)

یورپی مورخین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور رسول پاک ﷺ کی تدبرانہ حکمت عملیوں کا آغاز صرف اور صرف مدنی زندگی جو صرف دس سالوں پر محیط تھی سے ہوتا ہے۔ وہ حضور ﷺ کو ان کی زندگی میں صرف اور صرف نبی اور مصلح دیکھتے ہیں۔ اسی بات کو ثابت کرنے کے لئے پروفیسر واٹ منٹگمری نے سیرت نبوی پر دو الگ الگ کتابیں تحریر کیں۔ ''محمد مکہ میں'' اور ''محمد مدینہ میں''۔ (۹)

اس مقالہ میں یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ حضور ﷺ کے سیاسی انقلاب کی جھلکیاں مکی زندگی میں اعلان نبوت سے قبل ہی ہو چکی تھیں۔ اسلامی تاریخ کا ایک ادنی سا طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان مدبرین میں اعلیٰ مقام حاصل کیا جنہوں نے حلف الفضول کے نام سے بڑے بڑے ذی اثر ظالموں کے خلاف ہر مظلوم کی مدد کا معاہدہ کیا تھا۔ ایک طرف ''حلف الفضول'' کے معاہدے نے اس تیرہ و تاریک ماحول میں انصاف کی شمع روشن کی دوسری طرف کعبہ کی تعمیر نو کے وقت حجر اسود کی تنصیب نے بے شمار انسانوں کا خون بہنے کی نوبت نہ آنے دی۔ کعبہ کی تعمیر نو کے وقت حجر اسود کو نصب کرنے پر قبیلوں میں ٹھن گئی تھی۔ آپس کے کشت و خون کا سخت خطرہ درپیش تھا۔ ایسے میں طے ہوا کہ جو شخص دوسرے دن سب سے پہلے حرم شریف کے اس دروازے میں سے گزرے وہی اس

Marfat.com

معاملہ میں انصاف کرے۔ اللہ کو اپنے حبیب کے ہاتھوں اس جھگڑے کو طے کرانا مقصود تھا۔ حضور ﷺ ہی سب سے قبل صبح کے وقت کعبہ کے احاطہ میں داخل ہوئے۔ اس پر سب سرداروں نے بخوشی اس امین کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔ غور کریں کیسا تدبر ہے کہ بڑے بڑے تجربہ کار اور جہاں دیدہ بزرگ جن کے اشاروں پر ہزاروں کا خون بہہ جانے کا سامان پیدا ہو چکا تھا اور وہ خون کے پیالوں میں ہاتھ ڈبو کر قسمیں کھا چکے تھے کہ کسی دوسرے کو حجر اسود نہ رکھنے دیں گے۔ سب کے سب حضور ﷺ کے فیصلے کے منتظر تھے۔ آپ کی خوش تدبیری اور معاملہ فہمی سے یہ مرحلہ اس طرح طے ہوا کہ آپ نے ایک بڑی چادر بچھا کر حجر اسود اس پر رکھوا دیا اور سب سرداروں کو کہا کہ اسے چاروں طرف سے تھام کر کعبہ کی تعمیر کی جگہ پر پہنچا دو۔ اب سیدی رسول ﷺ نے بہ نفس نفیس خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پتھر کو چادر سے باہر نکالا اور اس کی اصل جگہ پر نصب کر دیا۔ آپ کے اس بہترین فیصلے پر ہر طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔ (۱۰)

اس واقعہ کے بعد آپ نے ایک اہم اور خطرناک سازش سے اہل عرب کو بچایا۔ جس کے نتیجے میں عرب کا بچہ بچہ آپ کو اپنا محسن قرار دیتا ہے۔ ایک عرب نے قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کا دین قبول کر کے خراب نیت سے حجاز کا رخ کیا۔ اس نے پوشیدہ طور پر کوشش کی کہ مکہ کی حکومت اور باگ ڈور رومی نصرانیوں کے ہاتھ میں دے دی جائے اور وہ اس مقدس خطہ پر اپنا تسلط قائم کر لیں۔ حضور ﷺ نے حالات کو بھانپ لیا اور نہایت خوش تدبیری سے اس دغا بازی کا راز کھول دیا۔ اس کے نتیجے میں اہل عرب نے مناسب کاروائی کر کے اپنی ملکی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو اغلب تھا کہ اہل عرب کا قتل و غارت اور حرم کی بے حرمتی ظہور میں آتی۔ (۱۱)

یہ تدبر و تفکر اس عظیم ہستی کا تھا جس کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا!

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین۔ (۱۲)

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ آپ نے اپنی جرأت مندانہ قیادت سے مسلمانوں کو ہر مشکل وقت میں حوصلہ اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کرنا سکھلایا۔ آپ نے اپنی عظیم حکمت عملی

Marfat.com

سے سرداران قریش سے براہ راست رابطے قائم کیے۔ آپ نے ہجرت حبشہ اور عکاظ کے میلوں پر لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور نئے روابط قائم کیے۔ آپ نے اپنی تدبرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مخالفانہ ماحول کے باوجود اسلام کی آزادانہ نشو ونما کی۔ جب ہم حضور ﷺ کی مدنی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ کو یہاں بے شمار سیاسی اور اجتماعی مسائل درپیش تھے۔ انصاری قبیلے آپس میں اختلافات رکھتے تھے۔ منافقین اور دوغلے موجود تھے۔ یہود سماجی اور اقتصادی طور پر بالادست تھے۔ مرکزی اور قانونی حکومت کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اور مہاجرین جو آپ کے بااعتماد ساتھی تھے۔ معاشی طور پر مفلوک الحالی کا شکار تھے۔ اور پھر ان مسائل کے حل کرنے کے لئے نہ حکومت تھی نہ فوج نہ کوئی خزانہ تھا۔ اور نہ کوئی عدلیہ کا وجود ہاں اگر وجود تھا تو آپ کی فہم وفراست کا اور آپ کے تدبر وتفکر کا اس تدبر وتفکر کے نتیجہ میں آپ نے ایسے اقدام کیے جو رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔ آپ نے میثاق مدینہ کے ذریعے ایک طرف عرب کی تاریخ میں پہلی بار مرکزی اتھارٹی قائم کی دوسری طرف اوس اور خزرج کے تعلقات میں توازن پیدا کیا۔ مہاجرین کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مواخدات کا عدیم النظیر ہتھیار استعمال کیا۔ یہود اور منافقین کو ایک مرکز کے تحت جمع کرنا، شہری امن وامان بحال کرنا اور مواخات کے ذریعہ مہاجرین اور انصار میں محبت پیدا کرنا معمولی کارنامے نہ تھے بلکہ آپ کی اعلیٰ اصولوں پر مبنی سیاست کا درخشاں ثبوت تھے غور کیجئے کہ ایک شخص بالکل اجنبی ماحول میں جاتا ہے اور متضاد عناصر کو چند ہی ماہ میں ایک سیاسی وحدت بنادیتا ہے کمال یہ ہے کہ اس سیاسی وحدت کے تحریری دستور میں نہایت واضح طور پر عدالتی تشریعی، فوجی اور تنفیذی اختیارات حضور ﷺ کے ہاتھ میں دے دیئے جاتے ہیں۔ اس سیاسی دستاویز میں یہ منوالیا گیا کہ عرب قبائل میں جو مشرک اور یہودی شامل ہوں وہ مسلمانوں کے تابع اور جنگ کی صورت میں ان کے معاون ہوں گے۔ نیز یہ کہ قریش مکہ کے جان ومال کو نہ تو خود کوئی امان دیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالیں گے جب وہ کسی قریشی پر حملہ آور ہوں اس مین یہ بھی منوالیا گیا کہ جنگ وصلح کے معاملات مشترکہ ہوں گے۔ کوئی جنگ سب کے لئے جنگ ہوگی فوجی خدمت لازمی جبری ہوگی البتہ جملہ حلیف اپنے اپنے قبیلہ کے

Marfat.com

مصارف جنگ خود برداشت کریں گے۔ ان اقدامات کی کامیابی یقیناً آپ کے عملی نمونہ، اخلاق عالیہ، ضبط وتحمل، انتظامی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ یہ شواہد فراہم کرتا ہے کہ یہود نے کئی مرتبہ اشتعال انگیزیاں کیں مگر آپ ﷺ نے متعدد باران سے درگزر فرمایا اسی طرح منافقین کے رویہ پر آپ نے مسلسل چشم پوشی اور مروت سے کام لیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کئی دفعہ انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا۔ جنگ احد کے موقع پر آپ کے ساتھیوں کے ساتھ غداری کی مگر حضور ﷺ نے اونچے درجہ کی اخلاقی سیاست کا مظاہرہ کیا۔

جنگ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی یہ چال تھی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ ہی میں قیام فرمائیں اور ہرگز کفار کے مقابلہ پر نہ نکلیں اس نے مندرجہ ذیل الفاظ سے اللہ کے رسول کو اصل مقصد سے ہٹانے کی ناکام کوشش کی۔ آپ ﷺ ان (کفار مکہ) کے مقابلہ پر نہ نکلیں کیونکہ ہمیشہ یہ ہوا ہے کہ جب کبھی مدینہ سے نکل کر ہم نے کسی دشمن کا مقابلہ کیا ہمیں ضرر پہنچا اور جب کسی دشمن نے یہاں ہم پر پیش قدمی کی ہمیشہ اسے زک اٹھانی پڑی۔ آپ ﷺ ان کو جہاں وہ ہیں وہیں رہنے دیں۔ وہ مقابلہ بہت برا ہے۔ اس طرح سے ان کو سخت تکلیف ہوگی۔ اگر وہ مدینہ آئیں گے تو یہاں ایک طرف مرد سامنے سے ان کا مقابلہ کریں گے دوسری طرف عورتیں اور بچے اوپر سے ان پر سنگ بازی کریں گے اور وہ یہاں سے ذلیل بے نیل ومرام پسپا ہو جائیں گے۔ (۱۳)

ان الفاظ کے ساتھ رئیس المنافقین نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو جنگ پہ آمادہ کیا جائے۔ وہ اپنی چال میں شاید کامیاب ہو جاتا مگر جو صحابہ دلی طور پر دشمن کا مقابلہ کرنے کے آرزومند تھے وہ برابر رسول اللہ ﷺ سے اصرار کرتے رہے کہ آپ ﷺ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں۔ اس پر حضور ﷺ نے اپنی زرہ منگوا کر اسے زیب تن کیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ تو مسلح ہو گئے وہ اپنے اصرار پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ پر تو خود وحی آتی ہے اس لئے ہم نے بہت برا کیا کہ ان کی مرضی کے خلاف مشورہ دیا۔ اس خیال سے وہ سب آپ کے پاس معذرت کے لیے آئے اور کہا کہ جو آپ ﷺ کی رائے ہو اسی پر عمل

Marfat.com

کریں۔ اس پر حضور ﷺ نے کہا "کسی نبی کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ جب وہ زرہ پہن لے تو بغیر لڑے ہوئے اسے اتار دے۔ (۱۴)

حضور ﷺ کے ساتھ ایک ہزار کا لشکر تھا۔ آپ مدینہ سے ابھی تھوڑا ہی دور گئے تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس آ گیا۔ حضور ﷺ نے ابو جابر السلمی کو تعاقب میں بھیجا مگر عبداللہ نے اپنی منافقت کو نہ چھوڑا۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر صبر تحمل بردباری اور اللہ کی مدد کا سہارا لیا۔ ضبط وتحمل اور غور وفکر کے علاوہ حالات کا جذباتیت سے عاری تجزیہ مستقبل اور دیرپا فوائد کے لئے عارضی نقصان قبول کر لینا اور فضل واحسان سے مخالفین کے دلوں میں گھر کر لینا آپ کی سیاست کے نمایاں اصول تھے۔ ان اصولوں کا عملی مظاہرہ ہم صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اپنے بیشتر ساتھیوں کی خواہشات کے برعکس کفار کی بڑی بڑی شرطیں مان لیں اور پھر حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کے دور بین نظریں وہ کچھ دیکھ سکتی تھیں جو دوسروں کو نظر نہ آتا تھا۔ قرآن حکیم نے صلح حدیبیہ کو اسی لئے فتح مبین" قرار دیا۔ (۱۵)

مگر اس کے فتح ہونے کا پہلو کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کسی صحابی نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ (۱۶) نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے یقیناً یہ فتح ہے۔ (۱۷)

جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو ایک صاحب نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ کیسی فتح ہے۔ ہم بیت اللہ جانے سے روک دیئے گئے۔ ہماری قربانی کے اونٹ بھی آگے نہ جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ ہی میں رک جانا پڑا۔ اس صلح کی بدولت ہمارے بھائی ابو جندل بھی ظالموں کے حوالے کر دیئے گئے جب یہ بات آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا "اس سے بڑی فتح کیا ہو گی کہ تمہارے مخالفین نے خود جنگ بند کرنے اور صلح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ کیا تم وہ دن بھول گئے جب احد میں تم بھاگے جا رہے تھے اور میں تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا۔ کیا وہ دن بھول گئے جب جنگ احزاب میں ہر طرف سے دشمن چڑھ آئے تھے اور کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ (۱۷)

Marfat.com

صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر مکہ کے ۸۰ آدمی تنعیم کی طرف سے آئے اور فجر کی نماز کے قریب انہوں نے آپ ﷺ کے کیمپ پر شبخون مارنے کا ارادہ کیا مگر وہ سب کے سب پکڑے گئے۔ مگر حضور ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا تا کہ اس نازک موقع پر یہ معاملہ لڑائی کا موجب نہ بن جائے۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے چند آدمیوں کو مستثنیٰ کیا تھا ان میں سے بھی تین چار کے سوا کوئی قتل نہ کیا گیا۔ سارا عرب اسی بات کو جانتا تھا۔ کہ اہل مکہ نے رسول ﷺ اور مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کئے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فتح پا کر جس عالی حوصلگی کے ساتھ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو معاف فرمایا اس سے اہل عرب کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان کا سابقہ کسی جبار سے نہیں بلکہ ایک نہایت رحیم وشفیق اور فیاض رہنما سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد پورے جزیرہ عرب کو فتح ہو جانے میں دو سال سے زیادہ دیر نہ لگی۔

غور کریں کہ وہ عظیم انسان جو مکہ سے ایک آدمی کو لے کر نکلا تھا اب دس ہزار آدمیوں کو ساتھ لیکر مکہ میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ آپ کی فہم وفراست ہی تھی کہ مختصر عرصہ میں اسلام نے ایسی ترقی کی کہ تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی معلم، ہادی اور پیغمبر آئے کسی کو اپنی زندگی میں اتنی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جو نبی عربی ﷺ کو ہوئی۔ ۱۰ ہجری میں جب آپ ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کا جم غفیر تھا۔ آپ ﷺ نے جو سیاسی انقلاب دین اسلام کے ذریعے برپا کیا اس کی صدا قیصر وکسریٰ کے ایوانوں تک سنی گئی۔ آپ نے جو ستور مملکت مرتب کیا اور جو نظام حکمرانی قائم فرمایا اس پر عمل دنیا کی ایک عظیم الشان مملکت کے لئے نہ صرف ہر طرح کارآمد ثابت ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا وہ دنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی۔ آپ ﷺ نے بحیثیت قوم جس اتفاق واتحاد کا مظاہرہ کیا اس کو گاندھی جیسے کٹر ہندوؤں نے بھی تسلیم کیا اور اس دور کو انسانیت کا دور زریں قرار دیا اور ہمیشہ کانگرسی حکومتوں کو مشورہ دیا کہ اس نظام کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔ (۱۸)

Marfat.com

حوالہ جات

(۱) القرآن، ۵۵=۱۔م (الرحمٰن، علم القرآن، خلق الانسان وعلم البیان)
یہ آیات ہیں جو سب سے قبل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مکہ میں با آواز بلند تلاوت کر کے قریش کو سنائیں۔ اس پر قریش مکہ نے آپ کو طمانچہ مار کر زخمی کر دیا۔ طبری، تاریخ طبری، ج ا، ص ۱۰۰۔

(۲) نعیم صدیقی، رسول بحیثیت معلم، ص ۵، ادارہ تحقیق، لاہور۔ ۱۹۸۷۔

(۳) عبدالوھاب خلاف، علم اصول الفقہ ص ۳۸، کویت، ۱۹۴۲۔

(۴) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، سیارہ ڈائجسٹ (قرآن نمبر) ج ۳، ص ۳۸۔

(۵) القرآن ۲، ۲۵۶۔

(۶) ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۴، کراچی، ۱۹۸۰۔

(۷) صلح حدیبیہ کے موقع پر بدیل نامی شخص قریش مکہ کے پاس جب حضور ﷺ کا پیغام لے کر گیا تو ان سے پوچھا کہ کیا تم کو میں وہ کچھ کہہ دوں جو میں نے سنا ہے۔ اس پر قریش کے نادان کہنے لگے کہ ہمیں اس کی کسی بات کے سننے کی ضرورت نہیں مگر جو ان کے دور اندیش اور اہل رائے تھے انہوں نے کہا اچھا تم بیان کرو کیا تم نے سنا۔ اسی طرح صلح کے بعد لوگ ایک دوسرے کی جانب سے بے خطر ہو کر باہم تبادلہ خیالات اور مکالمہ کرنے لگے تو جس شخص میں کچھ بھی عقل تھی اس سے جب اسلام قبول کے اصول بیان کئے گئے۔ اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اس طرح دو سالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے کہ اس سے قبل تمام مدت میں اسلام لائے تھے۔ (بحوالہ طبری، تاریخ الامم، ج ا، ص ۳۳۹۔

Marfat.com

(۸) ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۵، کراچی، ۱۹۸۰ء۔
(۹) پروفیسر ساجد میر، سیاست نبوی، روزنامہ جنگ لاہور، ۸، دسمبر ۱۹۸۸ء۔
(۱۰) طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۱، ص ۶۸ نفیس اکیڈمی، کراچی۔
(۱۱) محمد منیر قریشی، انسان کامل، ص ۳۱، لاہور۔
(۱۲) القرآن، ۲۱۔ ۱۰۷۔
(۱۳) ابن ہشام، سیرت، متعقہ مضمون۔
(۱۴) تاریخ طبری، ص ۲۲۵۔
(۱۵) قرآن، ۴۸، ۱۔
(۱۶) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۴۳۔
(۱۷) ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۶، کراچی ۱۹۸۰ء۔

Marfat.com